باسمہٖ سبحانہٗ
آفتابِ محمدی
بجواب
شمعِ محمدی
مرتب:۔
پیر جی سید مشتاق علی شاہ
Www.Ahlehaq.Com
ناشر
عبدالمتین اکیڈمی
محلہ گوبند گڑھ
گوجرانوالہ

باسمہٖ سبحانہٗ

آفتابِ محمدی

بجواب

شمعِ محمدی

مرتب: پیرجی سید مشتاق علی شاہ

اس کتاب میں مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد بن ابراہیم میمن جوناگڑھی کی کتاب شمع محمدی کا جواب دیا گیا ہے نیز انھوں نے فقہ اور حدیث کا جو مصنوعی تضاد شمع محمدی میں بنایا تھا اس کا مدلل جواب اس کتاب میں آگیا ہے اور ساتھ ساتھ جوناگڑھی کے علاوہ اس موضوع پر غیر مقلدین کی جتنی کتابیں بھی احقر کو مل سکیں سب کا جائزہ پیش کیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ فقہ حنفی کا کوئی بھی مستند مسئلہ قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

ناشر عبد المتین اکیڈمی محلہ گوبند گڑھ گلی ۵ مکان ۳۴۶/C
کالج روڈ گوجرانوالہ ۔ فون: ۲۳۷۱۹۲

نام کتاب ____ آفتابِ محمدی بجوابِ شمعِ محمدی

مرتب ____ پیرجی سیّد مشتاق علی شاہ

کمپوزنگ ____ مدینہ کمپیوٹر سنٹر کوٹلہ

ضخامت ____ ۳۰۴ صفحات

تاریخ طبع اوّل ____ اکتوبر ۲۰۰۱ء

مطبع ____

قیمت ____

ملنے کے پتے

۱۔ عبدالمتین اکیڈمی گلی ۵ گوبند گڑھ، گوجرانوالہ
۲۔ مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
۳۔ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
۴۔ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
۵۔ مکتبہ سیّد احمد شہیدؒ 〃 〃
۶۔ مکتبہ شرکتِ علمیہ ملتان
۷۔ مکتبہ امدادیہ 〃
۸۔ کتب خانہ مجیدیہ 〃
۹۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ 〃
۱۰۔ مکتبہ اصلاح و تبلیغ حیدرآباد
۱۱۔ مکتبہ قاسمیہ بنوری ٹاؤن کراچی
۱۲۔ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
۱۳۔ اسلامیہ کتب خانہ اڈا کامی ایبٹ آباد
۱۴۔ مکتبہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ مینگورہ سوات
۱۵۔ الجمیعۃ اکیڈمی پشاور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فہرست مضامین

عرضِ مُرتّب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۃ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

محترم قارئین کرام! اہل سُنّت وجماعت حنفی مسلک کے خلاف غیر مقلدین کی طرف سے یہ بات مشہور کی جاتی ہے کہ حنفی مسلک قرآن وسنّت کے صریحاً خلاف ہے۔ یہ بات تقریراً بھی بیان کی جاتی ہے اور تحریراً بھی۔ غیر مقلدین کے اکابر نے اس موضوع پر مواد اکٹھا کرنے کی بہت کوششیں کی ہیں مگر سب کی سب بیکار ثابت ہوئیں۔ برصغیر پاک و ہند میں اس فرقے کے وجود میں آنے کے بعد ہمارے علم کے مطابق اس موضوع پر سب سے پہلے محی الدین لاہوری غیر مقلد نے اپنی کتاب "ظفر المبین" کے ایک باب میں ایک سو مسائل میں فقہ وحدیث کا تضاد ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسکے جواب میں کئی کتابیں شائع ہوئیں جن میں سے تین زیادہ مشہور ہوئیں۔ "فتح المبین"، "نصر المقلدین" اور "نصرۃ المجتہدین"۔ اسکے بعد ابوالحسن سیالکوٹی نے ظفر المبین جدید کے نام سے حصہ دوم شائع کیا اس میں ایک سو چھ مسائل میں فقہ اور حدیث کا تضاد ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس کتاب میں کوئی نئی بات نہیں تھی وہی پہلے والے مسائل نقل کیے گئے تھے جن کے جوابات علمائے احناف کئی بار دے چکے تھے ہمارے علم کے مطابق اس کا کوئی مستقل جواب شائع نہیں ہوا۔ (فقہ اور حدیث کے تضاد والے حصے کا جواب الحمد للہ اب تیار ہو چکا ہے جو اپنے وقت پر شائع ہو گا۔ مشاق) ان دونوں کتابوں کے بعد صرف فقہ اور حدیث کے تضاد کے موضوع پر مستقل کتاب جو شائع ہوئی وہ شمع محمدی ہے۔ شمع محمدی کو اس حیثیت سے اس موضوع کی پہلی مستقل تصنیف بھی کہہ سکتے ہیں۔

شمع محمدی اسکے مصنف محمد بن ابراہیم میمن جوناگڑھی ہیں۔ کتاب کا اصل نام اس طرح ہے اظہار الطیّب والخبیث بتقابل الفقہ والحدیث المعروف بہ شمع محمدی۔ اس کتاب کے دو مختلف نسخے ہمارے پیش نظر ہیں مصنّف نے اس کتاب میں کل ۱۵۶ مسائل میں فقہ اور حدیث کا تضاد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جن میں سے ۶۶ مسائل ظفر المبین حصّہ اوّل تالیف محی الدّین کے ہیں اور ۴۴ مسائل ظفر المبین جدید حصّہ دوم مصنّف مولانا ابوالحسن سیالکوٹی کے ہیں اور کچھ مسائل مصنف ابنِ ابی شیبہ سے لیے ہیں ایک سو چھپن میں سے ایک سو دس اگر نکال دیئے جائیں تو ۴۶ باقی رہ جاتے ہیں صاحبِ شمع محمدی نے ۴۶ مسائل کا اضافہ کر کے یہ کتاب تیار کی ہے اور ان ۴۶ مسائل میں بھی بعض مسائل مصنف ابنِ ابی شیبہ کے شامل ہیں مصنف ابن ابی شیبہ والے مسائل کے جوابات صدیوں پہلے علمائے احناف دے چکے ہیں۔ اردو میں بھی تین کتابیں موجود ہیں۔ (۱) اجوبۃ اللطیفہ عن لبعض ردود ابن ابی شیبہ علی ابی حنیفہؒ (۲) تائید الامام (۳) امام اعظم ابوحنیفہؒ اور عمل بالحدیث۔ شمع محمدی کے بعد آج تک جتنی کتابیں بھی فقہ اور حدیث کے تضاد میں شائع ہو رہی ہیں۔ انھی تینوں کتابوں سے سرقہ کر کے شائع کی جا رہی ہیں مثلاً سبیل الرسول میں جو ۲۲ مسائل بیان

کیے گئے ہیں ان میں سے ۲۱ شمع محمدی سے لیے ہیں اور ایک ظفر المبین سے۔ "اختلافِ اُمت کا المیہ" اس میں جو مسائل نقل کیے ہیں وہ سبیل الرسولؐ سے لیے ہیں ہر آدمی تقابل کر کے دیکھ سکتا ہے۔ "احادیثِ نبویؐ اور فقہ حنفیہ" اس میں جو مسائل نقل کیے ہیں وہ ظفر المبین جدید حصہ دوم سے لے کر شائع کیے ہیں دونوں کتابوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لیں۔ "مقلدین ائمہ کی عدالت میں" اس کے آخر میں جو مسائل ذکر کیے گئے ہیں ان میں بھی اکثر مسائل ان تینوں کتابوں سے لیے گئے ہیں۔ فقہ اور حدیث کے تضاد کے موضوع پر ایک رسالہ فتاویٰ حدیث اور فتاویٰ عالمگیری بھی گوجرانوالہ سے شائع ہوا تھا۔ اس کا جواب فتاویٰ عالمگیری پر اعتراضات کی حقیقت حصہ اول کے نام سے دیا گیا تھا۔ اس رسالہ میں بھی گیارہ مسائل میں سے دس مسائل ظفر المبین حصہ اوّل کے ہیں اور ایک فتح المبین علی ردّ مذاہب المقلدین کا ہے۔

ناظرین کہاں تک ذکر کیے جاؤں بات کافی دُور چلی گئی۔ بہرحال "آفتابِ محمدی" میں ہم نے "شمع محمدی" کا مکمل جواب دیا ہے۔ طرز یہ رکھی ہے کہ پہلے مکمل عبارت شمع محمدی کی نقل کی ہے اس کے بعد جواب نقل کیا گیا ہے۔ اس حصہ میں مسئلہ ۱ سے لے کر مسئلہ ۵۶ تک ترتیب وار جوابات دیئے گئے ہیں۔ حصہ دوم میں مسئلہ ۵۷ سے لے کر مسئلہ ۱۵۶ تک یعنی ایک سو مسائل کے جوابات آ رہے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

آخر میں ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین۔

نوٹ: اگر کتاب میں کوئی غلطی ہو تو ضرور اطلاع کریں انشاء اللہ تعالیٰ ضرور درست کی جائے گی۔ اور صحیح بات کو تسلیم کیا جائے گا۔ ہمیں کسی کے مسلک سے کوئی سروکار نہیں ہم نے تو صرف یہ ثابت کیا ہے کہ ہمارا مسلک قرآن وسنت کے مخالف نہیں ہے۔

صاحب شمع محمدی نے ص ۲۰ پر ایک بڑی سرخی قائم کی ہے۔ لکھتے ہیں وہ حدیثیں جنہیں حنفی مذہب نہیں مانتا اس کے تحت انہوں ۱۵۶ مسائل ذکر کئے ہیں جو ان کے نزدیک حدیث کے صریح خلاف ہیں۔ ہم یہاں پر ترتیب وار ان کے اعتراضات نقل کر کے جواب عرض کرتے ہیں۔

سید مشتاق علی شاہ

(۱) عورت کی باری باندھنے کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ابی قلابة عن انس قال من السنة اذا تزوج الرجل الکبر علی الثیب اقام عندها سبعا وقسم واذا تزوج الثیب اقام عندها ثلثا ثم قسم قال ابوقلابة ولو شئت لقلت ان انسا رفعه الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم (متفق علیہ مشکوۃ ص ۲۸۹ جلد دوم)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے کہ بیوی والا جب اپنا اور نکاح کرے تو اگر کسی کنواری سے کیا ہے تو سات راتیں اس کے پاس گزارنے کے بعد باریاں تقسیم کرے اور اگر کسی رانڈ سے کیا ہے تو تین راتیں اس کے پاس گزار کر پھر باریاں تقسیم کرے۔ یہ حدیث بخاری مسلم کی ہے اور صاف لفظوں میں ہے کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا۔ حنفیوں کی سب سے اعلی اور سب سے معتبر کتاب ہدایہ کتاب النکاح باب القسم ص ۳۲۹ میں ہے والقدیمة والجدیدة سواء۔

یعنی پرانی بیوی اور نئی کی ہوئی باریوں میں برابر کی حقدار ہیں یعنی اگر پرانی پر کی ہے اور وہ کنواری ہے تو سات راتیں اس کے پاس گزار کر پھر باریاں باندھے اور اگر وہ رانڈ ہے تو تین راتوں کا حق اسی کا ہے پھر باریاں باندھے ایسا نہ کرے بلکہ شب اول سے ہی باریاں مقرر کردے۔ حنفی بھائیو!

حدیث بھی آپ کے سامنے ہے اور آپ کی فقہ کا مسئلہ بھی آپ کے سامنے ہے۔ کیا سچ مچ جو حدیث میں ہے آپ چھوڑ دیں گے نہ مانیں گے؟ اور جو فقہ میں ہے اسے تھام لیں گے؟ اور اسی پر ایمان لائیں گے؟
(شمع محمدی ص ۴۱، ظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین حصہ اول ص ۱۸۲، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۹)

اصل میں یہ اعتراض صاحب شمع محمدی نے ظفر المبین سے سرقہ کیا ہے۔

جواب

اس اعتراض کا جواب اسی زمانہ میں، مولانا منصور علی خاں مراد آبادی شاگرد رشید حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فتح المبین فی کشف مکائد غیر مقلدین کے ص ۱۹۲ پر دے دیا تھا۔ فتح المبین سے ہم یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

مولانا لکھتے ہیں ۔ مذہب امام صاحب کا اس مقام پر قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے ۔ اعتراض مخالفت کتاب و سنت کا ان پر نہیں ہو سکتا۔ ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ اور امام احمد اور امام حاکم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔

(۱) کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کی دو عورتیں ہوں پس (وہ خاوند) مائل ہو طرف ایک کے تو قیامت کے دن وہ شخص آئے گا اس حال میں کہ منہ اس کا ٹیڑھا ہوگا۔ اور ابوداؤد اور نسائی اور ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے

(۲) کہ رسول اللہ ﷺ قسمت کرتے اور برابر کرتے اور فرماتے خدایا یہ تقسیم وہ ہے جو میرے اختیار میں ہے پس غیر اختیاری میں مجھ کو ملامت نہ کرنا یعنی بعض سے قلب بے اختیار مائل ہے۔

(۳) اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ یعنی

پس اگر خوف کرو تم کہ عدل نہیں ہو سکے گا تو ایک ہی عورت کرو۔

پس قرآن و احادیث سے معلوم ہوا کہ ازواج میں خواہ وہ باکرہ ہوں خواہ ثیبہ عموما برابری چاہیے۔

جس حدیث میں شروع نکاح میں باکرہ کے واسطے سات روز اور ثیبہ کے واسطے تین روز کا ذکر ہے حنفیہ اس کا انکار نہیں کرتے مگر یہ کہتے ہیں کہ جتنے دن اس کے پاس رہے گا اتنے ہی دن پہلی کے پاس بھی رہنا پڑیگا ورنہ قرآن و حدیث کی مخالفت لازم آئے گی۔ اور مسلم کی حدیث جس میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کیا اور تین روز تک ان کے پاس رہے اور فرمایا کہ تم چاہو تو سات دن رہوں مگر سات سات دن اوروں کے پاس بھی رہنا پڑے گا (یعنی دوسری ازواج کے)۔

اس حدیث میں آپ کا یہ فرمانا کہ پھر اوروں کے پاس بھی اس قدر رہنا ہوگا اس بات پر صریح دلالت کرتا ہے کہ برابری چاہیے۔ البتہ بوجہ ابتدائے نکاح کے باکرہ کے پاس سات روز کی اجازت اور ثیبہ کے پاس تین روز کی اجازت دی گئی ہے جس کو فقہ حنفی بھی تسلیم کرتی ہے مگر بعد میں دوسری عورتوں کے ساتھ بھی اتنے اتنے ہی دن رہے تاکہ برابری بھی ہو جائے۔ اور قرآن و حدیث کے مخالف لازم نہ آئے۔

(۲) خطا و نسیان کا مسئلہ
(نماز میں بھول کر کلام کر لینا)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے:۔

عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ تجاوز عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی۔ مشکوۃ ص ۵۸۴ ج ۲)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالی نے میری امت کی غلطی اور خطا سے اور بھول چوک سے اور جو ان سے جبراً کراہا کرایا جائے

اس سے درگزر فرما کر معاف فرما دیا ہے یہ حدیث ابن ماجہ اور بیہقی کی ہے
ان کے الفاظ صاف ہیں کہ جو کام بھولے چوکے ہو جائے وہ معاف ہے اس پر
پکڑ نہیں۔ اسی اصول کے مطابق نماز میں جو غلطی سے یا بھولے سے بول
چال لے اس کی نماز باطل نہیں ہوتی۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں
ہے کہ حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ نے نماز میں کلام کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے یہ منقول نہیں کہ آپ نے انہیں اس نماز کے دہرانے کا حکم دیا ہو۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چار رکعت والی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
دو پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ پھر جب آپ کو اطلاع دی گئی اور یقین ہوا تو جو دو
رکعت چھوٹ گئی تھیں انہیں ادا کرلیا اور دو سجدے سہو کے کرلیے یہ حدیث
بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہی روایت مسلم
شریف میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ پس یہ حدیثیں
صاف ہیں اس بارے میں کہ نماز میں بھول کر یا بے علمی سے اگر کوئی کلام
کرلے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا۔ حنفیوں کی سب سے اعلیٰ
اور سب سے معتبر کتاب ہدایہ کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلٰوۃ الخ
ص ۱۱۴ میں ہے ومن تکلم فی صلوتہ عامدا او ساھیا بطلت صلوٰتہ
یعنی جو شخص اپنی نماز میں کلام کرلے خواہ جان بوجھ کر خواہ بھولے
چوکے سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ حنفی بھائیو! حدیث بھی آپ کے
سامنے ہے اور آپ کی فقہ کا مسئلہ بھی آپ کے سامنے ہے کیا سچ ، مچ جو
حدیث میں ہے آپ چھوڑ دیں گے؟ نہ مانیں گے؟ اور جو فقہ میں ہے اسے
تھام لیں گے؟ اور اسی پر ایمان لائیں گے؟

(شمع محمدی ص ۴۲، ظفر المبین حصہ دوم ص ۵۵، فتح المبین علی رد مذاہب

المقلدین ص ۱۳۲)

جواب

کئی روایات سے ثابت ہے کہ ابتدا میں نماز کے دوران میں گفتگو کر لینے کی اجازت تھی اور صحابہ کرام نماز کی حالت میں سلام کا جواب دینے کے علاوہ آنے والے کو یہ بھی بتا دیتے تھے کہ کتنی رکعات ہو گئی ہیں۔ لیکن بعد میں یہ اجازت منسوخ ہو گئی اور نماز کی حالت میں ہر قسم کی گفتگو ممنوع قرار پائی۔

احناف کا استدلال مندرجہ ذیل روایات سے ہے۔

(۱) حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ ہم نماز کی حالت میں باتیں کیا کرتے تھے۔ آدمی نماز کی حالت میں اپنے ساتھ کھڑے آدمی سے بات چیت کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت اتری وقوموا للہ قانتین ○ (اور اللہ کے حضور خاموشی کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ) چنانچہ ہمیں سکوت کا حکم دیا گیا اور کلام کرنے سے منع کر دیا گیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۴)

(۲) حضرت معاویہ بن حکم سلمیؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نماز کے دوران میں یوں ہوا کہ ایک آدمی نے چھینک ماری تو میں نے اسے یرحمک اللہ کہہ دیا۔ اس پر صحابہ کرام نے مجھے گھورنا شروع کر دیا۔ میں نے کہا کہ کیا بات ہے؟ کیوں تم میری طرف گھور گھور کر دیکھ رہے ہو تو صحابہ کرامؓ اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے لگے۔ نماز کے بعد حضور ﷺ نے مجھے سمجھایا اور کہا۔

بے شک نماز میں لوگوں کی باتوں میں سے کوئی بات کرنا درست نہیں ہے۔ یہ تو صرف تسبیح اور تکبیر اور قرآن کی قرات کا نام ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۳)

اس حدیث میں جان بوجھ کر کلام کرنے یا بھول چوک سے کلام کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ حکم دونوں صورتوں کو عام ہے۔

(۳) عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ پہلے ہم حضورؐ کو نماز کی

حالت میں سلام کرتے تو آپؐ اس کا جواب دیا کرتے تھے۔ جب ہم ہجرت حبشہ سے واپس آئے تو میں نے حضورؐ کو نماز کی حالت میں سلام کیا' لیکن آپ نے جواب نہ دیا۔ اس پر مجھے بہت تشویش لاحق ہوئی میں وہیں بیٹھ گیا' جب حضورؐ نے نماز مکمل کرلی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکامات میں سے جو چاہتا ہے بھیجتا رہتا ہے۔

اب اس نے یہ حکم اتارا ہے کہ نماز کے دوران میں کلام نہ کیا جائے۔ (سنن نسائی ج ا ص ۱۸۱)

عبد اللہ بن مسعودؓ نے دو دفعہ ہجرت حبشہ کی تھی۔ پہلی دفعہ ہجرت کرنے کے بعد پھر مکہ مکرمہ واپس چلے گئے تھے جبکہ دوسری دفعہ ہجرت کرنے کے بعد وہاں سے ۲ ہجری میں' غزوہ بدر سے کچھ پہلے مدینہ منورہ چلے آئے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۶۰' البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۶۹) اس روایت سے دوسری واپسی کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے دوران میں گفتگو کی اجازت ۲ ہجری میں غزوہ بدر سے پہلے منسوخ ہو چکی تھی۔

رہیں وہ روایات جو اعتراض میں مذکور ہیں تو ان کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

(ا) ابن عباس والی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ امت کو بھول چوک یا غلطی سے کئے گئے کاموں کا گناہ نہیں ہوگا جیسا کہ خود صاحب شمع محمدی کے ترجمہ سے بھی واضح ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر کوئی عمل بھول کر یا غلطی سے احکام شرعیہ کے خلاف کرلیا جائے تو وہ ادا بھی ہو جائے گا۔ چنانچہ اس روایت کے صحیح مفہوم کی رو سے یہ بات تو درست ہے کہ بھول کر نماز میں کلام کرلینے سے گناہ نہیں ہوگا۔ لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے کہ اس صورت میں نماز بھی ادا ہو جائے گی۔

(۲) حضرت معاویہ بن حکم کا واقعہ اس زمانے کا ہے جبکہ نماز میں کلام کی اجازت منسوخ ہو چکی تھی لیکن انہیں اس نئے حکم کا علم نہیں تھا اس

لیے آنحضرتؐ نے انہیں نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔

(۳) صاحب شمع محمدی نے جو قصہ آنحضرتؐ کا نقل کیا ہے اس کے بارے میں تاریخی طور پر ثابت ہے کہ وہ غزوہ بدر سے پہلے ہوا تھا۔ کیونکہ اس قصہ میں خرباقؓ نامی جس صحابی کا ذکر ہے وہ غزوہ بدر میں شہید ہوگئے تھے۔ ان کا اصل نام عبید بن عمرو تھا جاہلیت میں ان کا لقب خرباق تھا زمانہ اسلام اپنے ہاتھوں کے کچھ لمبا ہونے کی وجہ سے ان کا لقب ذوالیدین اور ذو الشمالین (دو ہاتھوں والا) مشہور ہوا۔ اور یہ غزوہ بدر میں شہید ہوگئے تھے۔

علاوہ ازیں اس قصہ کی تفصیلی روایات میں ذکر ہے کہ حضورؐ جب دو رکعات پڑھا کر سلام پھیر چکے تو اٹھ کر اس لکڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہوگئے جو خطبہ کے وقت ٹیک لگانے کے لیے زمین میں گاڑی گئی تھی (مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۸) اور روایات سے ثابت ہے کہ یہ لکڑی منبر بننے کے بعد دفن کردی گئی تھی (دارمی بحوالہ معارف السنن ج ۳ ص ۵۲۹) منبر ۲ ہجری میں بنایا گیا تھا کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ حضورؐ نے تحویل قبلہ کا اعلان منبر سے فرمایا تھا (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۲۔۱۳) اور معلوم ہوا کہ تحویل قبلہ ۲ ہجری میں ہوئی تھی (یہ تمام تفصیل معارف السنن سے ماخوذ ہے)

اس سے ثابت ہوا کہ نماز کے دوران میں کلام کرنے کا واقعہ لازماً ۲ ہجری، غزوہ بدر سے پہلے کا ہے اور یہ اجازت جیسا کہ ماسبق میں مذکور روایات صحیحہ سے ثابت ہے بعد میں منسوخ ہوگئی تھی۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ذوالیدینؓ کے مذکورہ قصہ میں حضرت عمرؓ بھی موجود تھے (بخاری ج ۱ ص ۱۶۴) پھر اسی قسم کا واقعہ حضرت عمرؓ کے ساتھ ان کے زمانہ خلافت میں پیش آیا کہ انہوں نے دو رکعات پر سلام پھیردیا تو لوگوں کے بتانے اور ان سے گفتگو کرنے کے بعد انہوں نے دوبارہ نئے سرے سے چار رکعات پڑھائیں۔ (طحاوی شریف ص ۲۱۷ ج ۱)

(۳) میت کی طرف سے روزے کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن عائشة قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات وعلیہ صوم صام عنہ ولیہ (متفق علیہ مشکوۃ ص ۱۷۸ ج ۱)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص مرجائے اس کی طرف سے اس کے ولی روزہ رکھ لیں۔ یعنی کسی کے ذمے کچھ فرض روزے رمضان شریف کے رہ گئے اور اس کا انتقال ہو گیا تو وہ روزے اس کا ولی اس کی طرف سے قضا کرلے۔ یہ حدیث بخاری مسلم کی ہے علاوہ بالکل صحیح ہونے کے صاف ہے کہ مردے کی طرف سے اس کا ولی اس کے قضا شدہ روزے رکھ سکتا ہے بلکہ بخاری مسلم میں ہے کہ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا جس کا انتقال ہوگیا تھا آپ نے اس کی لڑکی کو اس کی طرف سے ان روزوں کے رکھنے کا حکم دیا۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا۔ حنفیوں کی سب سے اعلی اور سب سے معتبر کتاب ہدایہ کتاب الصوم ص ۲۰۳ میں ہے ولا یصوم عنہ الولی

یعنی میت کی طرف سے اس کا ولی روزہ نہ رکھے۔ حنفی بھائیو! حدیث بھی آپ کے سامنے ہے اور آپ کی فقہ کا مسئلہ بھی آپ کے سامنے ہے۔ کیا سچ مچ جو حدیث میں ہے آپ اسے چھوڑ دیں گے؟ نہ مانیں گے؟ اور جو فقہ میں ہے اسے تھام لیں گے؟ اور اس پر ایمان لائیں گے؟

(شمع محمدی ص ۴۳، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۵۶، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۲ و ص ۱۳۲)

جواب

امام ابوحنیفہ ؒ کا مسلک اس مسئلے میں یہ ہے کہ ایسی عبادات جو محض

بدنی ہیں جیسے نماز اور روزہ ان میں کسی دوسرے آدمی کی نیابت کرنے سے یہ عبادتیں ادا نہیں ہوتیں۔ البتہ جو عبادات محض بدنی نہیں بلکہ مالی بھی ہیں۔ جیسے حج ان میں اگر اصل شخص عاجز ہو جائے تو دوسرا شخص اس کا نائب بن کر اس کی طرف سے عبادت ادا کرسکتا ہے۔ رہیں وہ عبادات جو محض مالی ہیں جیسے زکوٰۃ اور صدقہ فطر تو ان میں مطلقاً نیابت درست ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ امام صاحب کے نزدیک نماز یا روزہ کوئی شخص دوسرے کی طرف سے نائب بن کر ادا نہیں کرسکتا البتہ روزے کا فدیہ دوسرے شخص کی طرف سے ادا کیا جاسکتا ہے۔ یہی مسلک امام شافعی امام مالک اور جمہور اہل علم کا ہے اور اس پر صریح اور واضح دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں۔ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی طرف سے نماز نہ پڑھے اور نہ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی طرف سے روزہ رکھے بلکہ ہر روزے کے بدلے میں ایک مد کھانا کھلا دے۔ (مشکل الاثار ج ۳ ص ۱۴۱۔ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۲۰۹ میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے)

(۲) حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ جو شخص مرجائے اور اس کے ذمے مہینے کے روزے لازم ہوں تو اس کی طرف سے ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۵۲۔ عمدۃ القاری میں اس کی سند کو امام قرطبی کے حوالے سے حسن قرار دیا گیا ہے)

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ سے عمرہ بنت عبد الرحمن نے پوچھا کہ میری والدہ وفات پاگئی ہیں اور ان کے ذمہ رمضان کے روزے باقی تھے۔ تو کیا میں ان کی طرف سے قضا کرلوں؟

حضرت عائشہ نے فرمایا نہیں بلکہ اس کی طرف سے ہر روزے کے

بدلے میں ایک مسکین پر صدقہ کرو۔ یہ تمہارے روزے رکھنے سے بہتر ہے۔ (مشکل الاثار ج ۳ ص ۱۴۲۔ المحلی ابن حزم ج ۷ ص ۴ علامہ ماردینی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے الجوہر النقی ج ۴ ص ۲۵)

(۴) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے ذمے رمضان کے روزے باقی ہوں اور وہ مرجائے تو اس کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۴ ص ۲۳۷)

(۵) حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کوئی آدمی دوسرے آدمی کی طرف سے ہرگز نماز نہ پڑھے اور نہ دوسرے کی طرف سے روزہ رکھے بلکہ اگر تم کرنا ہی چاہتے ہو تو اس کی طرف سے صدقہ کردو یا ہدیہ دے دو۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۹ ص ۶۱، سنن الکبری بیہقی ج ۴ ص ۲۵۴، موطا امام مالک ص ۲۴۵)

(۶) علاوہ ازیں صحابہ کرام کے دور میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں کسی دوسرے آدمی کی طرف سے نماز یا روزہ ادا کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہو۔ چنانچہ امام مالک فرماتے ہیں میں نے مدینہ منورہ میں صحابہ کرام یا تابعین میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں سنا کہ انہوں نے کسی دوسرے شخص کی طرف سے نماز یا روزہ ادا کرنے کا حکم دیا ہو بلکہ وہ سب اپنا عمل اپنے ہی لیے کرتے ہیں اور کوئی شخص بھی دوسرے کی طرف سے عمل نہیں کرتا۔ (نصب الرایہ ج ۲ ص ۴۶۳)

رہیں وہ روایات جو صاحب شمع محمدی نے نقل کی ہیں ان کا مندرجہ بالا قوی اور صحیح دلائل کی روشنی میں ایسا مفہوم مراد لینا ضروری ہے جو مذکورہ احادیث کے خلاف نہ ہو بالخصوص جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ روایات میں بظاہر نبی کریمؐ نے نیابتاً روزہ رکھنے کی اجازت دی ہے۔ انکو روایت کرنے والے صحابہ کرام میں حضرت عائشہؓ اور عبد اللہ ابن عباسؓ بھی شامل ہیں۔ لیکن ان دونوں کا فتویٰ اس کے خلاف ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

چنانچہ ان روایات کی ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ پہلے نیابتا روزہ رکھنے کی اجازت تھی جو کہ بعد میں منسوخ ہوگئی اور اس کے منسوخ ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ جو کہ اجازت کی روایات کے راوی ہیں۔ ان کا فتویٰ اس کے خلاف موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اجازت منسوخ نہ ہوگئی ہوتی تو یہ دونوں حضرات اس کے خلاف فتویٰ نہ دیتے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ ان احادیث کا مطلب یہ نہیں کہ میت کی طرف سے نائب بن کر روزہ رکھا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی طرف سے نفلی روزہ رکھ کر اس کا ثواب میت کی روح کو پہنچا دے۔

تیسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے یعنی اس کی طرف سے روزہ رکھنا کھانے سے اس کا تدارک کر دینا ہے۔ پس جب مساکین کو کھانا دینے سے وہ میت روزے سے بری ہوگی تو گویا اس شخص نے اس کی طرف سے روزے ادا کیے۔

نوٹ۔ ان دو روایات کے علاوہ جو صاحب شمع محمدی نے نقل کیں ہیں ایک روایت حضرت عبد اللہ ابن عباس سے بھی بخاری مسلم میں روزے کی قضاء کے متعلق آئی ہے۔ مگر اس میں لفظ صوم نہیں بلکہ قضاء کا لفظ ہے اور وہ کھانا دینے (یعنی فدیہ) سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور حضرت عبد اللہ ابن عباس کا فتویٰ دلیل نمبر ۴ میں پہلے گزر چکا ہے۔

(۴) جانور کے پیٹ کے بچے کے ذبیحہ کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ذکوۃ الجنین ذکوۃ امہ (رواہ ابو داؤد والدارمی ورواہ الترمذی عن ابی سعید مشکوۃ ص ۳۵۰ ج ب) دار قطنی۔ ابن ماجہ اور مسند احمد میں بھی یہ حدیث ہے یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں پیٹ کے اندر کے بچے کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے یعنی کسی

جانور کو ذبح کیا اس کے پیٹ میں سے بچہ نکلا تو وہ بھی اس کی ماں کے ذبیحہ میں ہی داخل ہے اور اس کا کھانا حلال ہے یہ حدیث صاف ہے کہ جس جانور کو ذبح کریں اور اس کے پیٹ میں سے بچہ نکلے اس کا کھانا حلال ہے وہ ذبح شدہ ہے ابوداؤد میں یہ بھی ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم کسی مادہ کو ذبح کرتے ہیں اور اس کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے تو کیا اسے کھالیں یا پھینک دیں؟ آپ نے فرمایا کھاؤ اس کی ماں کا ذبیحہ اس کا ذبیحہ ہے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا حنفیوں کی سب سے اعلی اور سب سے زیادہ معتبر کتاب ہدایہ کتاب الذبائح ص ۴۲۴ میں ہے ومن نحر ناقة او ذبح بقرة فوجد فی بطنها جنینا میتا لم یؤکل اشعر اولم یشعر

یعنی جس نے اونٹنی کو گائے کو ذبح کیا اور اس کے پیٹ سے مرا ہوا بچہ نکلا تو اسے نہ کھایا جائے خواہ ذبح کرنیوالے کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ حنفی بھائیو! حدیث بھی آپ کے سامنے ہے اور آپ کی فقہ کا مسئلہ بھی آپ کے سامنے ہے کیا سچ مچ جو حدیث میں ہے آپ اسے نہ مانیں گے؟ چھوڑ دیں گے؟ اور جو فقہ میں ہے اسے لے لیں گے؟ اور اسی پر ایمان رکھیں گے؟

(شمع محمدی ص ۴۴، ظفر المبین حصہ اول ص ۲۱۸، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۶ و ص ۱۳۳)

جواب

امام ابوحنیفہؒ کی رائے کی دلیل یہ ہے کہ بچہ جب اپنی ماں کے پیٹ میں تخلیق کے تمام مراحل طے کرلیتا اور اس میں روح پڑ جاتی ہے تو اب وہ محض ماں کے بدن کا ایک جزو نہیں رہتا بلکہ ایک مستقل وجود بن جاتا ہے چنانچہ شریعت بھی اس کا اعتبار ایک مستقل وجود کے طور پر کرکے یہ قرار دیتی

ہے کہ اگر کوئی شخص حاملہ عورت کو قتل کردے تو ماں کے قصاص یا دیت کے علاوہ اس کے پیٹ میں موجود بچے کی بھی الگ دیت لازم آئے گی۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۲)

اور فقہا کے ہاں یہ مسلم ہے کہ ماں کے پیٹ کے اندر بچے میں روح پڑھنے سے پہلے تو کسی شدید ضرورت کی بنا پر حمل گرانا جائز ہے۔ لیکن بچے میں روح پڑ جانے کے بعد حمل گرانا قتل کے حکم میں آتا ہے۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جب عقلا و شرعا جانور اور اس کے پیٹ کا بچہ دو الگ الگ وجود ہیں تو ایک کو ذبح کرنے سے دوسرا حلال نہیں ہو سکتا۔ تجربہ بھی یہ ثابت کرتا ہے کہ جانور کو ذبح کرنے سے اس کے پیٹ میں موجود بچہ ذبح نہیں ہوتا کیونکہ بسااوقات ایسا ہوتا ہے کہ بچہ اس کے پیٹ سے زندہ نکل آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جانور کے پیٹ میں موجود بچہ اپنی ماں کے ذبح ہونے سے ذبح نہیں ہوتا بلکہ ماں کی موت کے بعد سانس رک جانے کی وجہ سے دم گھٹ کر مرجاتا ہے اور یہی چیز ہے کہ جس کو قرآن نے نام لے کر حرام قرار دیا ہے۔

()حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ والمنخنقة والموقوذة والمتردیة والنطیحة وما اکل السبع الا ماذکیتم الایت (سورۃ مائدہ آیت نمبر۳)

تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کہ غیر اللہ کے نامزد کردیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرجاوے اور جو کسی ضرب سے مرجاوے اور جو اونچے سے گر کر مرجاوے اور جو کسی ٹکر سے مرجاوے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے۔ لیکن جس کو ذبح کرڈالو۔

اس لیے امام ابوحنفیہ جانور کے پیٹ سے مردہ نکلنے والے بچے کو حرام قرار دیتے ہیں۔ چونکہ اس کی (یعنی مردہ نکلنے والے بچے) کی حرمت نص قرآنی سے ثابت ہے قرآن نے میتہ کو حرام کہا ہے اور یہ میتہ ہے۔

(۲) امام ابراہیم نخعی سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک جان کا

ذبح کرنا دو جانوں کے قائم مقام نہی ہوتا۔ (موطا امام محمد)

جوناگڑھی کی ذکر کردہ احادیث کا ایسا مفہوم لینا ضروری ہے جو قرآن کے حکم کے خلاف نہ ہو چنانچہ ان احادیث کی دو توجیہیں کی گئی ہیں۔

پہلی توجیہ یہ ہے کہ اس بچے کے بارے میں ہے جس کے اندر بھی روح نہ ڈالی گئی ہو۔ روح ڈالنے سے قبل چونکہ وہ کوئی الگ زندہ وجود نہیں ہوتا بلکہ محض ماں کے جسم کا ایک حصہ ہوتا ہے اس لیے ذبح کرنے میں بھی وہ ماں کے تابع ہوگا۔ علامہ ابن حزم کی روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ کا فتوی بھی اس صورت میں یہی ہے البتہ روح پڑ جانے کے بعد اس کو ماں کے تابع قرار دینا مذکورہ بالا دلائل کے پیش نظر ممکن نہیں۔ اس لیے اس صورت میں یہ ماں کے ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس حدیث کے الفاظ کا ترجمہ عربی زبان کی رو سے جیسے وہ ہو سکتا ہے جو جوناگڑھی نے کیا ہے اسی طرح یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کہ۔ جانور کے پیٹ کے بچے کو ذبح کرنا اس کی ماں کو ذبح کرنے ہی کی طرح ہے۔

یعنی جس طرح جانور کو ذبح کیا گیا ہے اسی طرح اس کے پیٹ میں موجود بچے کو بھی ذبح کرنا ضروری ہے اس کے بغیر وہ حلال نہیں ہوگا۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جانور کے پیٹ سے مردہ نکلنے والا بچہ اپنی ماں کے ذبح ہونے سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے ذبح ہو جانے کے بعد دم گھٹنے سے اور سانس رک جانے کی وجہ سے وہ مرجاتا ہے اور قرآن مجید نے ایسے جانور کو حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے حدیث کو یا تو اس جانور پر محمول کیا جائے گا کہ جانور کی طرح اس کے بچے کو بھی ذبح کرنا ضروری ہے۔ (امام ابوحنیفہ اور عمل بالحدیث ص ۱۱۷) تفصیل کے لیئے دیکھیے فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین ص ۲۵۸۔

نوٹ۔ جوناگڑھی کا یہ کہنا کہ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے

کتنی غلط بیانی ہے۔ امام صاحب کا استدلال تو قرآن سے ہے اور اسی حدیث کا مفہوم جو امام صاحب لیتے ہیں وہ قرآن کے عین مطابق ہے۔ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ قرآن اور حدیث کے مطابق ہے۔

(۵) گھوڑے کی حلت کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

() عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نهی یوم خیبر عن لحوم الحمر الا هلیة واذن فی لحوم الخیل (متفق علیہ مشکوۃ ص ۳۵۹ جلد دوم)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑوں کے گوشت کھانے کی اجازت دی۔ ایک صحیح حدیث میں ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں گھوڑا ذبح کیا اور اس کا گوشت کھایا۔ اور روایت میں ہے کہ حضور ؐ کے سامنے ہم نے گھوڑے کا گوشت کھایا۔ یہ حدیث علاوہ اعلی درجہ کی صحیح ہونے کے کھلی دلیل صاف لفظوں میں ہے کہ گھوڑا حلال ہے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا حنفیوں کی سب سے اعلی اور سب سے زیادہ معتبر کتاب ہدایہ کتاب الذبائح ص ۴۲۵ میں ہے ویکرہ لحم الفرس عند ابی حنیفة یعنی امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے۔ حنفی بھائیو! ایک طرف تو آپ کے سامنے حدیث رسول اللہ ﷺ ہے اور دوسری طرف آپ کے سامنے آپ کی فقہ کا مسئلہ ہے اب کیا آپ کا جی حدیث کے چھوڑنے اور فقہ کے لینے کو چاہتا ہے؟ کیا حدیث سے انکار کرنے اور فقہ پر ایمان لانے کو آپ کا دل پسند کرتا ہے؟

(شمع محمدی ص ۴۵' ظفر المبین حصہ اول ص ۲۱۹' فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۶ و ص ۱۳۳)

جواب

گھوڑوں کے گوشت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کا صحیح مسلک یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ چنانچہ امام محمدؒ کی الجامع الصغیر میں امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ میں گھوڑوں کا گوشت کھانے کو مکروہ سمجھتا ہوں (ص) علامہ وحید الزماں غیر مقلد بھی امام صاحب کا مذہب یہی بتاتے ہیں وہ فرماتے ہیں ابوحنفیہ کے نزدیک بھی کراہت گھوڑے کی تنزیہی ہے (ابوداؤد مترجم جلد سوم ص ۱۶۴)۔

فقہاء احناف میں سے بعض نے اس کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے اور بعض نے کراہت تحریمی پر لیکن صحیح یہی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک یہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ گھوڑے کا جھوٹا ان کے نزدیک پاک اور پیشاب نجاست خفیفہ ہے جبکہ حرام جانوروں کے بارے میں ان کا مسلک یہ ہے کہ ان کا جھوٹا ناپاک اور پیشاب نجاست غلیظہ ہے (کتب فقہ) گھوڑوں کے گوشت کے بارے میں یہی مسلک حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ امام مالک امام اوزاعی، حکم بن عیینہ' امام زہری اور امام ابو عبید سے منقول ہے امام ابوحنیفہؒ اور یہ دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ گھوڑوں کا گوشت کھانا اگرچہ حلال ہے لیکن ان کی تخلیق کا اصل مقصد ان کے گوشت کا استعمال نہیں بلکہ ان پر سواری کرنا اور میدان جنگ میں ان سے خدمت لینا ہے' چنانچہ قرآن مجید نے سورۃ نحل میں چوپایوں کا ذکر کرکے ان کے فوائد و منافع ان کے گوشت کے استعمال کا بھی ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ والانعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع ومنها تاكلون (سورۃ نحل آیت ۵) اور اسی نے چوپایوں کو بنایا ان میں تمہارے جاڑے کا بھی سامان ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں

سے کھاتے بھی ہو۔

لیکن اس کے متصل بعد گھوڑوں' خچروں اور گدھوں کا ذکر کیا ہے والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا (سورۃ نحل آیت ۸) اور گھوڑے اور خچراور گدھے بھی پیدا کیئے تاکہ تم ان پر سوار ہو۔

ان کا یہ فائدہ تو بتایا ہے کہ تم ان پر سواری کرسکو' لیکن ان کے گوشت کے استعمال کا ذکر نہیں کیا۔

اس سے اگرچہ یہ استدلال درست نہیں کہ ان کا استعمال صرف انہی کاموں کے لیے ہوتا ہے تاہم اس بات کا لحاظ ضرور رکھا گیا ہے کہ ان کے اصلی اور غالب منافع کا ذکر کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ گھوڑوں کی تخلیق اصلا ان کا گوشت کھانے کے لیے نہیں بلکہ سواری اور جفاکشی کے لیے کی گئی ہے۔ جدید سائنس نے مختلف میدانوں میں انسانوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے جدید ترین ذرائع پیدا کر دیے ہیں لیکن آج بھی نہ جنگ کے دوران گھوڑوں کی خدمات سے انسان بے نیاز ہے اور نہ سواری کے لیے گھوڑوں کے استعمال کا رواج ہی کم ہوا ہے۔ چنانچہ جب گھوڑوں کو سواری اور میدان جنگ کی جفاکشی کے علاوہ گوشت کھانے کے لیے استعمال کیا جائے گا تو ظاہر بات ہے کہ ان کے استعمال کا اصل مصرف متاثر ہوگا اور اس کے لیے گھوڑوں کی قلت کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔ اس مصلحت کی بنا پر امام صاحب اور دیگر اہل علم نے گھوڑوں کو حلال تسلیم کرتے ہوئے ان کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے صرف گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت ہی نہیں بلکہ اس سے ممانعت کی احادیث بھی مروی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(ا) خالد بن ولیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑے اور خچر اور گدھے کے گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (نسائی ج ۲ ص ۱۷۶' ابوداؤد ج ۲ ص ۱۷۵' طحاوی ج ۲ ص ۲۹۵' سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۸۷)

(۲) حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے گھوڑوں کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے (محلی ابن حزم ج ۷ ص ۴۰۸)

نہی اور اجازت کی ان دونوں روایتوں میں اسی طریقے سے تطبیق دی جا سکتی ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں۔

بعض اہل علم نے حضرت جابرؓ کی (اجازت والی) اور حضرت خالدؓ کی (نہی والی) روایت میں یوں تطبیق دی ہے کہ حضرت جابر کی حدیث فی الجملہ جواز پر دلالت کرتی ہے جبکہ حضرت خالدؓ کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ بعض حالات میں گھوڑوں کا گوشت کھانا منع ہے۔ کیونکہ خیبر میں گھوڑے بہت کم تھے اور مسلمانوں کو جہاد کے لیے ان کی ضرورت تھی ۔ یوں جس طرح اجازت روایت نہی کے معارض نہیں رہتی اس طرح نہی کی روایت کی بنا پر بھی گھوڑوں کے گوشت کو مطلقاً مکروہ نہیں کہا جا سکتا چہ جائیکہ ان کو حرام قرار دیا جائے۔ اور دار قطنی میں حضرت اسماءؓ کی روایت میں آیا ہے۔

کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہمارے پاس کچھ گھوڑے تھے جب وہ مرنے کے قریب ہوگئے تو ہم نے انہیں ذبح کر کے کھالیا (یہ روایت صاحب شمع محمدی نے بھی نقل کی ہے مگر کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا) امام دار قطنیؒ نے اس روایت (سے ثابت ہونی والی اجازت) کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ایک مخصوص واقعہ تھا اور شاید ان کے گھوڑے اتنے بوڑھے ہو چکے تھے کہ جہاد میں ان سے کوئی کام نہیں لیا جا سکتا تھا۔ معلوم ہوا کہ گھوڑوں کا گوشت کھانے سے نہی ان کے بذات خود حرام ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک خارجی امر (یعنی جہاد میں ان کے استعمال ہونے) کی وجہ سے ہے اور یہ تطبیق ایک نہایت عمدہ تطبیق ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۵۲)

جوناگڑھی کا یہ کہنا کہ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے بالکل جھوٹ ثابت ہوا ماخوذ (امام اعظم ابوحنیفہ اور عمل بالحدیث ص ۱۱۹، فتح المبین فی

کشف مکائد غیر المقلدین ص ۲۶۰)

(٦) ہاتھ کٹنے کی چوری کی مقدار کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

() عن عائشة عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لا تقطع ید السارق الا بربع دینار فصاعدا (متفق علیہ مشکوۃ ص ۳۱۳ جلد ۲)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر اس چوری پر جو چوتھائی دینار کی ہو۔ پھر اس سے اوپر جو ہو خود حضور ﷺ نے بھی یہی کیا۔ چنانچہ بخاری مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے ڈھال کے چور کا ہاتھ کاٹا جس کی قیمت تین درہم یعنی پاؤ دینار کی تھی (بخاری مسلم) بلکہ مسند احمد میں ہے کہ پاؤ دینار میں ہاتھ کاٹ دو اس سے کم پر نہ کاٹو اور اس وقت پاؤ دینار تین درہم کا تھا یہ حدیث بخاری مسلم جیسی صحیح تر کتابوں کی ہے جو بالکل صحیح ہے اور ساتھ ہی صریح بھی ہے کہ چوتھائی دینار کی قیمت کی نقدی یا قیمت کی چیز چرانے والے کا شرعاً ہاتھ کاٹ دینا چاہیے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا۔ حنفیوں کی سب سے اعلیٰ کتاب اور سب سے معتبر کتاب ہدایہ کتاب السرقہ ص ۵۱۷ میں ہے واذا سرق العاقل البالغ عشرۃ دراھم او مایبلغ قیمتہ عشرۃ دراھم مضروبۃ من حرز لا شبھۃ فیہ وجب علیہ القطع

یعنی دس درہم یا ان کی قیمت کی چوری پر ہاتھ کٹنے کی حد واجب ہے۔ پس حدیث میں تو تین درہم پر ہاتھ کا کٹنا تھا لیکن حنفی مذہب میں تین درہم پر ہاتھ کا کٹنا نہیں بلکہ دس درہم پر ہے۔ حنفی بھائیو! حدیث رسول اللہ ﷺ بھی آپ کے سامنے ہے۔ اور آپ کی فقہ کا مسئلہ بھی آپ کے سامنے ہے۔ بتلاؤ کسے مانو گے؟ حدیث کو یا فقہ کو؟ قول رسول اللہ ﷺ کو یا قول فقہا کو؟ ایمان

رسولؐ پر لائے ہو یا کسی امتی پر؟
(شمع محمدی ص ۴۶ ، ظفر المبین حصہ اول ص ۲۰۶ ، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۷ و ص ۱۳۲)

جواب

امام ابو حنیفہؒ کے موقف کی دلیل یہ ہے کہ نصاب سرقہ کے باب میں اصل کی حیثیت آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کو حاصل ہے کہ چوری کرنے والے کا ہاتھ ایک ڈھال کی قیمت سے کم مال میں نہ کاٹا جائے۔ (نسائی ج ۲ ص ۲۲۳) اور اس اصولی حکم پر ہی آنحضرت ﷺ کی ساری زندگی میں عمل ہوا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں کسی چور کا ہاتھ ایک لاٹھی یا ڈھال کی قیمت سے کم میں نہیں کاٹا گیا (صحیح بخاری کتاب الحدود پارہ ۲۷)

ان دو احادیث سے معلوم ہوا کہ ڈھال کی قیمت پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اب یہ معلوم کرنا ہے کہ ڈھال کی قیمت کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں ڈھال کی قیمت کے متعلق روایات مختلف آئیں ہیں۔ وہ ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت جس میں ربع دینار (یعنی تین درہم) کا ذکر آیا ہے وہ صاحب شمع محمدی نے نقل کی ہیں۔

(۲) عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کاٹا ایک ڈھال کے چورانے میں جس کی قیمت پانچ درہم تھی۔ (نسائی ج ۲ ص ۲۵۷)

(۳) حضرت قتادہ سے روایت ہے میں نے انسؓ سے سنا کہتے تھے ایک شخص نے ڈھال چرائی ابو بکر صدیق ؓ کے زمانے میں اس کی قیمت لگائی گئی پانچ درہم پھر اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ (نسائی ج ۲ ص ۲۵۷)

(۴) حضرت عائشہؓ نے کہا بہت عرصہ نہیں گزرا میں بھول گئی چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹا جاوے گا یا زیادہ میں۔ (نسائی ج ۲ ص ۲۵۷)

(۵) حضرت سلیمان بن یسار نے کہا نہ کاٹا جائے ہاتھ کا پنجہ مگر پنجے میں (یعنی پانچ درہم کی مالیت میں) (نسائی مترجم جلد ۳ ص ۳۵۳ فرید بک سٹال لاہور)

(۶) حضرت عروہؓ سے روایت ہے حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپؐ فرماتے تھے نہ کاٹا جاوے ہاتھ مگر ڈھال کی چوری میں یا اس کی قیمت کے برابر دوسری چیز میں۔ عروہ نے کہا ڈھال چار درہم کی ہوتی ہے۔ (نسائی مترجم جلد ۳ ص ۳۵۳)

(۷) حضرت ایمن سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ نہیں کٹوایا چور کا مگر ڈھال کی قیمت میں اور ڈھال کی قیمت ان دنوں ایک دینار تھی۔ (نسائی ج ۲ ص ۲۲۵)

(۸) حضرت ایمن سے روایت ہے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا ڈھال کی قیمت میں اور ڈھال کی قیمت رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک دینار تھی او عشرۃ دراھم (یا دس درھم) (نسائی ج ۲ ص ۲۲۵)

(۹) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کہتے تھے ڈھال کی قیمت ان دنوں دس درھم تھی (نسائی)

(۱۰) حضرت عطا نے کہا کم سے کم جس میں ہاتھ کاٹا جائے ڈھال کی قیمت ہے اور وہ ان میں دنوں میں دس درھم تھی۔ (نسائی جلد ۳ ص ۴۵۳)
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۴۷۴، مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۲۳۳)

ان متعارض روایات میں تطبیق دینا ضروری ہے چنانچہ علمائے احناف نے ان میں یوں تطبیق دی ہے کہ ڈھال کی قیمت حضورؐ کے زمانے میں مختلف اوقات میں بدلتی رہی ہے۔ ابتدا میں ڈھال کی قیمت ربع دینار (تین درھم) تھی اس لیے حضور ﷺ نے اس زمانے میں حکم دیا کہ ربع دینار کی

چوری میں چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ پھر ڈھال کی قیمت بڑھ کر پانچ درھم ہوگئی ابن عمر کی دوسری روایت میں اسی کا ذکر ہے۔ پھر اس کے بعد ڈھال کی قیمت اور بڑھ کر دس درھم ہوگئی ابن عباس اور ایمن رضی اللہ عنہ کی روایات میں اسی زمانے کا ذکر ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے مثال کے طور پر پہلے اونٹوں کے سستا ہونے کی وجہ سے دیت چار سو درہم تھی بعد میں اونٹوں کے مہنگا ہو جانے کی وجہ سے یہ آٹھ سو درہم ہوگئی (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۷۹) چونکہ سب سے آخر میں ڈھال کی قیمت دس درہم ہوگئی تھی اس لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فتویٰ یہ ہے کہ دس درہم سے کم مال میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔ اس فتوے کے حق میں مزید روایات حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت ابن عباس سے مروی ہے آپ فرماتے تھے کہ حضور انور ﷺ کے زمانہ میں ڈھال کی قیمت دس درہم تھی۔ (نسائی جلد ۳ ص ۴۵۳)

(۲) عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ڈھال کی قیمت دس درہم تھی۔ (نسائی ج)

(۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا چور کا ہاتھ دس درہم سے کم میں نہیں کاٹا جائے گا۔ (کتاب الاثار امام محمد ص ۱۰۹)

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ چور کا ہاتھ ڈھال سے کم قیمت کی چیز میں نہ کاٹا جائے۔ اور ڈھال کی قیمت دس درہم ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۴۷۴)

(۵) حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ڈھال کی قیمت دس درہم ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۴۷۴، مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۲۳۳)

(۶) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہاتھ نہ کاٹا جائے گا سوائے ایک دینار کے یا دس درہم کے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۴۷۴، مصنف

عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۲۳۳)

(۷) حضرت ابو جعفر سے روایت ہے کہ ڈھال کی قیمت ایک دینار ہے جس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۴۷۴)

(۸) حضرت عبد اللہ نے فرمایا کہ ہاتھ نہیں کاٹا جاتا مگر ڈھال (کی قیمت) میں راوی نے کہا کہ میں نے ابراہیم سے کہا کہ اس کی کیا قیمت ہے (ابراہیم نے) کہا کہ ایک دینار۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۴۷۵' مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۲۳۴)

(۹) عمرو بن شعیب سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں سعید ابن المسیب کے پاس گیا اور میں نے ان سے کہا کہ آپ کے ساتھی عروہ بن زبیر' محمد بن مسلم زہری اور ابن یسار کہتے ہیں کہ ڈھال کی قیمت پانچ درہم ہے؟ (میرے اس سوال کے جواب میں سعید ابن المسیب نے) کہا کہ رہی یہ بات (ڈھال کی قیمت والی) تو اس بارے میں سنت نبوی چلی آرہی ہے کہ ڈھال کی قیمت دس درہم ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۴۷۶)

(۱۰) قاسم بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو جس نے کپڑا چرایا تھا حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ اس کپڑے کی قیمت دس درہم سے کم ہے۔ چنانچہ تحقیق کی گئی تو اس کپڑے کی قیمت آٹھ درہم نکلی پس حضرت عمر نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۴۷۴ ' مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۲۳۳)

(۱۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۶۲)

(۱۲) حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا (عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا دس درہم

سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔ (نصب الرایہ ج ص)

(۱۳) عن ابن المسیب قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سرق السارق ما یبلغ ثمن المجن قطعت یدہ وکان ثمن المجن عشرۃ دراھم (مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۲۳۳) ابن المسیبؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب چور کوئی ایسی چیز چوری کرے جس کی قیمت ڈھال کی قیمت تک پہنچتی ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے اور ڈھال کی قیمت دس درہم تھی۔

(۱۴) عن علی قال لا یقطع فی اقل من دینار اور عشرۃ دراھم (مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۲۳۳) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم مال کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

(۱۵) عبد اللہ ابن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

(۱۶) حضرت عبد اللہ بن عمرو ابن العاصؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ چور کا ہاتھ دس درہم سے کم مال میں نہ کاٹا جائے۔

(۷) رضاعت کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

(۰) عن ام الفضل قالت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تحرم الرضاعۃ والرضاعتان (رواہ مسلم۔ مشکوۃ ج دوم ص ۲۷۳)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک یا دو دفعہ منہ لگا کر کسی عورت کا دودھ کوئی بچہ پی لے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ صحیح مسلم کی اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کی پوری زندگی تک رضاعت یعنی دودھ پلائی کی حرمت کا حکم رہا کہ پانچ مرتبہ پیٹ بھر کر جب کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پئے تو حرمت رضاعت ثابت ہوگی بلکہ یہ بھی مروی ہے کہ پہلے قرآن میں دس دفعہ کا حکم اترا تھا پھر وہ منسوخ ہو کر پانچ مرتبہ کا پیٹ بھر کر پی لینے کا حکم حضورؐ کی پوری حیات تک باقی رہا۔ پس یہ حدیث صحیح اور صریح ہے کہ

دودھ پلائی کی کمی زیادتی میں حکم کا فرق ہے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا۔ اس میں ایک دو دفعہ بچے کا دودھ پی لینا بھی حرمت ثابت کردیتا ہے۔ چنانچہ حنفی مذہب کی سب سے اعلی اور سب سے زیادہ معتبر کتاب ہدایہ کتاب الرضاع ص ۳۳۰ میں ہے قلیل الرضاع وکثیرہ سواء اذا حصل فی مدۃ الرضاع یتعلق بہ التحریم

یعنی تھوڑی رضاعت اور زیادہ برابر ہے دودھ پینے سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہوجائے گی۔ حنفی بھائیو! کہو کیا اب تم وہ کہو گے اور مانو گے ؟ جو حدیث میں ہے کہ اگر کسی دودھ پیتے بچے نے کسی عورت کی چھاتی سے دو ایک دفعہ دودھ پی لیا تو اس کی ماں کی طرح اس پر حرام نہیں ہوئی جب تک کہ کم سے کم پانچ مرتبہ پیٹ بھر کر اس کا دودھ نہ پی لے۔ یا حنفی مذہب کی فقہ کے اس مسئلہ کو مانو گے؟ کہ اگر ایک دو دفعہ بھی پی لیا تو بھی حرمت ثابت ہوگئی؟ کہو کس پر ایمان رکھو گے؟ اور کس پر ایمان نہ رکھو گے؟

(شمع محمدی ص ۴۷، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۸۹، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۸ و ص ۱۳۳)

جواب

امام ابوحنیفہ ؒ کے مسلک کی تائید قرآن و حدیث سے ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے

(۱) وامھتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ (الایت سورۃ النساء پارہ نمبر ۴ آیت ۲۳) اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے (یعنی انا) اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے صرف دودھ پلانے کی وجہ سے حرام کیا ہے۔ اور یہ حکم عام ہے قلیل ہو کثیر سب کو شامل ہے۔

(۲) حضرت عائشہؓ زوجہ نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف فرما تھے کہ میں نے ایک شخص کی آواز سنی جو حفصہؓ کے گھر میں جانے کی اجازت مانگ رہا تھا تو میں نے کہا۔ یا رسول اللہ کوئی آدمی آپ کے گھر میں جانا چاہتا ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ فلاں شخص ہے جو حفصہؓ کا رضاعی چچا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا اگر فلاں شخص زندہ ہوتا جو میرا دودھ کے رشتہ کا چچا تھا تو کیا میں اس سے پردہ نہ کرتی آپ نے فرمایا ہاں۔ (بخاری کتاب النکاح' پارہ ۲۱)

(۳) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جو رشتے نسب سے حرام ہیں، وہ دودھ پینے سے بھی حرام ہیں۔ (بخاری ص)

(۴) امام بخاری نے بخاری کتاب النکاح میں ایک باب باندھا ہے وامھاتکم التی ارضعنکم ویحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو عورتیں نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہی رضاعت کے سبب سے بھی حرام ہیں۔ (یہ اصل میں حدیث کا ٹکڑا ہے امام بخاری نے باب میں ذکر کیا ہے)

(۵) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا یحرم من الرضاع مایحرم من النسب دودھ پلانے سے اتنے رشتے حرام ہوتے ہیں جتنے نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ (نسائی مترجم جلد ۲ ص ۳۹۳)

(۶) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے حضرت حمزہ کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ تو دودھ کے ناطے سے میری بھتیجی ہیں۔ خدا کی قسم دودھ ویسے ہی حرام کرتا ہے جیسے کہ نسب حرام کرتا ہے۔ (نسائی جلد ۲ ص ۳۹۴) ان چھ روایات سے معلوم ہوا کہ دودھ پلانے سے ہی حرمت ثابت ہوجاتی ہے۔ ان روایات میں قلیل و کثیر کا ذکر نہیں ہے۔ صرف دودھ پینے کا ذکر ہے۔

(۷) امام بخاریؒ نے بخاری میں باب باندھا ہے۔ وما یحرم من قلیل

الرضاع وکثیرۃ عورت کا دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہوجاتی ہے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ (بخاری کتاب النکاح باب ۵۱)

(۸) حضرت قتادہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رضاعت کے متعلق حضرت ابراہیم بن یزید نخعی کی طرف استفتاء بھیجا۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ مجھ سے شریح اور حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ نے بیان کیا کہ دودھ پینے سے نکاح حرام ہو جاتا ہے اگرچہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ الحدیث۔ (نسائی ج ۲ ص ۶۷)

(۹) امام محمد روایت کرتے ہیں۔ ابراہیم بن عتبہ کہتے ہیں کہ انہوں نے سعید بن المسیب سے رضاعت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا دو سال کے اندر بچہ خواہ ایک چسکی بھی (دودھ) پیئے اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوجائے گی۔ اور دو سال کے بعد ہو تو وہ گویا کھانا ہے جو اس نے کھالیا ہے۔ (موطا امام محمد ج ص ۲۷۲)

(۱۰) ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے تھے رضاعت خواہ قلیل ہو یا کثیر اس سے حرمت ثابت ہوجاتی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۶۱)

(۱۱) عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کے پاس آکر ایک شخص نے کہا کہ حضرت ابن الزبیر یہ کہتے ہیں کہ ایک چسکی یا دو چسکیوں سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ابن الزبیر کے فیصلہ سے بہتر ہے۔ حرمت رضاعت میں قلیل اور کثیر برابر ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۶۱)

(۱۲) عطاء کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کو جب یہ خبر پہنچی کہ حضرت ابن زبیر مسئلہ رضاعت میں حضرت عائشہ کی پیروی کرتے ہیں اور وہ یہ کہتی ہیں کہ سات چسکیوں سے کم میں رضاعت نہیں ہے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا۔ اللہ تعالی عائشہ سے بہتر ہے۔ اللہ تعالی نے ایک چسکی یا دو چسکیوں کی قید

نہیں لگائی بلکہ مطلق فرمایا واخواتکم من الرضاعة ولم یقل دفعة ولا دفعتین (مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۴۶۷ و ص ۴۶۸)

(۱۳) شعبہ بیان کرتے ہیں کہ حکم اور حماد کہتے تھے کہ ایک چسکی سے حرمت رضاعت ثابت ہوجاتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۷)

(۱۴) طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا ایک مرتبہ دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوجاتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲/۴ ص ۲۸۷ و مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۴۶۷)

(۱۵) طاؤس کہتے ہیں کہ پہلے نبی اکرم ﷺ کی ازواج چند چسکیوں کی بناء پر حرمت رضاعت کی قائل تھیں پھر اس پر عمل چھوڑ دیا گیا اور قلیل اور کثیر چسکیوں سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۴۶۷)

(۱۶) طاؤس کہتے ہیں میں نے کہا لوگ پہلے کہتے تھے کہ سات چسکیوں سے حرمت ثابت ہوتی ہے پھر پانچ چسکیوں سے کہنے لگے پھر نیا حکم نازل ہوا۔ اب ایک چسکی پینے سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہوجاتی ہے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۴۶۷)

ان احادیث و آثار میں اس بات کی واضح تصریح موجود ہے کہ پانچ چسکیوں کی قید ابتداء میں تھی اور بعد میں منسوخ ہوگئی تھی۔

قرآن مجید احادیث صحیحہ آثار صحابہ اور اقوال تابعین کی تلویحات اور تصریحات سے واضح ہوگیا کہ حرمت رضاعت میں پانچ چسکیوں کی قید معتبر نہیں ہے۔ اور مطلقاً دودھ پینے سے خواہ وہ ایک چسکی ہی کیوں نہ ہو حرمت رضاعت ثابت ہوجاتی ہے اور اس سے امام اعظم ابو حنیفہؒ کی فکر کی گہرائی اور گیرائی ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے حرمت رضاعت میں اس چیز کو معیار بنایا ہے جو قرآن اور حدیث کے عموم اور اطلاق اور صحابہ اور تابعین کے ارشادات کا عین اتباع ہے۔

رہیں وہ تین روایات جو صاحب شمع محمدی نے نقل کیں ہیں ان کے جوابات کی اب ضرورت تو نہیں رہتی کیونکہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہو چکا ہے۔ مگر یہاں ہم مختصر طور پر ان کے جوابات عرض کرتے ہیں۔

یہ تینوں روائتیں منسوخ ہیں۔ دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اخبرنی طاؤس عن ابیہ قال کان لازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم رضعات معلومات قال ثم ترک ذلک بعد۔ فکان قلیلہ وکثیرہ یحرم (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۴۶۷)

طاؤس کہتے ہیں کہ پہلے نبی ﷺ کی ازواج چند چسکیوں کی بناء پر حرمت رضاعت کی قائل تھیں۔ پھر اس پر عمل کو چھوڑ دیا گیا اور قلیل اور کثیر چسکیوں سے حرمت رضاعت ثابت ہوجاتی ہے۔

(۲) عن طاؤس قال قلت انهم یزعمون انه لا یحرم من الرضاع دون سبع رضعات ثم صار ذلک الی خمس فقال طاؤس قد کان ذلک فحدث بعد ذلک امر جاء التحریم المرة الواحدة تحرم (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۴۶۷)

طاؤس کہتے ہیں میں نے کہا لوگ پہلے کہتے تھے کہ سات چسکیوں سے حرمت ہوتی ہے پھر پانچ چسکیوں سے کہنے لگے پھر نیا حکم نازل ہوا اب ایک چسکی پینے سے بھی حرمت رضاعت ہوجاتی ہے۔

ان احادیث میں اس بات کی واضح تصریح ہے کہ پانچ چسکیوں کی قید ابتداء میں تھی بعد میں منسوخ ہوگئی تھی۔

(۳) اگر آنحضرت ﷺ کی وفات تک قرآن کریم میں خمس معلومات کے لفظ ہوتے تو یہ ضرور منقول ہوتے قرآن کی متواتر قرات میں سے کسی میں تو ضرور ہوتے کسی بھی متواتر قرات میں ان الفاظ کا نہ ہونا دلیل ہے اس بات کی کہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے پہلے یہ الفاظ منسوخ ہوچکے تھے۔ وگرنہ لازم آئے گا کہ قرآن کریم کے ایسے الفاظ جو آنحضرت ﷺ کی وفات

تک موجود تھے جو منسوخ نہ ہوئے تھے وہ بعد میں کیسے منسوخ ہوگئے اور یہ لازم محال اور آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ــــ کے خلاف ہے اصل بات یہ ہے کہ پہلے عشر رضعات سے حرمت کا حکم تھا پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور خمس رضعات حرمت کا حکم نازل ہوا۔ لیکن حضرت عائشہؓ کو اس آخری نسخ کا علم نہیں ہوا۔ انہوں نے اپنے علم کے مطابق یہ فرما دیا۔

(۸) ہبہ کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

() عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرجع احد فی ہبتہ الا الوالد من ولدہ (رواہ النسائی و ابن ماجہ ۔ مشکوۃ کتاب البیوع ص ۲۶۱ جلد اول)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کوئی شخص کسی کو کوئی چیز ہبہ کردے بخش دے پھر وہ اسے واپس نہیں لے سکتا۔ سوائے باپ کے کہ وہ اپنی اولاد سے اپنی ہبہ کی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے۔ اسی کے قریب قریب روایت ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ صحیح بخاری شریف میں فرمان رسول اکرم ﷺ ہے کہ اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے والا کتے کی طرح ہے جو قے کرکے چاٹ لیتا ہے۔ یہ حدیث صاف ہے کہ ہبہ کی ہوئی چیز کوئی واپس نہیں لے سکتا۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ واپس لے سکتا ہے۔ چنانچہ حنفی مذہب فقہ کی اعلیٰ اور بہترین کتاب ہدایہ کتاب الہبہ ص ۲۷۳ میں ہے اذا وھب ھبۃ لاجنبی فلہ الرجوع فیھا

یعنی جو شخص کسی غیر شخص کو کوئی چیز ہبہ کرے تو اسے حق ہے کہ اسے واپس لے لے پس حدیث میں تو صاف ہے کہ اپنی ہبہ کی کوئی چیز واپس

نہیں لے سکتا۔ اور حنفی مذہب میں صاف ہے کہ اپنی ہبہ کی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے۔ حنفی بھائیو! بتلاؤ اب ایمان کس پر ہے؟ اور کفر کس سے ہے؟ کیا حدیث کو مان کر فقہ کو چھوڑو گے؟ یا فقہ کو مان کر حدیث کو چھوڑو گے؟ (شمع محمدی ص ۴۸، ظفر المبین ص ۲۰۷، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۱۳۳، سبیل الرسول ص ۲۷۸، اختلاف امت کا المیہ ص ۵۹)

جواب

صاحب شمع محمدی نے فقہ حنفی کا پورا مسئلہ بیان نہیں کیا اور نہ ہی احادیث کو پورا ذکر کیا ہے۔ فقہ حنفی کا مسئلہ یہ ہے اگر کوئی شخص کسی اجنبی (غیر محرم) کو کوئی چیز ہبہ کرے تو اس میں رجوع کا اختیار ہے لیکن اگر وہ لینے والا اس کا کوئی عوض (بدلہ) دے دے تو اختیار باقی نہیں رہتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ کا زیادہ حق دار ہے جب تک لینے والے کی طرف سے عوض نہ پایا جائے اور دلیل عقلی یہ ہے کہ اجنبی کو کوئی چیز ہبہ کرنے سے عادتاً مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی ہمارے ساتھ احسان کے راہ ورسم اختیار کرے لیکن اگر لینے والا اس مقصد کو پورا نہ کرے تو اس ہبہ کرنے والے کو فسخ کا اختیار ملنا چاہیے۔ کیونکہ مقصود پورا نہ ہوا۔ لیکن یہ اختیار ہونے کے باوجود ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینا (مکروہ تحریمی) ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہبہ کی ہوئی چیز واپس لینے والے کی مثال ایسے ہے جیسے کتا قے کرکے چاٹ لے اور یہ عادتاً بھی خلاف مروت و احسان ہے۔ (ملخصاً ہدایہ جلد ۳ ص ۲۸۶ و ۲۸۷)

حضرات آپ کو معلوم ہوا کہ ہبہ کا رجوع فقہ حنفی میں جائز بالکراہت ہے وہ بھی اس وقت تک جب تک کہ اس کا بدلہ نہ دے دیا گیا ہو اور اگر بدلے میں کوئی نہ کوئی چیز دے دی تو پھر بالکل جائز نہیں۔ صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کے جواز میں دو دلیلیں بیان فرمائی ہیں ایک حدیث نبوی اور ایک عقلی دلیل اور کراہت پر بھی دو دلیلیں بیان کی ہیں ایک حدیث نبوی اور

دوسری دلیل عقلی۔ صاحب شمع محمدی نے ہدایہ سے مسئلہ نقل کرنے میں خیانت کی کہ جواز کا ذکر تو کیا مگر کراہت کا ذکر تک نہیں کیا۔ جو حدیث صاحب ہدایہ نے جواز کی دلیل کے طور پر نقل فرمائی ہے وہ یہ ہے۔

() عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الرجل احق بہبتہ مالم یثب منہا (ابن ماجہ ص ۱۷۴) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ آدمی اپنے ہبہ میں رجوع کا اختیار رکھتا ہے جب تک عوض نہ ملے۔ اس مسئلہ کے مزید دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی کو کوئی چیز ہبہ کی وہ اس میں رجوع کا اختیار رکھتا ہے جب تک اس کا عوض نہ ملے لیکن یہ رجوع کرنا ایسا ہی ہے جیسے کتا قے کرکے چاٹ لے (دار قطنی۔ طبرانی کبیر)

(۳) حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص کوئی چیز ہبہ کرے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے جب تک اس کا عوض نہ ملے (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۲)

(۴) خلفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں جو شخص کسی غیر محرم کو کوئی چیز ہبہ کرے تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے جب تک اس کا عوض نہ پائے (طحاوی شریف ج ۲ ص ۲۶۶ و ۲۶۷)

(۵) حضرت علیؓ فرماتے ہیں ہبہ کرنے والا زیادہ حق دار ہے جب تک اس کا عوض نہ پائے (طحاوی ج ۲ ص ۲۶۷)

(۶) حضرت ابوالدرداءؓ بھی ہبہ میں رجوع کو جائز فرمایا کرتے تھے (طحاوی ج ۲ ص ۲۶۷) (۷،۸،۹،۱۰) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ، قاضی شریحؒ، حضرت امام سعید بن المسیب اور امام ابراہیم نخعیؒ چاروں سے صحیح سندوں سے یہی روایت ہے (المحلی ابن حزم ج ۹ ص ۱۲۹ و ۱۳۰) اور یہی مسلک

(۱۱) مکہ مکرمہ کے فقیہ حضرت عطاء اور

(۱۴) مدینہ منورہ کے مفتی حضرت ربیعۃ الرائی وغیرہ تابعین کا ہے (المحلی ج ۱ ص ۱۳۰)

اس لامذہب کا یہ اعتراض صرف امام ابوحنیفہ پر ہی نہیں بلکہ حضرت عطاء حضرت ربیعۃ الرائی ' حضرت عمر بن عبد العزیز ' حضرت امام ابراہیم نخعی ' حضرت امام سعید بن المسیب اور حضرت قاضی شریح پر پہنچتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر خلفائے راشدین خصوصا حضرت عمرؓ اور حضرت علی تک پہنچتا ہے اور پھر سید کائنات فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے۔ آہ حنفیت کی ضد میں یہ شخص کیسا اندھا ہو رہا ہے۔

نوٹ۔ کتے کا قے کرکے چاٹ لینا شرعا حرام نہیں کیونکہ وہ مکلف نہیں اگرچہ طبعا نہایت خبیس اور قبیح حرکت ہے لیکن غیر مقلدین کے مذہب میں کتا خود بھی پاک ہے (عرف الجاوی ص ۱۰) اس کی قے اور خون بھی پاک ہے (بدور الاہلہ ص ۱۷) کتا کنویں میں گر کر مرجائے تو کنواں ناپاک نہیں ہوتا۔ (فتاوی نذیریہ ج ۱ ص ۲۰۰ فتاوی علمائے حدیث ج ۱ ص ۱۱) البتہ بچوں کی گیند کھیلتے ہوئے کنویں میں گر جائے تو کنواں ناپاک ہوگیا۔ اب تاوقتیکہ تمام و کمال پانی نہ نکلے پاک نہیں ہوگا۔ (فتاوی نذیریہ ج ۱ ص ۲۰۲ فتاوی علمائے حدیث ج ۱ ص ۱۸) اگر کسی کی جوتی گر جائے تو سارا پانی کنویں کا نکالنا آتا ہے (فتاوی نذیریہ ج ۱ ص ۲۰۲ فتاوی علمائے حدیث ج ۱ ص ۱۹) ان فتاوی کے لیے حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش فرمائیں۔

(۹) باپ کے ہبہ کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی لکھتے ہیں

اوپر جو مسئلہ نمبر ۸ میں جو حدیث ہے اسے دوبارہ پڑھ جائیے اس میں یہ بھی ہے کہ باپ اپنی اولاد کو جو ہبہ کرے وہ واپس لے سکتا ہے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے بھی نہیں مانتا وہ کہتا ہے۔ حنفی مذہب کی اسی معتبر اور اعلیٰ کتاب کے اسی صفحہ میں بخلاف ہبۃ الوالد لولدہ

یعنی اجنبی شخص کو ہبہ کی ہوئی چیز تو واپس لے سکتا ہے لیکن باپ جو اپنے لڑکے کو کوئی چیز ہبہ کردے اسے واپس نہیں لے سکتا۔ آپ نے خیال فرمایا؟ حدیث میں تھا کہ غیر کو دی ہوئی چیز واپس نہیں لے سکتا تو فقہ میں ہے کہ لے سکتا ہے حدیث میں تھا کہ باپ جو چیز اپنے بیٹے کو ہبہ کرے وہ واپس لے سکتا ہے تو فقہ میں ہے کہ نہیں لے سکتا؟ اب اے حنفی بھائیو! بتلاؤ تم کیا کہتے ہو؟ آیا ہم مسلمان حدیث پر عمل کر کے یہ مانیں کہ باپ اپنے بیٹے سے اپنا ہبہ واپس لے سکتا ہے۔ یا حنفی مذہب پر عمل کر کے یہ مانیں کہ واپس نہیں لے سکتا؟ بتاؤ حدیث کو لیں؟ یا فقہ کو؟ رسول اللہ ﷺ کی مانیں؟ یا کسی امتی کی؟ اتباع سنت کریں؟ یا تقلید شخصی؟

(شمع محمدی ص ۴۸، ظفر المبین حصہ اول ص ۲۰۷)

جواب

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث سے ثابت ہے حدیث ملاحظہ فرمائیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ اذا کانت الھبۃ لذی رحم محرم لم یرجع فیھا رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا جب کسی شخص ذی رحم محرم کو کوئی چیز ہبہ کردی جائے تو واپس نہ لی جائے (سنن الکبری بیہقی ج ص، دار قطنی ص، مستدرک حاکم ج ص)

یہ حدیث صریح ہے کہ ذی رحم محرم سے ہبہ نہ لوٹایا جائے۔ جس حدیث کا حوالہ صاحب شمع محمدی نے دیا ہے اسکا مفہوم یہ ہے۔ کہ باپ کو لے لینا اور خرچ کر لینا جائز ہے جیسے اور اموال اولاد میں باپ کو تصرف کرنا جائز ہے یہ معنی نہیں کہ ہبہ کو رجوع اور فسخ جائز ہے۔ ورنہ یہ معنی اس حدیث کے مخالف ہوں گے جو ہم نے نقل کی ہے۔ پس حتی الامکان تطبیق اولیٰ ہے۔

حضرات آپ نے دیکھ لیا کہ مسئلہ نمبر ۸ میں غیر محرم کا لفظ موجود ہے اور یہاں پر ذی رحم محرم کا لفظ صراحت پایا جاتا ہے۔ اور فقہ حنفی کا مسئلہ دونوں جگہ احادیث سے ثابت ہے۔ صاحب شمع محمدی نے غلط بیانی سے کام لیا ہے اللہ تعالی ان کو معاف فرمائے۔

(۱۰) مہر کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

( ) عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اعطی فی صداق امراته ملا کفیه سویقا او تمرا فقد استحل (رواہ ابو داؤد' مشکوۃ کتاب النکاح جلد دوم ص ۲۷۷)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس شخص نے اپنی بیوی کے مہر میں مٹھی بھر ستو یا کھجوریں دے دیں اس نے اسے حلال کرلیا۔ یہ حدیث صاف ہے کہ مہر کی کم سے کم مقدار کا تعین شارع علیہ السلام نے نہیں کیا جو کچھ بھی مہر مقرر ہو جائے وہ معتبر ہے ایک صحابی سے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جاؤ لوہے کی انگوٹھی ملے تو وہی اس عورت کی مہر کے لیے تلاش کرکے لے آؤ (بخاری مسلم) بنو فزارہ کی ایک عورت کا مہر دو جوتیاں دینی ٹھیری تھیں اور آنحضرت ﷺ نے اسی کو برقرار رکھا (ترمذی) حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا مہر یہ تھا کہ حضرت ابو طلحہ مسلمان ہو جائیں (نسائی) ایک صحابی کا مہر رسول اللہ ﷺ نے یہ ٹھیرایا تھا کہ قرآن کی جو سورتیں ان کے خاوند کو یاد ہیں وہ انہیں سکھا دیں (بخاری مسلم)

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا۔ حدیث میں تو آپ نے دیکھ لیا کہ تھوڑا بہت جو مہر مقرر ہو جائے نکاح ہو جائے گا۔ لیکن حنفی مذہب میں ہے کہ دس درہم سے کم مہر نہ ہونا چاہیے چنانچہ حنفی مذہب کی اعلی اور معتبر

کتاب ہدایہ کتاب النکاح ص ۳۰۴ میں ہے وقال المھر عشرۃ دراھم
یعنی کم سے کم مہر دس درہم کا ہے۔ اس سے آگے لکھا ہے ولد سمی
اقل من عشرۃ فلھا العشرۃ عندنا
یعنی اگر کسی کا نکاح دس درہم سے کم مہر ٹھیرا کر ہوا ہے تو وہ نامعتبر ہے
اس عورت کو مہر میں دس درہم ہی دلوائے جائیں ہمارا حکم یہی ہے۔ حنفی
بھائیو! حدیث رسول اللہ ﷺ بھی آپ کے سامنے ہے اور آپ کے مذہب
کے امام اور فقہا کا قول بھی آپ کے سامنے ہے ۔ جسے لینے کا آپ کا ایمان
تقاضا کرے اسے لیجئے اور جسے چھوڑنے میں آخرت کا نقصان نہ ہو اسے
چھوڑیئے۔ غور و تامل کے بعد فیصلہ کیجئے کہ کیا حدیث رسولؐ مانیں گے؟ یا
قیاس علماء؟ کلام رسولؐ اچھا؟ یا فقہا کی رائے؟ ایمان کے لائق کیا؟ اور انکار
کے قابل کیا؟
(شمع محمدی ص ۴۹، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۸۴، فتح المبین علی رد مذاہب
المقلدین ص ۱۴۳)

جواب

صاحب شمع محمدی نے جن پانچ روایات کا ذکر کیا ہے ان میں دو مسئلوں
کا ذکر ہوا ہے۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے۔ یہ مسئلہ پہلی
تین روایات سے ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اسلام کو یا تعلیم قرآن کو مہر بنایا جا سکتا ہے۔ یہ
مسئلہ روایت نمبر ۴، ۵ سے ثابت ہوتا ہے۔

ترتیب وار دونوں مسئلوں کو بیان کیا جاتا ہے۔

پہلا مسئلہ۔ مہر کی مقدار کا جو اس جگہ استدلال کیا ہے۔

(ا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم
تحقیق ہمیں علم ہے جو کچھ ہم نے مردوں پر ان کی بیویوں کے بارے مقرر کیا

ہے (سورۃ احزاب آیت نمبر ۵۰ پارہ نمبر ۲۲) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مہر کی ایک خاص مقدار مقرر کی ہے۔ لیکن قرآن مجید اس مقدار کے بیان میں مجمل ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اس کی تشریح فرمائی ہے۔

(۲) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں۔ (سنن الکبریٰ بیہقی ج ۷ ص ۲۴۰، سنن دار قطنی ج ص ۲۴۵)

(۳) حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں۔ (سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۴۰، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۴۵)

حضور نبی کریم ﷺ کا اپنا مہر

(۴) ابو سلمہ نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ سے نبی اکرم ﷺ کے مہر کی بابت سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ بارہ اوقیہ اور نش میں نے کہا نش کیا ہے؟ فرمایا نصف اوقیہ۔ (ابوداؤد ج ص)

ایک اوقیہ چالیس درہم کا تھا تو اس حساب سے ساڑھے بارہ اوقیے پانچ سو درہم ہوئے۔

(۵) حضور ﷺ نے بالعموم ازواجؓ کو اس قدر مہر دیا ورنہ حدیث میں ہے کہ ام حبیبہ کا مہر نجاشی نے حضورؐ کی طرف سے چار سو دینار (یعنی چار ہزار درہم) ادا کیا تھا۔

(۶) ابو سلمہ بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ (اپنی ازواج کا) مہر کتنا رکھتے تھے ؟ (حضرت عائشہ نے) فرمایا رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش رکھتے تھے پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ نش کی کتنی مقدار ہے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا نصف اوقیہ اور یہ (کل مقدار) پانچ سو درہم ہیں اور یہی رسول اللہ ﷺ کی ازواج کا مہر ہے (مسلم ج ص کتاب

النکاح)

ان تین روایات سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی کسی آخری بیوی کا مہر پانچسو درہم سے کم نہیں رکھا تھا۔ کسی ایک روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور نے خود اپنی کسی بیوی کا مہر اس درہم سے کم رکھا ہو۔ رہیں وہ روایات جو صاحب شمع محمدی نے نقل کی ہیں جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار متعین نہیں یا یہ کہ دس درہم سے کم بھی مہر مقرر کیا جا سکتا ہے تو ان کا اجمالی جواب یہ ہے کہ بلاشبہ امام ابوحنیفہ نے ان کو اختیار نہیں کیا۔ لیکن اس وجہ سے حدیث کی مخالفت کرنا ہرگز لازم نہیں آتا بلکہ انہوں نے بھی نصوص (یعنی قرآن و حدیث کو ابھی اوپر گزری ہیں) ہی کو بنیاد بنا کر یہ رائے قائم کی ہے اپنی طرف سے نہیں اور انہوں نے اپنے اصول کے مطابق نصوص کے ظاہری تعارض کو اس طرح ختم کیا ہے کہ روایات میں جہاں دس درہم سے کم مہر مقرر کرنے کا ذکر ہے وہاں پورا مہر مراد نہیں بلکہ مہر معجل مراد ہے یعنی مہر کا اتنا حصہ جو فی الفور ادا کیا جائے۔ رہا پورا مہر تو وہ بعد میں بھی کسی وقت ادا کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا مسئلہ تعلیم قرآن یا اسلام کو مہر بنانے کا ہے

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ان کو مہر نہیں بنایا جا سکتا۔ یہاں پر ایک اصولی قاعدہ کی بنا پر یہ بات کہتے ہیں کہ مہر میں مال کا ہونا ضروری ہے اور یہ مال نہیں ہے۔ امام صاحب کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ہے واحل لکم ماوراء ذالکم ان تبتغوا باموالکم محصنین (سورۃ نساء آیت ۲۴ پارہ ۵) ان عورتوں کے علاوہ تمہارے لیے باقی سب عورتیں حلال ہیں کہ تم مال دے کر ان سے نکاح کرو۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہے کہ مہر میں صرف وہ چیز مقرر کی جاسکتی ہے جو مال ہو اس کے علاوہ کوئی چیز بھی مہر نہیں بن سکتی تعلیم قرآن اور اسلام بھی چونکہ مال نہیں ہے اس لیے یہ بھی مہر نہیں بن سکتا۔

اس مسئلہ کی مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ منصور علی خان مراد آبادی فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین ص ۱۹۳ تا ۱۹۵ پر تحریر فرماتے ہیں۔

علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے لنا قوله صلى الله عليه وسلم من حديث جابر ولا مهر اقل من عشرة دراهم رواه الدارقطني والبيهقي وله شاهد يعضده.وهو ماروى عن علیؓ قال لا تقطع اليد في اقل من عشرة دراهم ولا يكون المهر اقل من عشرة دراهم رواه الدارقطني والبيهقي ايضا وقال محمد بلغنا ذلک عن علی وعبد الله بن عمر وعامر وابراهيم رضى الله عنهم فيحمل كل ما افاد ظاهره كونه اقل من عشرة على انه المعجل وذلک لان العادة عندهم كان تعجيل بعض المهر قبل الدخول وذا كان ذلک معهودا وجب حمل مايخالف ماروينا عليه جمعا بين الاحاديث وكذا يحمل امره صلى الله عليه وسلم بالتماسه خاتما من حديد على انه تقديم شی تالفا ولما عجز قال قم فعلمها عشرين اية وهى امراتک رواه ابوداؤد وهو محمل رواية الصحيح زوجتكها بما معک من القرآن فانه لا ينافيه وبه يجتمع الروايات یعنی ہماری دلیل قول رسول اللہ ﷺ کا ہے بروایت جابر نہیں مہر ہے کمتر دس درہم سے روایت کیا اس حدیث کو دار قطنی اور بیہقی نے اور واسطے اس حدیث کے تائید کرنے والی وہ حدیث ہے جو علیؓ سے مروی ہے کہ فرمایا نہ کاٹا جائے ہاتھ کم تر میں دس درہموں سے اور نہیں ہوتا مہر کم دس درہم سے روایت کیا اس حدیث کو بھی دار قطنی اور بیہقی نے اور کہا امام محمد نے یہی ہم کو علی اور عبد اللہ بن عمر اور عامر اور ابراہیمؒ سے پہونچا ہے پس وہ حدیث جس میں ظاہر اس درہموں سے کم مہر کا ذکر ہے حمل کیا جاوے گا اوپر مہر معجل کے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عادت ان کی تھی کہ قبل جماع کے کچھ مہر دیدیا کرتے تھے اور جب یہ امر مقرر تھا تو ان احادیث کا

جو ان احادیث کے مخالف وارد ہوئے ہیں مہر معجل پر حمل کرنا واجب ہوا تاکہ سب احادیث میں تطبیق ہو جاوے اور اسی طرح آنحضرت ﷺ کا لوہے کی انگوٹھی کے واسطے فرمانا اس پر محمول ہے کہ کوئی شی واسطے تالیف قلب کے پہلے دینی چاہیے اور جبکہ وہ شخص کچھ بھی نہ لایا تو فرمایا آپ نے اٹھ اور اس عورت کو بیس آیتیں تعلیم کردے یہ تیری زوجہ ہوگئی روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور یہی محمل روایت صحیح کا ہے کہ آپ نے فرمایا ہم نے تیرا نکاح قرآن شریف کی وجہ سے کردیا کیونکہ یہ اس کے منافی نہیں اور اس گفتگو سے سب روایتیں متفق ہو جائیں گی انتہی ملتقطا اور تبیین الحقائق میں ہے واما قولہ علیہ السلام ملکتکھا بما معک من القرآن فما فیہ دلالۃ علی ان القرآن جعلہ مھرا ولھذا لم یشترط ان یعلمھا وانما معک من القرآن ای بسبب ما معک من القرآن لحدیث ام سلیم وفیہ فکان صداق ما بینھما الاسلام وھو لا یصح صداقا بالاجماع یعنی لیکن ارشاد آنحضرت ﷺ کا کہ مالک کردیا ہم نے تجکو اس کا بسبب اس کے جو تیرے پاس قرآن ہے پس نہیں دلالت ہے اس قول میں کہ قرآن کو مہر کیا اور اسی وجہ سے یہ شرط ان کی کہ اسکو تعلیم کردے بلکہ بما معک من القرآن فرمایا یعنی بسبب اسکے جو تجکو قرآن آتا ہے کیونکہ حدیث ام سلیم میں آیا ہے کہ مہر درمیان دونوں کے اسلام تھا حالانکہ اسلام بالاتفاق مہر نہیں ہوسکتا انتہی خلاصہ تقریر دونوں محققوں کا یہ ہے کہ قرآن شریف کو حسب دستور مہر معجل سمجھا جائے چنانچہ ابوداؤد کی روایت میں ارشاد تعلیم ہے تو کچھ مہر حق تعلیم میں ادا ہو جاوے گا چنانچہ علی رضی اللہ عنہ سے آپ نے پہلے کچھ مہر دلوادیا تھا حالانکہ مہر انکا چار سو درہم بندھا تھا اسی طرح یہاں بھی آپ نے جب اور کچھ نہ ملا تو قرآن شریف ہی کی تعلیم کو فرمایا اور یہ معنی نہیں کہ اب مہر اور دینا نہیں آتا اسی قدر کافی ہے اس پر کوئی لفظ حدیث کا نہیں دلالت کرتا ابوداؤد کی روایت سے قطع نظر کی جاوے صحیحین کی روایت میں بھی تو یہ لفظ نہیں پس معنی یہ ہوئے

کہ قرآن شریف کی وجہ سے یعنی کلام مجید کی برکت سے تمہارا نکاح کردیا
جیسے ابو طلحہ کا نکاح بوجہ اسلام کے کردیا تھا پس مہر کیونکر ساقط ہو سکتا ہے ہاں
اس عورت نے جیسا کہ بعضوں نے کہا ہے ہبہ کردیا ہو تو بیشک ساقط ہو
جاوے گا ورنہ حدیث سے کہیں مستنبط نہیں ہوتا کہ مہر اس پر نہیں رہا اور
ہماری روایتیں بسبب کثرت طرق کہ مرتبہ احتجاج اور استناد تک پہونچ گئی ہیں
اور امام نووی نے شرح مہذب میں کہا ہے کہ بوجہ کثرت طرق کے حدیث
قابل احتجاج ہوجاتی ہے ذکر کیا اسکو علامہ زیلعی نے شرح کنز میں اور احادیث
میں تطبیق عمدہ ہے یا ترک ہاں اگر تطبیق نہ ہو سکے اس وقت مجبوری ہے
علاوہ اس کے قران شریف میں بھی اسی کی تائید موجود ہے واحل لکم
ماوراء ذلک ان تبتغوا باموالکم یعنی حلال کی گئیں تم پر عورتیں ماسوا ان
عورتوں کے بایں طور کہ طلب کرو تم اپنے مالوں کے بدلے انتہی پس مقید کیا
حلت کو طلب مال سے تو معلوم ہوا کہ بغیر مال کے حلال نہیں اور بعض ظاہریہ
کے نزدیک تو ایک جو بھی اگر مہر ہو تب بھی نکاح درست ہے اور وہ عورت
حلال ہو جاتی ہے حالانکہ ایک جو مال نہیں ہے چنانچہ تبیین الحقائق میں لکھا
ہے کہ کہا بعض ظاہریہ نے جس شی کا ہبہ یا میراث سے مالک ہوجاتا ہے وہ شی
مہر ہوسکتی ہے اگرچہ بیع میں ثمن ہونے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو جیسے گیہوں کا
دانہ یا جو کا اور قول ظاہریہ کا مہر کے بارے مین زیادہ فاسد ہے اس لیے کہ
ایک دانہ گیہوں کا یا جو کا اس کو کوئی مال شمار نہیں کرتا اسی وجہ سے اگر گرجاتا
ہے تو اس کو اٹھاتے نہیں اور اللہ تعالیٰ نے نکاح بعوض مال کے مشروع کیا ہے
اس قول سے کہ فرمایا حلال کی گئیں تم پر ماسوا انکے بایں طور کہ طلب کرو
بدلے مال کے اور نہیں مشروع کیا بدون مال کے انتہی۔

(۱۱) پائی ہوئی چیز کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

( ) عن خالد الجهنی قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فان جاء

صاحبها فعرف عفامها وعددها وکانها فاعطها ایاہ (صحیح مسلم شریف جلد دوم مع نووی ص ۷۹)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں پھر اگر اس گم شدہ پائی ہوئی چیز کا حقیقی مالک آجائے اور وہ اس کی تھیلی کو اس کی گنتی کو اس کے سربند کو بتلادے تو اسے وہ دیدو اس حدیث میں صاف ہے کہ جو گری پڑی گمشدہ چیز کسی کو مل جائے اور وہ اسے اٹھالے پھر جب کوئی اس کے صریح نشانات صاف صاف بتلادے تو اس پر حق ہے کہ وہ چیز واپس کردے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس کو نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ جب تک اپنی ملکیت کا ثبوت اور گواہ نہ دے اسے نہ دے علامت بتلانے پر اسے دیدینا ضروری نہیں کہ یہ مجبور ہو کر صرف نشانات دینے پر ہی دیدے مجبور نہیں یوں اسے اختیار ہے۔ چنانچہ حنفی مذہب فقہ کی اعلی اور بہترین کتاب ہدایہ جلد دوم کتاب اللقطہ ص ۵۹۷ میں ہے واذا حضر رجل فادعی اللقطة لم تدفع الیه حتی یقیم البینة فان اعطے علا متها حل للملتقط ان یدفعها الیه ولا یحبر علی ذالک فی القضاء

یعنی جب کوئی آکر اس گری پڑی پائی ہوئی چیز کا دعوی کرے تو اسے نہ دی جائے گی۔ جب تک کہ وہ شہادت ثبوت پیش نہ کردے علامتیں بتلانے سے اسے واپس کرنا گو حلال تو ہے لیکن ضروری نہیں قضاء وہ مجبور نہیں کہ خواہ مخواہ علامت بتلاتے ہی واپس ضرور ہی کردے۔ علامت کی تشریح اسی کتاب میں ان لفظوں سے کی ہے مثل ان یسمی وزن الدراهم وعددها و وکانها وعانها

یعنی درہموں کا وزن بتلادے ان کی گنتی بتلادے ان کی تھیلی بتلادے اس کا سربند بتلادے۔ حنفی بھائیو! حدیث رسول آپ کے سامنے وہ صاف کہتی

ہے کہ جو ان علامتوں کو بتلادے اسے واپس چیز دیدی جائے اور آپ کے مذہب کی فقہ بھی آپ کے سامنے ہے جو کہتی ہے کہ حکماً" اسے واپس کرنا ضروری نہیں ۔ پس اب کیا حدیث کو مانو گے؟ یا قیاس؟ فرمان رسول ؐ مانو گے؟ یا قول فقیہ؟

(شمع محمدی ص ۵۰، ظفر المبین حصہ اول ۱۹۱)

جواب

احناف نے اس مسئلے میں مذکورہ حدیث کے ساتھ شریعت کے دوسرے قواعد و ضوابط کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے یہ رائے قائم کی ہے کہ اگر لقطہ اٹھانے والے کو اطمینان ہو جائے کہ علامتیں بتانے والا شخص ہی اس چیز کا حقیقی مالک ہے تو مذکورہ حدیث کے مطابق اس کے لیے جائز ہے کہ وہ چیز اس کے حوالے کردے جیسا کہ خود ہدایہ میں موجود ہے۔ (گویا اس حدیث کے حکم کو وہ وجوب پر نہیں بلکہ اباحت پر محمول کرتے ہیں) لیکن اگر اسے اطمینان نہ ہو (کیونکہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ علامتیں بتانے والے شخص کو کسی طریقے سے ان علامتوں کا پتہ چل گیا ہو اور وہ حقیقت میں اس چیز کا مالک نہ ہو) تو وہ اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اس سے اس کے دعوی پر گواہ طلب کرے کیونکہ شریعت کا عام قاعدہ یہی ہے۔

حدیث

جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ لومعطی الناس بدعواھم لادعی رجال اموال قوم ودمائھم ولکن البینة علی المدعی والیمین علی من انکر (عن ابن عباس وقال الحافظ حسن فتح الباری ج ۵ ص ۲۸۳، بیہقی ج ۱۰ ص ۲۵۲) اگر لوگوں کو محض ان کے دعوے پر ہی چیزیں دی جانے لگیں تو لوگ (دوسرے) لوگوں کے خون اور ان کے مال پر دعوی کرنے لگیں گے۔ بلکہ گواہ مدعی کے ذمے ہے اور قسم اس پر ہے جو انکار کرے۔

ہدایہ کا یہ مسئلہ حدیث کے عین مطابق ہے۔ اور جو حدیث جوناگڑھی

نے نقل کی ہے احناف کا اس پر بھی عمل ہے۔

جونا گڑھی نے صرف عوام کو دھوکہ دیا ہے اور وہ ہر مسئلہ میں اس طرح کرتے ہیں۔

(۱۲) گمشدہ اونٹ کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

گری پڑی چیز کے احکام جب رسول اللہ ﷺ بیان فرماتے ہیں تو راوی آپ سے پوچھتے ہیں کہ فضالۃ الغنم گمشدہ بکری کے پکڑ لینے کی بابت کیا فرمان ہے؟ آپ جواب دیتے ہیں ھی لک اولا خیک اوللذئب وہ تیرے ہاتھ لگ گئی تو اور کسی کے ہاتھ لگ گئی تو خیر۔ ورنہ پھر بھیڑیا لے جائے گا۔ وہ پوچھتے ہیں فضالۃ الابل گمشدہ اونٹ کے پکڑ لینے کی نسبت کیا فرمان ہے؟ آپ جواب دیتے ہیں مالک ولها معها سقاؤها وحذاؤها ترد الماءَ وتاکل الشجر حتی یلقها ربها تجھے اس سے کیا واسطہ؟ اس کے ساتھ اس کی مشک ہے اس کے موزے ہیں آپ پانی لے لیگا۔ آپ درختوں کے پتوں سے اپنا پیٹ بھر لیگا۔ یہاں تک کہ اس کا مالک اسے پالے۔ (بخاری مسلم مشکوۃ کتاب الیوع ص ۲۶۲ جلد اول) مسلم شریف کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس سوال پر آپ سخت غضب ناک ہوگئے۔ چہرہ مبارک سرخ ہوگیا اور یہ جواب دیا۔ ایک روایت میں صاف لفظ ہیں کہ اونٹ کو نہ پکڑ۔ یہ حدیث آپ کے سامنے ہے۔ بخاری مسلم کا حوالہ اس کی صحت کا پورا ضامن ہے۔ حدیث میں گمشدہ بکری اور اونٹ میں فرق کیا ہے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا حنفی مذہب کی بہترین اور معتبر تر کتاب ہدایہ جلد دوم کتاب اللقطہ ص ۵۹۵ میں ہے ویجوز الالتقاط فی الشاۃ والبقر والبعیر

یعنی گمشدہ بکری گائے اونٹ سب کو پکڑ لینا جائز ہے۔ حنفی بھائیو! یہ ہے حدیث رسولؐ آپ کے سامنے جو گمشدہ بکری اور گم شدہ اونٹ کے درمیان فرق کرتی ہے۔ اور یہ ہے آپ کی فقہ حنفی جو دونوں کو ایک کرتی ہے۔ فرمائیے جناب کا دل کس طرف جھکتا ہے؟ حدیث لیں گے یا قیاس؟ فقہ فقیہ لیں گے؟ یا قول رسول (ﷺ) ؟

(شمع محمدی ص ۵۱' ظفر المبین حصہ اول ص ۱۹۳)

جواب

احناف کا طریقہ کسی بھی حدیث کو سمجھنے کا یہ ہے کہ وہ اس کے ظاہری الفاظ پر انحصار کرنے کے بجائے اس کی مصلحت' حکمت' استخراج کر کے اس پر اپنے مسلک کا مدار رکھتے ہیں۔

زیر بحث حدیث میں بھی یہی اصول پیش نظر ہے۔ گمشدہ جانور کو پکڑنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کو بحفاظت اس کے مالک تک پہنچایا جا سکے۔ بکری چونکہ کمزور جانور ہے اس لیے اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو خدشہ ہے کہ کوئی درندہ اسے نقصان پہنچائے گا۔ اس کے برخلاف اونٹ ایک بڑا اور طاقتور جانور ہے اور اس کو ایسا خطرہ بالعموم درپیش نہیں ہوتا۔

احناف نے اس حکمت اور مصلحت کو پیش نظر رکھ کر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دیانت امانت عام تھی اور یہ خدشہ نہیں تھا کہ اونٹ پر کوئی آدمی ناجائز طور پر قبضہ کرے گا۔ لیکن اب لوگوں میں شریفانہ اخلاق اور امانت و دیانت نادر ہو چکی ہے۔ اس زمانے میں اونٹ کو کھلا چھوڑ دینے میں خدشہ ہے کہ کوئی بددیانت آدمی اس کو پکڑ لے گا اور اصل مالک تک اس کا پہنچنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس لیے اگر کسی دیانت دار آدمی کو گمشدہ اونٹ ملے تو اسے حفاظت کے نقطہ نظر سے اسے پکڑ لینا چاہیے اور اس کے مالک تک پہنچانے کا انتظام کرنا چاہیے۔ کیونکہ حالات کے بدلنے سے احکام کا بدل جانا ایک مسلمہ قاعدہ ہے جبکہ صحابہ کے تعامل سے گمشدہ اونٹ کو پکڑنا بھی

ثابت ہے۔

(۱) مالک عن یحی بن سعید عن سلیمان بن یسار ان ثابت بن الضحاک الانصاری اخبرہ انه وجد بعیرا بالحرۃ۔ فعقله ثم ذکرہ بعمر بن الخطاب فامرہ عمر ان یعرفه ثلاث مرات۔ فقال له ثابت انه قد شغلنی عن ضیعتی فقال له عمر ارسله حیث وجدته (موطا امام مالک باب القضاء فی االضوال) ثابت بن ضحاک کہتے ہیں کہ انہیں حرہ کے مقام پر ایک (گمشدہ) اونٹ ملا تو انہوں نے اسے (پکڑ کر) باندھ دیا پھر اس کا ذکر حضرت عمرؓ سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تین دفعہ اس کا اعلان کرو ثابت نے کہا کہ اس (اونٹ) نے تو مجھے اپنی زمین (کے معاملات) سے مشغول کردیا ہے۔ تو سیدنا عمرؓ نے کہا کہ پھر جہاں سے یہ ملا تھا اس کو وہیں چھوڑ دو۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اونٹ پکڑنے والے شخص کو یہ نہیں کہا کہ تم نے حدیث کی مخالفت کی ہے بلکہ یہ فرمایا کہ اعلان کرو۔

(۲) حدثنی مالک انه سمع ابن شهاب یقول کانت ضوال الابل فی زمان عمر ابن الخطاب ابلا مؤبلة تناتج لا یمسها احد۔ حتی اذا کان زمان عثمان بن عفان امر بتعریفها ثم تباع فاذا جاء صاحبها اعطی ثمنها (موطا امام مالک ص ' موطا امام محمد ص) ابن شہاب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں گمشدہ اونٹ ہوتے تھے اور کوئی ان کو نہیں پکڑتا تھا۔ یہاں تک کہ جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو انہوں نے اونٹوں (کو پکڑ کر ان) کا اعلان کرانے کا حکم دیا (اور کہا کہ اعلان کے بعد) انہیں بیچ دیا جائے۔ اور اگر پھر اس کا مالک آجائے تو اسے اس کی قیمت دے دی جائے۔

اشکال۔ یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں گمشدہ اونٹ کو کوئی نہیں پکڑتا تھا۔ اور اوپر والی روایت میں حضرت کے زمانہ کا واقعہ ہے بلکہ حضرت عمر کو جب اطلاع ملی تو آپ نے اس شخص کو منع نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہا کہ اعلان کرو۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ دوسری روایت میں جو نفی کا ذکر ہے اس کا سرکاری حکم کی نفی پر محمول کریں گے۔ کہ حضرت عمر کے زمانہ میں سرکاری حکم نہ تھا۔ حضرت عثمان نے سرکاری حکم جاری کیا تھا۔ اور پہلی روایت میں انفرادی واقعہ بیان ہوا ہے۔

اونٹ پکڑنے کے متعلق سوال کرنے پر رسول اللہ ﷺ کے ناراض ہونے کی وجہ

جوناگڑھی نے مسلم شریف کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا ہے۔ کہ اس سوال پر آپ غضب ناک ہوگئے چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ کے غصہ میں آنے کی علماء نے مختلف وجوہات بیان کی ہیں۔

(۱) علامہ خطابی نے دو وجہیں بیان کی ہیں۔

(۱) کہ آپ کو سائل کی کم فہمی پر غصہ آیا کیونکہ وہ لقطہ اٹھانے کی اصل وجہ کو نہیں سمجھا اور چیز کو اس پر قیاس کیا جو اس کی نظیر نہیں تھی۔ کیونکہ لقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی شخص سے گر جائے اور یہ پتا نہ چلے کہ اس کا مالک کہاں ہے اور اونٹ اس طرح نہیں ہے کیونکہ وہ اسم اور صفت کے اعتبار سے لقطہ کا مغائر ہے کیونکہ اس میں ایسی صلاحیت ہے کہ وہ از خود مالک تک پہنچ سکتا ہے۔

(۲) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے بکثرت سوال کرنے کی وجہ سے ناراض ہوئے ہوں۔ کیونکہ سائل کسی حقیقی پیش آمدہ مسئلہ کا حل نہیں پوچھ رہا تھا۔ بلکہ محض فرضی صورتوں کا سوال کر رہا تھا۔ (بحوالہ شرح مسلم جلد ۵ ص ۲۳۱)

(۲) علامہ منظور احمد سیالکوٹی نقل کرتے ہیں۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے غضب ناک ہونے کا ذکر ہے یہ ناراضگی تو اس لیے تھی کہ سائل بار بار سوال کرتا چلا جاتا تھا۔ یا اس لیے کہ آپؐ نے کسی دلیل سے یا وحی سے معلوم کر لیا تھا کہ یہ در اصل اونٹ کو

بطور تملک حاصل کرنے کا کوئی بہانہ ڈھونڈنا چاہتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (فضل المعبود ترجمہ شرح ابی داؤد جلد ۲ ص ۶۷۵) رہی وہ حدیث جس کا ذکر جوناگڑھی نے کیا ہے اس کا جواب شروع میں اصولی طور پر ہو چکا ہے۔ یہاں پر ایک دو حوالہ اور ذکر کرتے ہیں۔

سید امیر علی غیر مقلد لکھتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم آپ نے ایسی صورت میں فرمایا کہ اونٹ کے ضائع ہونے کا خوف نہ تھا۔ پس جب خوف ہو تو اس کا پکڑ لینا اولیٰ ہے۔ (عین الہدایہ جلد ۲ ص ۶۰۹)

مولانا منصور علی خان مراد آبادی نے اس اعتراض کا جو جواب دیا تھا وہ اعتراض اور جواب ہم یہاں پر مکمل نقل کرتے ہیں۔

قال ہدایہ وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بکری اور گائے اور اونٹ گم ہونے کا پکڑنا مستحب ہے۔ الخ

اقول تبیین الحقائق میں لکھا ہے۔ومارواہ کان فی دیارھم اذا کان لا یخاف علیھا من شی ونحن نقول فی مثلہ یترکھا والذی یدل علی ذلک ماوراہ عثمان امر بمعرفتھا ثم تباع فاذا جاء صاحبھا اعطی ثمنھا (تبیین الحقائق باب اللقطہ)

یعنی وہ جو روایت ہے کہ گمشدہ اونٹ کو نہ پکڑو یہ ان کے ملک میں اس وقت تھا جبکہ ان پر کسی قسم کا خوف نہ تھا اور ہم بھی کہتے ہیں کہ ایسے وقت میں چھوڑ دے ان کو اور اس پر دلالت کرتی ہے روایت عثمانؓ کی کہ حکم دیا کہ اول ان کی شہرت کی جاوے پھر فروخت کیے جائیں پس جس وقت مالک ان کا آوے قیمت ان کی دیجائے انتہی۔ اور امام نووی اس حدیث مسلم من اوی ضالۃ وھو ضال مالم یعرفھا کی شرح میں لکھتے ہیں ویجوز ان یکون المراد بالضالۃ ھنا ضالۃ الابل ونحوھا مما لایجوز التقاطھا للتملک بل انما یلقتط للحفظ علی صاحبھا (نووی شرح مسلم جلد ثانی

صفحہ ۸۶)

یعنی اور جائز ہے یہ کہ مراد یہاں ضالہ سے ضالہ ابل وغیرہ ہو اس چیز سے جس کا لینا واسطے مالک ہونے کے جائز نہیں بلکہ پکڑ لینا اس کا واسطے حفاظت کے مالک کے لیے جائز ہے انتہی۔

اور مبسوط ص ج میں ہے کہ یہ امر اس وقت تھا جبکہ صالحین اور امانت داروں کا غلبہ تھا کہ کسی خائن کا اس پر قابو نہیں ہوتا تھا جب اس کو چھوڑ دیا جاتا تو مل جاتا تھا لیکن ہمارے زمانے میں خائن کی دست اندازی کا خوف ہے پس اس کے پکڑ لینے میں زیست اس کی اور حفاظت ہے انتہی۔

اور فتح القدیر باب اللقطہ میں ہے کہ یہ بات حق معلوم ہوتی ہے کہ نکہ یہ امر قطعی ہے کہ شارع کا مقصود اس کے مالک تک پہنچ جانا ہے اور شارع نے اس کا طریق بیان کردیا ہے پس جب زمانے کا انقلاب ہو جائے اور وہ شے تلف ہونے لگے تو حکم اس کا اس وقت بیشک خلاف اس کے ہوگا۔ اور وہ پکڑ لینا واسطے حفاظت اور لوٹانے کے ہے انتہی علاوہ اس کے حدیث سے چھوڑ دینے کا فقط جواز نکلتا ہے وجوب نہیں نکلتا پس مخالفت کسی صورت سے نہیں ہو سکتی یہ آپ کے فہم کا قصور ہے ہر جگہ مخالف حدیث کہہ دینا آپ کا پرانا دستور ہے اس عیب بینی کی عادت بد کو چھوڑ دیجئے۔ بے سمجھے بوجھے کسی کی نکتہ گیری نہ کیجیے۔

(۱۴۳) عورت کی میت کے غسل کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

رسول خدا ﷺ کی بڑی صاحبزادی صاحبہ حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا کا انتقال ہوتا ہے آپ بیٹھے ہوئے مسائل بتلاتے جاتے ہیں اور گھر کی عورتیں غسل و کفن میں مشغول ہیں۔ اس واقعہ کے بیان میں حدیث میں یہ

لفظ آتے ہیں فضفرنا شعرھا ثلثۃ قرون فالقیناھا خلفھا
یعنی ہم نے ان کے بالوں کی تین لٹیں کرکے پس پشت ڈال دیں۔
(بخاری مسلم مشکوۃ کتاب الجنائز ص ۲۴۳ جلد اول)

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا چنانچہ حنفی مذہب کی سب سے اعلی اور معتبر کتاب ہدایہ فصل فی التکفین ص ۱۵۹ میں ہے یجعل شعرھا ضفرتین علی صدرھا فوق الدرع
یعنی میت عورت کے بالوں کی دو لٹیں بنا کر سینے پر ڈال دی جائیں۔
حنفی بھائیو! حدیث آپ کے سامنے ہے اس میں تین لٹیں بنانے کا ذکر ہے اور آپ کی فقہ بھی آپ کے ساتھ ہے۔ اس میں دو لٹیں بنانے کا ذکر ہے۔ حدیث آپ کے سامنے ہے اس میں لٹیں میت کی کمر پر چھوڑنے کا ذکر ہے۔ آپ کی فقہ بھی آپ کے سامنے ہے جس میں سینے پر رکھنے کا ذکر ہے اب غور کرکے پسند کرلو کہ حنفی مذہب اچھا لگتا ہے یا محمدی مذہب؟ فقہ کے ماننے کو دل چاہتا ہے یا حدیث کی طرف دل کھنچتا ہے؟
(شمع محمدی ص ۵۲، ظفر المبین حصہ دوم ص ۶۸)

جواب

امام ابوحنیفہ یہاں پر ایک اصولی بات فرماتے ہیں کہ یہ کام زینت سے تعلق رکھتا ہے اور میت کو زینت کی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ مینڈیاں بناکر پیچھے ڈالنا زینت میں شمار ہوتا ہے۔ کسی بھی صحیح روایت میں یہ حکم موجود نہیں ہے۔ بخاری میں صرف ام عطیہ کا قول موجود ہے۔ غیر مقلدین تو کسی کا قول نہیں مانتے مگر یہاں پر اسی قول پر بنیاد رکھی ہوئی ہے۔ اس قول کے مقابلہ میں حضرت عائشہ صدیقہ کا قول ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث عن ابراہیم ان عائشۃ رأت امرأۃ یکدون رأسھا فقالت غلام تنصون

میتکم (مصنف ج ۳ ص ۴۳۷ رقم ۶۲۳۲ باب شعر المیت و اظفارھا)

ابراہیم سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ ایک میت عورت کی مینڈیاں بنا رہی تھی حضرت عائشہ نے فرمایا خبردار کیا تم مردہ عورتوں کی مینڈیاں بناتی ہو۔

اس روایت سے مینڈیاں بنانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے ناظرین دونوں قول آپ کے سامنے ہیں ہم نے حضرت عائشہ کے قول کو ترجیح دی ہے اور عقلی طور پر بھی امام اعظم کی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ میت کو زینت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حضرت عائشہؓ کی ایک لمبی روایت جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کا ذکر ہے۔ اس میں ہے کہ پھر انہوں نے (یعنی ابوبکر صدیق نے) اپنے کپڑے کی طرف دیکھا جس میں وہ بیمار ہوئے تھے اس میں زعفران کا ایک نشان تھا فرمایا میرا یہ کپڑا دھو ڈالو اور اس پر دو کپڑوں کا اضافہ کرو اور ان میں مجھے کفن دو میں نے کہا (اماں عائشہؓ نے) یہ پرانا کپڑا ہے فرمایا زندہ نئے کپڑوں کا مردے سے زیادہ مستحق ہے۔ تفہیم البخاری مترجم شرح صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۴۳) اس واقعہ سے بھی اس بات پر روشنی پڑھتی ہے کہ مردہ کو زینت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

رہی وہ روایت جو جوناگڑھی نے نقل کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ام عطیہ نے اپنی رائے سے یہ کام کیا تھا حضور ﷺ کا حکم نہ تھا۔

علامہ قسطلانی نے کہا کہ سرور کائنات ﷺ نے سر کے بالوں کے تین حصے کرنے کی تصریح نہیں فرمائی اور نہ ہی آپ نے اس طرف اشارہ فرمایا حدیث میں صرف یہ مذکور ہے کہ ام عطیہؓ نے تین چوٹیاں بنائیں یہ ان کا اپنا فعل ہے اس لیے سید عالم ﷺ کی تقریر حاصل نہیں اور یہ کہنا کہ ام عطیہؓ نے آپ کے حکم سے کیا ہوگا محض ایک احتمال ہے جس سے حکم ثابت نہیں ہو سکتا (بحوالہ تفہیم البخاری شرح صحیح بخاری جلد ۲ ص ۳۳۱)

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ابن حبان کی روایت میں حضور ﷺ کا حکم موجود ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امر کا لفظ شاذ ہے اور ابن حبان کی سند بھی صحیح نہیں۔

نیز ایک روایت حضرت ام سلیم کی مجمع الزوائد سے نقل کی جاتی ہے جس میں دو، تین مینڈیاں بناکر پیچھے کرنے کا ذکر ہے۔ مگر اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کا حکم موجود نہیں۔ بلکہ اس کی سند میں لیث بن سعد مدلس موجود ہے۔

(۱۴) جمعہ کے خطبے کے وقت کی نماز کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن جابر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھو یخطب اذا جاء احدکم یوم الجمعة والا مام یخطب فلیرکع رکعتین ولیتجوز فیھما (رواہ مسلم مشکوۃ جلد اول کتاب الجمعہ ص ۱۲۳)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے خطبہ پڑھاتے ہوئے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن امام کے خطبہ پڑھنے کی حالت میں آئے تو وہ دو رکعتیں پڑھ لے اور ذرا ہلکی پڑھ لے۔ بلکہ صحیح بخاری مسلم میں حدیث ہے کہ آپ کے خطبہ جمعہ پڑھتے ہوئے ایک صحابی آئے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے دو رکعتیں ادا کرلی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں پڑھیں تو آپ نے فرمایا اٹھو اور دو رکعتیں پڑھ لو وغیرہ۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا۔ چنانچہ حنفی مذہب کی فقہ کی معتبر اور اعلیٰ کتاب ہدایہ کتاب الصلوۃ ص ۱۵۱ باب صلوۃ الجمعہ میں ہے اذا خرج الا مام یوم الجمعة ترک الناس الصلوۃ والکلام

یعنی جمعہ کے دن امام کے نکلتے ہی لوگوں کو نہ کوئی نماز پڑھنی چاہیے اور نہ کوئی بات کرنی چاہیے ص ۷۰ میں ہے ولا اذا خرج الامام للخطبة الخ

یعنی جب جمعہ کے دن امام خطبے کے لیے نکل آیا پھر نفل نہ پڑھے۔ حنفی بھائیو! حدیث آپ کے سامنے ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا حکم موجود ہے کہ امام کے خطبے کی حالت میں جو آئے وہ دو رکعت ادا کرلے خود آپ نے ایسے شخص کو دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ اور اپنے سامنے پڑھوائیں اور آپ کی فقہ کا مسئلہ بھی آپ کے سامنے ہے کہ یہ رکعتیں نہ پڑھے۔ اب کہو رسول اللہ ﷺ کی حکمبرداری کرو گے؟ یا اپنے مذہب کی ؟ تمھارا دل کس پر ایمان لانے کو چاہتا ہے؟ اور کس سے منکر ہونے کو؟ اپنے لیے جو راہ چاہیں اختیار کرلیں؟ (شمع محمدی ص ۱۱۹' ظفر المبین حصہ دوم ص ۶۵)

جواب

حضرات خلفائے راشدین ؓ اور جمہور صحابہ ؓ و تابعین کے نزدیک خطبہ کے دوران نماز و کلام ممنوع ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ ؒ امام مالک اور اکثر فقہائے امت اسی کے قائل ہیں اور دلائل کی روشنی میں یہی مسلک راجح اور صواب ہے۔

(۱) عن سلمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اغتسل یوم الجمعة وتطهر بما استطاع من طهر ثم ادهن او مس من طیب ثم راح فلم یفرق بین اثنین فصلی ماکتب له ثم اذا خرج الامام انصت غفرله ما بینه وبین الجمعة الاخری (بخاری ج ۱ ص ۱۲۴)

حضرت سلمان فارسی ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور جس حد تک ہو سکے صفائی کرے۔ پھر تیل

لگائے یا خوشبو ہو تو وہ لگائے پھر جمعہ کے لیے جائے تو دو آدمیوں کے درمیان نہ بیٹھے پھر جتنی نماز اس کے لیے مقدر ہے پڑھے پھر جب امام خطبہ کے لیے نکل آئے تو خاموش رہے تو ایسے شخص کے اس جمعہ سے اس جمعہ تک کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

(۲) عن ابی هریرة عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال من اغتسل ثم اتی الجمعة فصلی ما قدر له ثم انصت حتی یفرغ من خطبته ثم یصلی معه غفرله ما بینه و بین الجمعة الاخری وفضل ثلاثة ایام (مسلم ج ۱ ص ۲۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے غسل کیا پھر وہ جمعہ کے لیے (مسجد میں) آیا پھر جتنی نماز اس کے لیے مقدر تھی پڑھی پھر امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک خاموش رہا پھر امام کے ساتھ نماز پڑھی تو اس کے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں اور تین دن مزید کے بھی۔

(۳) عن عطاء الخراسانی قال کان نبیشة الهذلی یحدث عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ان المسلم اذا اغتسل یوم الجمعة ثم اقبل الی المسجد لا یوذی احدا فان لم یجد الامام خرج صلی ما بداله وان وجد الامام قد خرج جلس فاستمع وانصت حتی یقضی الامام جمعته وکلامه ان لم یغفرله فی جمعته تلک ذنوبه کلها ان تکون کفارة للجمعة التی قبلها (مسند احمد ج ۵ ص ۷۵)

حضرت عطاء خراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے تھے کہ جب مسلمان جمعہ کے دن غسل کر کے مسجد آئے اس طرح سے کہ کسی کو ایذا نہ دے، پھر اگر دیکھے کہ امام ابھی (خطبہ کے لیے) نہیں نکلا تو جتنی چاہے نماز پڑھتا رہے، اور اگر دیکھے کہ امام نکل آیا ہے تو بیٹھ جائے اور خاموشی سے خطبہ سننے لگے یہاں تک کہ امام

خطبہ و نماز سے فارغ ہو جائے تو اگر اس جمعہ کے اس کے سارے گناہ معاف نہ ہوئے تو دوسرے جمعہ کے لیے یہ کفارہ ہو جائے گا۔

(۴) عن ابی ھریرۃ قال قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا کان یوم الجمعۃ وقفت الملائکۃ علی باب المسجد یکتبون الاول فالاول ومثل المھجر کمثل الذی یھدی بدنۃ ثم کالذی یھدی بقرۃ ثم کبشا ثم دجاجۃ ثم بیضۃ فاذا خرج طو واصحفھم ویستمعون الذکر (بخاری ج ۱ ص ۱۲۷ مسلم ج ۱ ص ۲۸۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں اور اول وقت دوپہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے پھر اس کے بعد دوم نمبر پر آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرتا ہے پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے کی اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی پھر جب امام خطبہ کے لیے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور ذکر سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

(۵) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اذا قلت لصاحبک یوم الجمعۃ انصت والامام یخطب فقد لغوت (بخاری ج ۱ ص ۱۲۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم نے جمعہ کے دن اپنے ساتھی سے کہا کہ خاموش رہ اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا تھا تو تم نے لغو وبیکار کام کیا۔

(۶) عن ابن عباس قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من تکلم

يوم الجمعة والامام يخطب فهو كمثل الحمار يحمل اسفارا والذى يقول له انصت ليست له جمعة (مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۰)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام کے خطبہ دینے کی حالت میں جو بات کرے وہ ایسے ہے جیسے گدھے نے کتابیں اٹھا رکھی ہوں اور جو اس سے کہے کہ چپ رہ تو اس کا جمعہ ہی نہیں۔

(۷) عن ابن عمر قال سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول اذا دخل احدكم المسجد والامام على المنبر فلا صلوة ولا كلام حتى يفرغ الامام (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۸۴)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کوئی شخص جب مسجد میں اس وقت داخل ہو جبکہ امام منبر پر ہو تو اس صورت میں نہ نماز جائز ہے نہ کلام جب تک کہ امام (خطبہ سے) فارغ نہ ہو جائے۔

(۸) عن ابن شهاب عن ثعلبة بن ابى مالك القرظى انه اخبره انهم كانوا فى زمن عمر بن الخطاب يصلون يوم الجمعة حتى يخرج عمر بن الخطاب فاذا خرج عمر وجلس على المنبر واذن المؤذنون وقال ثعلبة جلسنا نتحدث فاذا سكت المؤذنون وقام عمر يخطب انصتنا فلم يتكلم منا احد قال ابن شهاب فخروج الامام يقطع الصلوة وكلامه يقطع الكلام (موطا امام مالک ص ۸۸)

حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ثعلبۃ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے خبر دی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ جمعہ کے دن نماز پڑھتے رہتے تھے یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تشریف لاتے جب ...رت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لاکر منبر پر بیٹھ جاتے اور مؤذن اذان کہتے تو (ثعلـ ...ہتے ہیں) کہ ہم بیٹھے بیٹھے بات کر لیا کرتے تھے' پھر جب

مؤذن خاموش ہو جاتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ کے لیے کھڑے ہو جاتے تو ہم خاموش ہو جاتے اور ہم میں سے کوئی شخص کلام نہ کرتا' حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام کا نکلنا نماز کو اور اس کا کلام کرنا گفتگو کو ختم کر دیتا ہے۔

(۹) عن ابن شهاب قال حدثنى ثعلبة بن ابى مالك ان قعود الامام يقطع السبحة وان كلامه يقطع الكلام' الحديث(مسند لامام الشافعی" ص ۱۳۹ ج ۱)

حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ثعلبة بن ابی مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ امام کا منبر پر بیٹھ جانا نماز کو ختم کر دیتا ہے اور اس کا کلام گفتگو کو ختم کر دیتا ہے۔

(۱۰) عن ثعلبة بن ابى مالك القرظى قال ادركت عمر وعثمان رضى الله عنهما فكان الامام اذا خرج تركنا الصلوة (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۱۱)

حضرت ثعلبة بن ابی مالک قرظی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا زمانہ پایا (اس دور میں جمعہ کے دن ایسا ہوتا تھا کہ) جب امام جمعہ کے دن خطبہ کے لیے نکل آتا تو ہم نماز چھوڑ دیتے تھے۔

(۱۱) عن سائب بن يزيد قال كنا نصلى فى زمن عمر يوم الجمعة فاذا خرج عمر وجلس على المنبر قطعنا الصلوة وكنا نتحدث و يحدثونا وربما نسال الرجل الذى يليه عن سوقه ومعاشه فاذا سكت المؤذن خطب ولم يتكلم احد حتى يفرغ من خطبته (رواه اسحق بن راہویہ بحوالہ نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۰۴)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمعہ کے دن نماز پڑھتے تھے پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لا کر منبر پر

بیٹھتے تو ہم نماز بند کر دیتے تھے' اور لوگ آپس میں بات چیت کر لیا کرتے تھے اور کبھی ہم اپنے قریب کے شخص سے اس کے بازار اور معاش کا حال احوال بھی پوچھ لیتے تھے پھر جب مؤذن خاموش ہو جاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دیتے اور ان کے خطبے سے فارغ ہونے تک ہم میں سے کوئی شخص بات نہ کرتا۔

(۱۲) عن علی قال الناس فی الجمعة ثلاث' رجل شهدها بسکون وقار وانصات وذالک الذی یغفرله مابین الجمعتین قال حسبت قال وزیادة ثلاثة ایام' قال وشاهد شهدها بلغو فذالک حظه منها' ورجل صلی بعد خروج الامام فلیست بسنة ان شاء اعطاه وان شاء منعه (مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۲۱۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمعہ میں تین قسم کے لوگ شریک ہوتے ہیں' ایک وہ شخص جو جمعہ میں سکون وقار اور خاموشی کے ساتھ حاضر ہوا یہ تو ایسا شخص ہے کہ اس کے جمعہ سے جمعہ تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں راوی کا کہنا ہے کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اور تین دن مزید کے بھی دوسرا وہ شخص ہے جو جمعہ میں شریک ہو کر لغو کام کرتا ہے اس کا حصہ تو یہی لغو وبیکار کام ہے' اور تیسرا وہ شخص ہے جس نے امام کے (خطبہ کے لیے) نکلنے کے بعد نماز پڑھی اس کی یہ نماز سنت کے مطابق نہیں' اللہ چاہے تو اس کو (ثواب) دے اور چاہے تو نہ دے۔

(۱۳) عن الحارث عن علی انه کره الصلوة یوم الجمعة والامام یخطب (المدونة الکبری ج ۱ ص ۱۴۸)

حضرت حارث رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

(۱۴) عن عطاء عن ابن عباس وابن عمر انهما کانا یکرهان الصلوة والکلام بعد خروج الامام (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۱۱)

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ امام کے خطبہ کے لیے نکل آنے کے بعد نماز پڑھنے اور کلام کرنے کو مکروہ جانتے تھے۔

(۱۵) عن ابن عباس قال سالوہ عن الرجل یصلی والامام یخطب؟ قال ارایت لو فعل ذالک کلھم کان حسنا (مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۲۴۵)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے لوگوں نے سوال کیا کہ خطبہ کے دوران آدمی نماز پڑھ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا اگر سب ہی پڑھنے لگیں تو کیا یہ ٹھیک ہوگا؟

(۱۶) عن نافع قال کان ابن عمر یصلی یوم الجمعة فاذا تحین خروج الامام قعد قبل خروجه (مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۲۱۰)

حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے دن نماز پڑھتے رہتے اور جب امام کے آنے کا وقت ہو جاتا تو اس کے آنے سے پہلے ہی نماز بس کر کے بیٹھ جاتے۔

(۱۷) عن عقبة بن عامر قال الصلوة والامام علی المنبر معصية (طحاوی ج ۱ ص ۲۵۴)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام کے (خطبہ کے وقت) منبر پر ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا گناہ ہے۔

(۱۸) عن ھشام بن عروة قال رایت عبد اللّٰہ بن صفوان دخل المسجد یوم الجمعة وعبد اللّٰہ بن الزبیر یخطب علی المنبر وعلیه ازار ورداء ونعلان وھو متعمم بعمامة فاستلم الرکن ثم قال السلام علیک یا امیر المومنین ورحمة اللّٰہ وبرکاته ثم جلس ولم یرکع (طحاوی ج ۱ ص ۲۵۴)

حضرت ہشام بن عروۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبد اللہ بن

صفوان رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے دن مسجد حرام میں اس وقت تشریف لائے جب کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما منبر پر خطبہ دے رہے تھے .... اور ان کے جسم پر اس وقت تہبند تھا اور چادر اور نعلین پہنے ہوئے تھے اور عمامہ باندھے ہوئے تھے' انہوں نے آکر حجر اسود کو بوسہ دیا پھر کہا السلام علیک یا امیر المومنین ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' پھر بیٹھ گئے اور سنتیں نہیں پڑھیں۔

(۱۹) عن توبة العنبری قال قال الشعبی ارایت الحسن حین یجی وقد خرج الامام فیصلی عمن اخذ هذا؟ لقد رایت شریحا اذا جاء وقد خرج الامام لم یصل (طحاوی ج ۱ ص ۲۵۴)

حضرت توبہ عنبریؒ فرماتے ہیں حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کیا تم نے حسن بصریؒ کو دیکھا ہے کہ جب وہ جمعہ کے لیے آتے ہیں تو باوجودیکہ امام خطبہ کے لیے نکل کر آچکا ہوتا ہے پھر بھی وہ نماز پڑھتے ہیں یہ طریقہ انہوں نے کس سے لیا ہے؟ میں نے تو قاضی شریحؒ کو دیکھا ہے کہ جب وہ جمعہ کے لیے تشریف لاتے اور امام خطبہ کے لیے نکل کر آچکا ہوتا تو پھر وہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔

(۲۰) عن الشعبی قال کان شریح اذا اتی الجمعة فان لم یکن خرج الامام صلی رکعتین وان کان خرج جلس واحتبی واستقبل الامام فلم یلتفت یمینا ولا شمالا" (مصنف ابن ابی شیبتہ ج ۲ ص ۱۱۲' مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۲۴۵)

حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ جب جمعہ کے لیے تشریف لاتے اور امام ابھی خطبہ کے لیے نہ نکلا ہوتا تو آپ دو رکعتیں (تحیة المسجد) پڑھ لیتے تھے اور اگر امام خطبہ کے لیے آچکا ہوتا تو گوٹھ مار کر بیٹھ جاتے اور امام کی طرف توجہ فرماتے دائیں بائیں التفات نہ فرماتے۔

(۲۱) عن خالد الحذاء ان اباقلابة جاء يوم الجمعة والامام يخطب فجلس ولم يصل (طحاوی ج ا ص ۲۵۴)

حضرت خالد حزاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوقلابتہ رحمۃ اللہ علیہ جمعہ کے دن مسجد میں تشریف لائے تو امام خطبہ دے رہا تھا آپ بیٹھ گئے اور آپ نے نماز نہیں پڑھی۔

(۲۲) عن معمر قال سالت قتادة عن الرجل ياتی والامام يخطب يوم الجمعة ولم يكن صلی يصلی؟ فقال اما انا فكنت جالسا (مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۲۴۵)

حضرت معمرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کوئی شخص جمعہ کے دن مسجد میں اس وقت آتا ہے جبکہ امام خطبہ دے رہا ہوتا ہے اور اس شخص نے نماز (تحیتہ المسجد یا سنت) نہیں پڑھی تو کیا وہ اس حالت میں پڑھ لے؟ آپ نے فرمایا کہ بھئی میں تو ایسی صورت میں بیٹھ جاتا ہوں (نماز نہیں پڑھتا)

(۲۳) عن ابن جريج عن عطاء قال قلت له جئت والامام يخطب يوم الجمعة اتركع؟ قال اما والامام يخطب فلم اكن اركع (مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۲۴۵)

حضرت ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء بن ابی رباحؒ سے سوال کیا کہ اگر آپ جمعہ کے دن اس وقت تشریف لائیں جس وقت امام خطبہ دے رہا ہو تو آپ نماز (تحیتہ المسجد یا سنت) پڑھیں گے؟ آپ نے فرمایا اگر امام خطبہ دے رہا ہو تو پھر نہیں پڑھوں گا۔

(۲۴) عن ابی سيرين انه كان يقول اذا خرج الامام فلا يصل احد حتى يفرغ الامام (مصنف ابن ابی شیبتہ ج ۲ ص ۱۱۱)

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب امام خطبہ کے لیے نکل کر آچکا ہو تو پھر اس کے خطبہ سے فارغ ہونے تک کوئی شخص نماز نہ پڑھے۔

(۲۵) عن هشام بن عروة عن ابيه قال اذا قعد الامام على المنبر فلا صلوة (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۱۱۱)

حضرت ہشام بن عروہ رحمہما اللہ اپنے والد حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جب امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھ جائے تو پھر کوئی نماز جائز نہیں۔

(۲۶) عن معمر عن الزهری فی الرجل یجی یوم الجمعة والامام یخطب یجلس ولا یصلی (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۱۱۱، طحاوی ج ۱ ص ۲۵۴)

حضرت معمرؒ حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ (انہوں نے فرمایا) جو شخص جمعہ کے دن اس وقت آئے جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ بیٹھ جائے نماز نہ پڑھے۔

(۲۷) عن الزهری عن ابن المسیب قال خروج الامام یقطع الصلوة کلامه یقطع الکلام (مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۲۰۸، مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۱۱۱)

حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا امام کا خطبہ کے لیے نکلنا نماز کو اور اس کا کلام کرنا گفتگو کو بند کر دیتا ہے۔

(۲۸) عن لیث عن مجاهد انه کره ان یصلی والامام یخطب (طحاوی ج ۱ ص ۲۵۵)

حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

اعتراض میں

حضرت سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ کے جس واقعہ کا حوالہ دیا گیا ہے اس کے بارے میں چند امور پیش نظر رکھنا ضروری ہیں۔

(۱) یہ تو اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ و تابعین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) انہی مندرجہ بالا نصوص کے پیش نظر خطبہ کے دوران صلوۃ و کلام کے قائل نہیں تھے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سلیک غطفانیؓ کا واقعہ ان کے علم میں تھا کیونکہ ہمیں تو اس واقعہ کا علم روایات کے ذریعہ ہوا۔ مگر یہ اکابر اس واقعہ کے عینی شاہد تھے۔ یہ واقعہ جمعہ کے اجتماع عام میں پیش آیا تھا۔ اور آنحضرت ﷺ نے حضرت سلیکؓ سے جو کچھ ارشاد فرمایا' برسر ممبر ارشاد فرمایا تھا۔ اس لیے یہ تاویل تو ممکن نہیں کہ ان حضرات کو اس واقعہ کا اور آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا علم نہیں ہوگا۔

اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ حضرات دیدہ و دانستہ بغیر کسی معقول وجہ سے حدیث نبویؐ کو ترک کردیں۔ اور نص نبویؐ کے خلاف کے قائل ہو جائیں۔ کیونکہ اگر اس احتمال کو تسلیم کرلیا جائے تو حضرات خلفائے راشدینؓ اور جمہور صحابہؓ و تابعینؒ کے دین و دیانت پر ہی سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ یہ احتمال کسی رافضی ذہن میں تو آسکتا ہے۔ مگر صحیح العقیدہ مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ اکابر ہم لوگوں سے بڑھ کر متبع سنت اور حسنات کے حریص تھے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت سلیکؓ کو جو حکم فرمایا اگر یہ سب کے لیے عام ہوتا تو ناممکن تھا کہ تمام صحابہ کرام خصوصا حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اس حکم پر عمل پیرانہ ہوتے۔ اور اس کار ثواب سے نہ صرف خود محروم رہا کرتے۔ بلکہ دوسروں کو بھی منع کیا کرتے۔

(۲) مندرجہ بالا حقائق بالکل صاف اور بدیہی ہیں جن سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ان اکابر نے جو اس حدیث پر عمل نہیں فرمایا تو اس کی کوئی معقول اور صحیح وجہ ہوگی۔۔۔۔ رہا یہ سوال کہ وہ وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب صرف ہمارے ذمہ نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کے ذمہ ہے جو صحابہ کرام اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حق و صداقت کے علمبردار سمجھتے

ہیں۔ اور جن کا ذہن رفض کے شائبہ سے پاک ہے۔ اگر کسی حدیث کی مخالفت کا الزام امام اعظم ابوحنیفہؒ پر ہو تو اس کی جواب دہی تو مان لیجئے کہ صرف حنفیہ ہی کا فرض ہے۔ لیکن خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم تو صرف حنفیوں کے نہیں' اگر کسی حدیث کی مخالفت کا الزام خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم پر آتا ہے تو اس کی جواب دہی ہر مسلمان کا فرض ہے۔

اور یہیں سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جانی چاہیے کہ خبرواحد کی اہمیت زیادہ ہے یا خلفائے راشدینؓ اور حضرات صحابہؓ کے تعامل کی؟ یعنی جب خلفائے راشدینؓ اور عام صحابہؓ کا تعامل کسی خبرواحد کے خلاف ہو (جیسا کہ ہمارے زیر بحث مسئلہ میں) تو خبرواحد کو واجب العمل قرار دے کر ان اکابر کو مورد الزام ٹھہرایا جائے گا۔ یا یہ کہ ان اکابر کے تعامل کی روشنی میں خود خبر واحد کو لائق تاویل تصور کیا جائے گا۔ پہلا راستہ رفض و بدعت کی طرف جاتا ہے۔ اور دوسرا "ما انا علیہ واصحابی" کی طرف۔ اب ہر شخص کو اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے جونسا راستہ چاہے اختیار کرلے۔

(۳) ان اکابر نے سلیک غطفانیؓ کی روایت کو جو معمول بہا نہیں سمجھا ہمارے نزدیک اس کی بلا تکلف دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حضرات جانتے تھے کہ سلیکؓ کو آنحضرت نے دو رکعتیں پڑھنے کا جو حکم فرمایا ہے' یہ عام حکم نہیں بلکہ یہ صرف انہی کے لیے ایک خصوصی واستثنائی حکم ہے۔

دوم یہ کہ ان حضرات کو معلوم تھا کہ اس واقعہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے خطبہ کے دوران صلوۃ و کلام سے ممانعت فرمائی ہے' اس لیے اب اس کا جواز باقی نہیں رہا۔

(۴) پہلی توجیہہ یعنی یہ کہ اس واقعہ کو خصوصیت پر محمول کیا جائے۔ اس کے قرائن مندرجہ ذیل ہیں۔

الف۔ خصوصیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کو متعدد ایسے واقعات پیش آئے کہ ان کی حاضری خطبہ کے دوران ہوگئی مگر آنحضرت ﷺ

نے ان کو دوگانہ ادا کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔

مثلاً"۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۷ (باب الاستسقاء فی المسجد الجامع) میں ان صاحب کا واقعہ مذکور ہے جنہوں نے خطبہ کے دوران آتے ہی بارش کی دعا کی درخواست کی تھی۔ آپ ؐ نے اسے دو رکعتیں پڑھنے کا حکم نہیں فرمایا۔

(۲) پھر اسی روایت میں اس شخص کے آئندہ جمعہ آنے کا ذکر ہے۔ اس موقعہ پر بھی آپ ؐ نے یہ حکم نہیں فرمایا۔

(۳) ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۶ (باب الامام یکلم الرجل فی خطبتہ) میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خطبہ کے دوران فرمایا "بیٹھ جاؤ" حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ابھی مسجد کے دروازے سے باہر تھے کہ ارشاد گرامی سن کر وہیں بیٹھ گئے۔ آنحضرت ﷺ کی نظر مبارک ان پر پڑی تو ان سے فرمایا "ابن مسعود! اندر آجاؤ" مگر ان کو دو رکعتیں پڑھنے کا حکم نہیں فرمایا۔

(۴) ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۹ اور نسائی ج ۱ ص ۲۰۷ میں اس شخص کا واقعہ مذکور ہے جو خطبہ کے دوران لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آرہا تھا آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا "اجلس فقد اذیت" "بیٹھ جاؤ! تو نے ایذادی ہے" اور اسے دو رکعتوں کا حکم نہیں فرمایا۔

ب ۔ روایات اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت سلیک رضی اللہ عنہ کے بیٹھ جانے کے بعد انہیں دو رکعتیں پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔ حالانکہ بیٹھ جانے کے بعد تحیتہ المسجد ساقط ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص مسجد میں بیٹھا ہو اس کے لیے خطبہ کے دوران نوافل پڑھنا کسی کے نزدیک بھی جائز نیں ہے۔ پس اگر یہ خصوصی و استثنائی حکم نہ ہوتا تو اس کے بیٹھ جانے کے بعد (اور وہ بھی خطبہ کے دوران) اسے نوافل پڑھنے کا حکم نہ دیا جاتا۔

ج ۔ پھر روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ابھی ممبر پر تشریف فرما ہوئے تھے کہ سلیک رضی اللہ عنہ آکر بیٹھ گئے۔ گویا ان سے گفتگو خطبہ کے

دوران نہیں بلکہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے ہوئی۔

چنانچہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۷ میں ہے۔ جاء سلیک الغطفانی یوم الجمعة ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاعدا علی المنبر فقعد سلیک قبل ان یصلی الخ۔ سلیک غطفانیؓ جمعہ کے دن اس وقت آئے جب کہ رسول اللہ ﷺ ممبر پر بیٹھے تھے پس سلیکؓ نماز پڑھنے سے پہلے بیٹھ گئے۔

امام نسائیؒ نے سنن کبری میں اس روایت پر یہ باب باندھا ہے "باب الصلوة قبل الخطبة" خطبہ سے پہلے نماز کا بیان (نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۰۴)

نیز یہ بھی آتا ہے کہ سلیکؓ جب تک دوگانہ سے فارغ نہیں ہوئے آنحضرت ﷺ نے خطبہ شروع نہیں فرمایا چنانچہ دار قطنی ص ۱۶۹ کی روایت میں ہے۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قم فارکع رکعین۔ وامسک عن خطبتہ حتی فرغ من صلوتہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اٹھو! دو رکعتیں پڑھو۔ اور آنحضرت ﷺ خطبہ سے رکے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی نماز سے فارغ ہو لیے۔

امام دار قطنیؒ اس روایت کو مسند اور مرسل دونوں طرح روایت کرکے لکھتے ہیں کہ مرسل صحیح ہے۔ مرسل روایت جب صحیح ہو تو عام اہل علم کے نزدیک حجت ہے۔ اور اگر اس کے طرق متعدد ہوں یا اس کی موید کوئی اور روایت موجود ہو تو تمام اہل علم کے نزدیک حجت ہے۔ یہاں یہی آخری صورت ہے۔ چنانچہ امام دار قطنیؒ نے ایک اور روایت بھی (بطریق ابو معشر عن محمد بن قیس) اس کی موید نقل کی ہے۔ یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیث امرہ ان یصلی رکعتین امسک عن الخطبة حتی فرغ من رکعتیہ ثم عاد الی خطبتہ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۱۰، دار قطنی ص ۱۶۹)

نبی کریم ﷺ نے جب سلیکؓ کو دو رکعتیں پڑھنے کا حکم فرمایا تو خطبہ سے رک گئے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی دو رکعتوں سے فارغ ہوئے تب آپؐ نے خطبہ کی طرف رجوع فرمایا۔

اس روایت کے راوی کو دار قطنیؒ نے ضعیف کہا۔ مگر یہ روایت اوپر کی مرسل صحیح کو مزید تائید فراہم کرتی ہے۔

نیز یہ بھی آتا ہے کہ حضرت سلیکؓ چونکہ بہت ہی خستہ اور قابل رحم حالت میں آئے تھے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انہیں صدقہ دینے کی ترغیب دلائی۔ چنانچہ حاضرین نے اپنے کپڑے اتار کر پیش کیے۔ اور آنحضرت ﷺ نے ان میں سے دو کپڑے ان کو مرحمت فرمائے۔ (نسائی ج ا ص ۲۰۸)

غالباً اس سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ نے خطبہ شروع فرمایا ہوگا جس کا تذکرہ اوپر دار قطنی اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں آیا ہے۔

پس یہ تمام امور جو اس واقعہ میں پیش آئے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کا سلیکؓ کے دوگانہ ادا کرنے تک خطبہ روک دینا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو چندے کی ترغیب دینا۔ اور صحابہ کرامؓ کا کپڑے اتار اتار کر پیش کرنا۔ یہ خطبہ کے عام معمول کے خلاف ہیں۔ اور انہیں خصوصیت ہی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

لیکن اگر اس کے باوجود کسی کو اصرار ہو کہ یہ سلیکؓ کی خصوصیت نہیں! بلکہ خطبہ کے دوران تحیتہ المسجد پڑھنا ہر شخص کے لیے عام سنت ہے تو ہمیں یہ کہنے کی اجازت دیجئے اگر خطبہ کے دوران دو رکعتیں پڑھنا حضرت سلیکؓ کی سنت ہے تو ایسے شخص کے لیے خطیب کا خطبہ کو روک دینا آنحضرت ﷺ کی سنت ہے۔۔۔۔۔ لہٰذا خطیب کا فرض ہے کہ تحیتہ المسجد پڑھنے والوں کی رعایت فرماتے ہوئے خطبہ روک کر سنت نبوی پر عمل کیا کریں۔ یہ تو نہیں ہونا چاہیے کہ مقتدی تو سنت سلیکؓ پر عمل کریں۔ اور

خطیب صاحب پر سنت نبوی ؐ کی پابندی لازم نہ ہو۔ اور ہاں! حضرت سلیکؓ کی سنت پر بھی جب پورا عمل ہوگا کہ پہلے مسجد میں آکر بیٹھ جایا کریں پھر خطیب صاحب ان کو دوگانہ ادا کرنے کا حکم کریں۔ پھر ان کے دوگانہ ادا کرنے کے دوران خطبہ روکے رکھیں۔ پھر حاضرین سے ان کے لیے چندہ بھی کیا کریں۔ تب دوبارہ خطبہ شروع ہوا کرے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیکؓ نے بھی دوگانہ عین خطبہ کے دوران ادا نہیں فرمایا تھا۔ کیونکہ جب آنحضرت ﷺ نے ان کی خاطر خطبہ روک دیا۔ تو یہ دوران خطبہ کی حالت نہ رہی۔ علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی پر دوسرے کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ آنحضرت ﷺ کے بلانے پر عین نماز کی حالت میں لبیک کہنا واجب ہے۔ پس جب آنحضرت ﷺ نے کسی مصلحت کی بنا پر حضرت سلیکؓ کو دو رکعتیں پڑھنے کا حکم فرمایا تو عین حالت خطبہ میں بھی انہیں تعمیل ارشاد لازم تھی۔ اور اس وقت ان سے استماع کی فرضیت ساقط تھی۔ لیکن دوسروں کے لیے جائز نہ ہوگا کہ فرض استماع کو چھوڑ کر نفل میں مشغول ہو جائیں۔

د۔ خصوصیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ صحیح ابن حبان کی روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ حضرت سلیکؓ سے فرمایا ارکع رکعتین ولا تعودن لمثل هذا (موارد الظمان ص ۱۵۰' نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۰۳)

دو رکعتیں پڑھو اور آئندہ ایسا ہرگز نہ کرنا۔

اور دار قطنی کی ایک روایت میں ہے۔ ولا تعد لمثل هذا اور آئندہ ایسا نہ کرنا۔

جو شخص خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد کو جائز کہتے ہیں وہ اس ارشاد کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس میں آئندہ تاخیر سے آنے کی ممانعت فرمائی گئی تھی۔ کیونکہ آئندہ جمعہ وہ پھر دوگانہ پڑھے بغیر بیٹھ گئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو دوسرے جمعہ بھی دوگانہ پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔

لیکن حضرات خلفائے راشدینؓ اور جمہور صحابہؓ نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ آئندہ دوگانہ پڑھنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ جس کا ایک قرینہ تو یہی کہ یہ ممانعت دوگانہ کے ساتھ مربوط ہے۔ لہٰذا اسی کی ممانعت اقرب الی الفہم ہے۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ حضرت سلیکؓ نے آئندہ جمعہ جو دوگانہ نہیں پڑھا وہ اسی ارشاد کی تعمیل تھی ورنہ یہ قطعا بعید ہے کہ وہ گذشتہ جمعہ کی تنبیہ کو بھول جاتے اور آنحضرت ﷺ کا ان سے دوبارہ دو رکعتیں پڑھوانا بھی کسی خصوصی مصلحت کی بناء پر ہوگا۔ ورنہ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے آپؐ دیگر صحابہؓ سے نہیں پڑھواتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ حضرات خلفائے راشدینؓ اور جمہور صحابہؓ وتابعینؒ نے جو سلیکؓ کی روایت کو تشریع عام نہیں سمجھا اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ متعدد قرائن اس کی خصوصیت کے موجود ہیں۔

(۵) اور دوسری توجیہ ان اکابرؒ کی اس روایت کو معمول بہا نہ سمجھنے کی یہ ہو سکتی ہے کہ خطبہ کے دوران نماز وکلام کی ممانعت بعد میں ہوئی ہوگی۔ ہمارے سامنے تو قرآن کریم اور حدیث نبویؐ کا ذخیرہ بیک وقت پورے کا پورا موجود ہے اس لیے ہمیں تو یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کونسی آیت پہلے اتری اور کونسی بعد میں؟ کونسا ارشاد آنحضرت ﷺ نے پہلے فرمایا تھا۔ اور کونسا بعد میں؟ نقل و روایت کی ضرورت ہے۔ لیکن حضرات خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے آیات قرآن کے نزول اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات کی ترتیب مشاہدہ کی چیز تھی۔ وہ جانتے تھے کہ کونسی آیت کب اور کہاں نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے کونسا ارشاد کس موقعہ پر فرمایا تھا؟ کونسا حکم پہلے تھا کونسا بعد میں؟ الاتقان (النوع الثمانون) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا۔

سلونی۔ فواللہ لا تسالون من شی الا اخبرکم۔ وسلونی عن کتاب اللہ۔ فواللہ ما من ایۃ الا وانا اعلم ابلیل نزلت ام بنہار ام فی

سہل ام فی جبل۔(ج ۲ ص ۸۷)

مجھ سے پوچھ لو! پس اللہ کی قسم! تم مجھ سے کوئی چیز نہیں پوچھو گے مگر میں تم کو اس کے بارے میں خبر دوں گا۔ اور مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں سوال کرو پس اللہ کی قسم! قرآن کریم کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں میں یہ نہ جانتا ہوں کہ رات میں اتری یا دن میں' میدان میں اتری یا پہاڑ پر۔

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے۔

واللہ الذی لا الہ غیرہ ما نزلت من آیۃ من کتاب اللہ الا وانا اعلم فیمن نزلت واین نزلت۔(ایضاً)

اس اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نہیں ہوتی جس کے بارے میں مجھے معلوم نہ ہو کہ وہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔

پس جب یہ اکابرؒ ایک روایت کے مقابلہ میں ان نصوص پر عمل فرماتے ہیں جن میں خطبہ کے دوران کلام و نماز کی ممانعت کی گئی ہے تو یہ روایت اگر خصوصیت پر محمول نہیں تو لامحالہ متروک العمل ہوگی۔

(۶) جو حضرات حدیث سلیکؓ سے استدلال کرتے ہوئے خطبہ کے دوران تحیتہ المسجد پڑھنے پر زور دیتے ہیں انہیں اس پر غور کرنا چاہیے کہ تحیتہ المسجد عام حالات میں بھی مستحب ہے اور خطبہ کا سننا فرض ہے۔ کیا مستحب کی خاطر فرض کو ترک کرنا جائز ہے؟ اور پھر اگر تحیتہ المسجد نہ پڑھنے کی صورت میں ایک حدیث پر عمل کرنے سے محرومی لازم آتی ہے تو فرض استماع وانصات کو چھوڑنے سے احادیث متواترہ اور خلفائے راشدینؓ کے متفق علیہ مسئلہ کی مخالفت لازم آتی ہے۔ کیا ایک حدیث کی خاطر احادیث متواترہ اور خلفائے راشدینؓ کے حکم سے انحراف جائز ہے؟

حضرت ابو سعید خدریؓ کا واقعہ

غیر مقلدین ترمذی کے حوالے سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی بیان کرتے ہیں جس میں دوران خطبہ نماز کی ممانعت کو "مروانی بدعت" کہا گیا ہے۔ یہ تو اوپر معلوم ہو چکا کہ یہ مروانی حکم نہیں بلکہ قرآنی حکم ہے۔ اور یہ مروانی بدعت نہیں ہے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت ہے۔ جو بات قرآن کریم' سنت متواترہ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے تعامل سے ثابت ہو اسے محض اس بنا پر "مروانی بدعت" کہنا کہ مروان بھی اس کا قائل تھا۔ کیونکہ صحیح ہوگا۔ شاید یہ حضرات کل خطبہ جمعہ کو بھی "مروانی بدعت" فرمادیں۔

رہا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا دوگانہ پڑھنے پر اصرار کرنا تو اس کی دلیل میں انہوں نے وہی حضرت سلیک رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش کیا ہے اور اس سے دوگانہ کا جواز استنباط فرمایا ہے۔ جب کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے خلاف کا فتوی دیتے ہیں۔ اب اہل فہم انصاف فرمائیں کہ ہمیں کونسا مسلک اختیار کرنا چاہیے۔

اور اس ناکارہ کے خیال میں تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا اس موقعہ پر اصرار کسی اور ہی بات کی غمازی کرتا ہے شرح اس کی یہ ہے کہ امراء جور کے زمانے میں سلف میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا تھا کہ اگر امام خطبہ میں ذکر کو چھوڑ کر غیر متعلق قسم کی باتیں کرنے لگے تو کیا اس کا استماع بھی لازم ہے؟ بعض اکابر کی رائے تھی کہ امام چونکہ ذکر سے خارج ہوگیا۔ اور استماع صرف ذکر کا لازم ہے نہ کہ اس کی غیر متعلق باتوں کا اس لیے اس وقت اس کے خطبہ کی حرمت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۲۲۶ میں ہے کہ حجاج بن یوسف خطبہ دے رہا تھا۔ اور امام شعبی رحمہ اللہ اور ابوبردہ رحمہ اللہ باتیں کر رہے تھے۔ ان سے عرض کیا گیا کہ آپ خطبہ کے دوران باتیں کر رہے تھے۔ تو فرمایا ہمیں ایسی باتوں کے لیے خاموشی کا حکم نہیں دیا گیا۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۶ اسی نوعیت کا واقعہ حضرت ابراہیم نخعی اور سعید بن

جبیر رضی اللہ عنہما کا نقل کیا گیا ہے۔ پس کیا بعید ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو بھی ایسی صورت پیش آئی ہو اور انہوں نے اس وقت نماز شروع کر دی ہو اس صورت میں ان کا حدیث سلیکؓ کا حوالہ دینا بھی برمحل ہے کہ جیسے ان کے دوگانہ ادا کرتے وقت خطبہ منقطع ہوگیا تھا۔ اسی طرح میں نے بھی انقطاع خطبہ کی حالت میں دوگانہ ادا کیا۔ ھذا' واللہ اعلم بالصواب

(۱۵) ایک وتر کا مسئلہ

جوناگڑھی نے ایک حدیث پیش کی ہے۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ اللیل مثنی مثنی فاذا خشی احدکم الصبح صلی رکعۃ واحدۃ توترلہ ما قد صلی (متفق علیہ مشکوۃ ص ۱۱۱ جلد اول کتاب الصلوۃ باب الوتر)

یعنی رات کی نماز دو دو رکعت کرکے ہے۔ جب صبح کے ہوجانے کا ڈر لگنے لگے تو ایک رکعت وتر پڑھ لے۔ یہ حدیث بخاری مسلم جیسی حدیث کی صحیح تر کتاب میں ہے۔ اپنے مطلب میں واضح ہے کہ وتر ایک رکعت ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ وتر ایک رکعت ہے ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں ہے جو ایک وتر پڑھنا چاہے وہ پڑھ لے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

باوجود ان صحیح حدیثوں کے حنفی مذہب ایک وتر کا قائل نہیں وہ ان حدیثوں کو نہیں مانتا۔ چنانچہ حنفی مذہب کی معتبر اور بہتر کتاب ہدایہ کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الوتر ص ۱۲۴ میں ہے الوتر ثلاث رکعات یعنی وتر تین رکعت ہیں حنفی بھائیو! حدیث کے ایک وتر کا حنفی مذہب مخالف ہے۔ فرمائیے آپ کسے مانیں گے؟ امتی ہو کر رسولؐ کی مانیں گے؟ یا مقلد ہو کر فقہ کی؟ (شمع محمدی ص ۵۴' ظفر المبین حصہ اول ص ۱۲۸' فتح المبین علی رد مذاہب

المقلدین ص ۵۸، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۴، سبیل الرسول ص ۲۵۱)

جواب

ہر مسلمان جانتا ہے کہ فرائض اور سنت موکدہ کی رکعتیں مقرر ہوتی ہیں ان میں کسی کو اپنی مرضی سے کمی بیشی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا البتہ نوافل کا حساب ایسا ہے کہ جتنا گڑ ڈالو گے اتنا میٹھا ہوگا جتنے پڑھ لو اتنا ہی ثواب مل جائے گا۔ نماز وتر کے بارہ میں احادیث میں کئی اختلافات ہیں جن میں بعض احکام نفل والے ہیں مثلاً جتنی چاہے رکعتیں پڑھ لینا۔ سواری پر بیٹھ کر وتر پڑھ لینا وغیرہ بعض احکام وجوب کے ہیں کہ تین ہی رکعت پڑھنا سواری پر بیٹھ کو وتر جائز نہ ہونا وتروں کی قضا کا ضروری ہونا۔ اب شریعت (کتاب و سنت) میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ایک ہی نماز کو کبھی نفل کی نیت سے ادا کر لیا جائے اور کبھی واجب کی نیت سے پڑھ لیا جائے اور نہ صراحۃ کسی حدیث میں یہ ہے کہ پہلے یہ احکام تھے اب یہ ہیں جب یہ صراحت نہ ملی تو بنص حدیث معاذؓ یہاں اجتہاد کی گنجائش نکل آئی مجتہدین نے اجتہاد سے کسی ایک پہلو کو ترجیح دے لی۔ اس بارہ میں احناف یہ کہتے ہیں کہ پہلے وتر نفل تھے اور تہجد میں شامل تھے اس لیے تہجد اور وتر کو ملا کر بیان کر دیا جاتا کہ حضرت ﷺ نے گیارہ یا تیرہ تک وتر (مع تہجد) پڑھے ۔ پھر وتر واجب ہو گئے۔

وتر کے واجب ہونے کا ثبوت

حدیث نمبر ا۔ عن خارجة بن حذافة قال ابو الوليد العدوى قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ان الله قد امدكم بالصلوة هى خير لكم من حمر النعم وهى الوتر فجعلها لكم فيما بين العشاء الى طلوع الفجر۔ (ابوداؤد ج ا ص ۲۰۱، ترمذی ج ا ص ۱۰۳، مستدرک حاکم ج ا ص ۳۰۶)

حضرت خارجہ بن حذافہ عدوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی ہے یا تمہارے لیے ایک نماز زائد کی ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے وہ نماز وتر ہے اسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے عشاء سے لے کر صبح صادق تک مقرر کیا ہے۔ (حاکم و ذہبی نے شرط شیخین پر اس روایت کو صحیح کہا ہے)

یہ حدیث حضرت خارجہ بن حذافہؓ (حاکم)، حضرت ابوسعید خدریؓ (طبرانی)، حضرت عمرو بن العاصؓ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ (دار قطنی)، حضرت عمرو بن شعیبؒ (دار قطنی)، حضرت عقبہ بن عامرؓ (طبرانی) حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی (خلافیات بیہقی)، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ (دار قطنی فی غرائب مالک) سے مروی ہے اس لیے قاضی ابو زید فرماتے ہیں وھو حدیث مشہور (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۳ ص ۴۲۳)

حدیث نمبر۲۔ عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوتر حق واجب علی کل مسلم (مسند احمد ج ص، صحیح ابن حبان ج ص بحوالہ الدرایہ، منحۃ المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی ابی داؤد ج ا ص ۱۱۹، دار قطنی ج ۲ ص ۲۲)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر حق ہیں واجب ہیں ہر مسلمان پر۔

حدیث نمبر۳۔ عن عبد اللہ بن بریدۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا۔ (ابوداؤد ج ا ص ۲۰۱، مستدرک حاکم ج ا ص ۳۰۵)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرما رہے تھے وتر حق (واجب) ہیں۔ جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر حق (واجب) ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر حق

(واجب) ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

حدیث نمبر ۴۔ عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الوتر واجب علی کل مسلم (کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۱ ص ۳۵۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا وتر واجب ہیں ہر مسلمان پر۔

حدیث نمبر ۵۔ عن عبد اللہ بن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وترا (بخاری ج ۱ ص ۱۳۶، مسلم ج ۱ ص ۲۵۷)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اپنی رات کی آخری نماز وتر بناؤ۔

حدیث نمبر ۶۔ عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال بادروا الصبح بالوتر (مسلم ج ۱ ص ۲۵۷)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا صبح ہونے سے پہلے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔

حدیث نمبر ۷۔ عن ابی سعید ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوتروا قبل ان تصبحوا (مسلم ج ۱ ص ۲۵۷)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا وتر صبح ہونے سے پہلے پڑھ لیا کرو۔

حدیث نمبر ۸۔ عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ ومن طمع ان یقوم آخرہ فلیوتر آخر اللیل فان صلوۃ آخر اللیل مشھودۃ وذالک افضل (مسلم ج ۱ ص ۲۵۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے یہ اندیشہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں نہیں اٹھ سکے گا تو اسے چاہیے کہ وہ

شروع رات ہی میں وتر پڑھ لے اور جسے یہ امید ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں اٹھ جائے گا تو اسے چاہیے کہ رات کے آخری حصہ ہی میں وتر پڑھے۔ کیونکہ رات کے آخری حصہ کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے اور یہ افضل ہے۔

حدیث نمبر۹۔ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نام عن وترہ او نسیہ فلیصلہ اذا اصبح او ذکرہ (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۰۲' دار قطنی ج ۲ ص ۲۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے یا پڑھنا بھول جائے اسے چاہیے کہ وہ صبح اٹھ کر یا جب یاد آئے وتر پڑھ لے۔

حدیث نمبر۱۰۔ عن الاشعث بن قیس قال تضیفت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فقام فی بعض اللیل فتناول امراتہ فضربھا ثم نادانی یا اشعث قلت لبیک قال احفظ عنی ثلثا حفظتھن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسئل الرجل فیم یضرب امراتہ ولا تسالہ عمن یعتمد من اخوانہ ولا یعتمد ھم ولا تنم الا علی وتر (مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۷۵)

حضرت اشعث بن قیس" فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر ایک دفعہ مہمان بنا' آپ رات کے کسی حصہ میں اٹھے بیوی کو بلا کر سرزنش کی' پھر مجھے آواز دی کہ اے اشعث' میں نے عرض کیا حاضر ہوں فرمایا میری جانب سے تین باتیں یاد رکھو' یہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (سن کر) یاد کی تھیں (۱) کسی سے یہ نہ پوچھو کہ وہ اپنی بیوی کو کیوں مار رہا ہے (۲) اور کسی سے یہ نہ پوچھو کہ اسے اپنے دوستوں میں سے کس پر اعتماد ہے اور کس پر نہیں (۳) وتر پڑھے بغیر نہ سو۔

حدیث نمبر۱۱۔ عن ابی تمیم الجیشانی ان عمرو بن العاص

خطب الناس یوم جمعة فقال ان ابا بصرة حدثنی ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ان اللّٰہ زادکم صلوة وھی الوتر فصلوھا فیما بین صلوة العشاء الی صلوة الفجر قال ابو تمیم فاخذ بیدی ابوذر فسار فی المسجد الی ابی بصرة فقال لہ انت سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول ما قال عمرو قال ابو بصرة سمعت من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (مسند احمد ج ٦ ص ٧، مستدرک حاکم ج ٣ ص ٥٩٣)

حضرت ابو تمیم جیشانیؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ لوگوں کو خطبہ جمعہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ابوبصرہؓ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک نماز زائد کی ہے جو وتر ہے لہٰذا تم عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر فجر کی نماز تک کے درمیان درمیان اسے پڑھا کرو، ابو تمیمؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوذرؓ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مسجد میں جا کر ابوبصرہؓ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ فرماتے سنا ہے جو عمروؓ نے بیان کیا ہے، حضرت ابو بصرہؓ نے فرمایا جی ہاں یہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے۔

حدیث نمبر ١٢۔ عن عاصم بن ضمرة قال قال علی ان الوتر لیس بحتم کصلوتکم المکتوبة ولکن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اوتر ثم قال یا اھل القران اوتروا فان اللّٰہ وتر یحب الوتر (مستدرک حاکم ج ١ ص ٣٠٠)

حضرت عاصمؒ بن ضمرہ فرماتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا وتر فرض نماز کی طرح تو ضروری نہیں ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھے پھر فرمایا کہ اے قرآن والو وتر پڑھو بے شک اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہیں اور وتر (طاق عدد) کو پسند فرماتے ہیں۔

حدیث نمبر ١٣۔ عن مالک انہ بلغہ ان رجلا سال عبد اللّٰہ بن عمر

عن الوتر اواجب ھو فقال عبد اللّٰہ بن عمر قد اوتر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واوتر المسلمون قال جعل الرجل یردد علیہ و عبد اللّٰہ بن عمر یقول قد اوتر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واوتر المسلمون۔ (موطا امام مالک ص ۱۰۹)

حضرت امام مالکؒ سے مروی ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے وتر کے بارے میں سوال کیا کہ کیا وتر واجب ہیں تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے اور مسلمان بھی پڑھتے رہے' امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ شخص آپ سے بار بار یہی پوچھتا رہا اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہی فرماتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے اور مسلمان بھی پڑھتے رہے۔

حدیث نمبر ۱۴۔ عن ابی ایوب قال الوتر حق او واجب (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۷)۔ حضرت ابوایوب فرماتے ہیں کہ وتر حق ہیں یا واجب ہیں۔

حدیث نمبر ۱۵۔ عن مجاھد قال ھو واجب ولم یکتب (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۷) حضرت مجاہد فرماتے ہیں وتر واجب ہیں فرض نہیں۔

حدیث نمبر ۱۶۔ عن طاؤس الوتر واجب یعاد الیہ اذا نسی (مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۸) حضرت طاؤسؒ سے مروی ہے کہ وتر واجب ہیں اگر بھولے سے رہ جائیں تو قضاء پڑھے جائیں گے۔

حدیث نمبر ۱۷۔ عن حماد قال اوتر وان طلعت الشمس (مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۱۰)

حضرت حمادؒ فرماتے ہیں کہ وتر پڑھو اگرچہ سورج طلوع ہو جائے (یعنی اگر قضاء پڑھنی پڑے تو پڑھو)

حدیث نمبر ۱۸۔ عن وبرۃ قال سالت ابن عمر عن رجل اصبح ولم

یوتر قال ارایت لو نمت عن الفجر حتی تطلع الشمس الیس کنت تصلی کانہ یقول یوتر (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۰)
حضرت وبرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص وتر پڑھے بغیر صبح کر دے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا بتلاؤ اگر تم صبح کی نماز پڑھے بغیر سوتے رہو حتی کہ سورج طلوع ہو جائے تو کیا تم صبح کی نماز نہیں پڑھو گے گویا آپ یہ فرمارہے تھے کہ وہ شخص وتر پڑھے۔

حدیث نمبر ۱۹۔ عن الشعبی وعطاء والحسن وطاؤس ومجاھد قالوا لا تدع الوتر وان طلعت الشمس (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۰)

حضرت امام شعبی، حضرت عطاء، حضرت حسن بصری، حضرت طاؤس، حضرت مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وتر کو نہ چھوڑو اگرچہ سورج طلوع ہو جائے۔

حدیث نمبر ۲۰۔ عن الشعبی قال لا تدع الوتر ولو تنصف النھار (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۰)
حضرت امام شعبی فرماتے ہیں کہ وتر کو نہ چھوڑ اگرچہ نصف النہار ہی کیوں نہ ہو جائے۔

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام خود فرمارہے ہیں کہ وتر واجب ہیں جیسا کہ حضرت ابو ایوب انصاری اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی احادیث سے واضح ہے، دوسرے متعدد احادیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کو وتر پڑھنے کا حکم دیا ہے اور یہ قانون ہے کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے جب تک کہ دوسرے معنی مراد لینے کا کوئی قرینہ نہ ہو، تیسرے آپ نے وتر نہ پڑھنے پر وعید فرمائی ہے "جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں

سے نہیں" یہ بھی وجوب کی علامت ہے، چوتھے آپ نے وتر رہ جانے کی صورت میں قضاء کرنے کا حکم دیا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وتر واجب ہیں کیونکہ قضاء فرض و واجب ہی کی کی جاتی ہے، پانچویں آپ نے وتر کی نماز پر مواظبت و مداومت بلاترک فرمائی ہے۔ اس سے بھی وتر کا وجوب ثابت ہوتا ہے، نیز صحابہ کرام اور تابعین عظام کے فرامین سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وتر واجب ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ واجب ہوجانے کے بعد نوافل والے تمام احکام ختم ہو گئے نہ اس کی رکعتوں کی تعداد اپنی مرضی پر رہی نہ ہی اس کا بیٹھ کر پڑھنا خواہ سواری پر ہی ہو جائز رہا۔

وتر تین رکعات واجب ہیں اور وہ مغرب کی نماز کی طرح ہیں

اب رہا یہ سوال کہ کتنی رکعتیں واجب ہوئیں تو ظاہر ہے کہ یہ زیادتی پانچ نمازوں پر ہوئی اور پانچ نمازوں میں سے چار نمازیں جفت ہیں یعنی دو یا چار رکعت ہیں اور صرف ایک ہی نماز طاق (وتر) ہے اور حضور اکرمؐ نے وتر کو مغرب کی نماز کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جب مغرب کی نماز تین رکعات ہے۔ اس لیے وتر بھی تین رکعات ہی ہوں گے۔

حدیث نمبر ۱۔ عن ابن عمر ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال صلوۃ المغرب وتر النہار فاوتروا صلوۃ اللیل (مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۲۸)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں تم رات کی نماز کو وتر بناؤ۔ علامہ عراقی فرماتے ہیں اس کی سند صحیح ہے (زرقانی شرح موطا ج ۱ ص ۲۳۳)

حدیث نمبر ۲۔ عن عبد اللّٰہ بن مسعود قال قال رسول اللّٰہ صلی

اللّٰہ علیہ وسلم وتر اللیل ثلث کوتر النہار صلوۃ المغرب (دار قطنی ج ۲ ص ۲۸)

حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کے وتر تین ہیں دن کے وتر یعنی نماز مغرب کی طرح۔

حدیث نمبر ۳۔ عن عائشۃ قالت قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الوتر ثلث کثلاث المغرب (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۴۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وتر کی تین رکعتیں ہیں، مغرب کی تین رکعتوں کی طرح۔

نوٹ۔ یہ تینوں روایتیں مرفوع ہیں یعنی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں جن میں صاف تصریح ہے کہ وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح ہے۔

حدیث نمبر ۴۔ عن عبد اللّٰہ بن مسعود قال الوتر ثلث کوتر النہار صلوۃ المغرب (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ وتر کی تین رکعات ہیں دن کے وتر مغرب کی نماز کی طرح۔

حدیث نمبر ۵۔ عن عبد اللّٰہ بن مسعود قال الوتر ثلث کصلوۃ المغرب (موطا امام محمد ص ۱۴۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں مغرب کی نماز کی طرح۔

حدیث نمبر ۶۔ عن عبد الرحمن بن یزید قال قال بن مسعود وتر اللیل کوتر النہار صلوۃ المغرب ثلثا (معجم طبرانی کبیر ج ۹ ص ۲۷۲)

حضرت عبد الرحمن بن یزید ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا کہ رات کے وتر دن کے وتر نماز مغرب کی طرح تین ہیں۔

حدیث نمبر ۷۔ عن عقبۃ بن مسلم قال سالت ابن عمر عن الوتر فقال اتعرف وتر النہار قلت نعم صلوۃ المغرب قال صدقت

واحسنت (طحاوی ج ۱ ص ۱۹۲)

حضرت عقبۃ بن مسلم" فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے وتروں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کیا تم دن کے وتر جانتے ہو میں نے کہا جی ہاں نماز مغرب آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا اور خوب کہا۔

حدیث نمبر ۸۔ عن عطاء قال ابن عباس رضی اللہ عنہما الوتر کصلوۃ المغرب (موطا امام محمد ص ۱۴۲)

حضرت عطاء بن ابی رباح" سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وتر نماز مغرب کی طرح ہیں۔

حدیث نمبر ۹۔ عن الحسن قال کان ابی بن کعب یوتر بثلاث لا یسلم الا فی الثالثۃ مثل المغرب (مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۲۶)

حضرت حسن" فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وتر تین رکعات پڑھا کرتے تھے اور سلام فقط تیسری رکعت میں پھیرتے تھے مغرب کی نماز کی طرح۔

حدیث نمبر ۱۰۔ عن ابی خالدۃ قال سالت ابا العالیۃ عن الوتر فقال علمنا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اوعلمونا ان الوتر مثل صلوۃ المغرب غیر انا نقرا فی الثالثۃ فھذا وتر اللیل وھذا وتر النھار (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۲)

حضرت ابو خالدۃ" فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو العالیۃ رحمۃ اللہ علیہ سے وتر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے تعلیم دی یا فرمایا کہ انہوں نے تعلیم دی ہے کہ وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں سوائے اس کے کہ ہم وتر کی تیسری رکعت میں بھی قرات کرتے ہیں یہ رات کے وتر ہیں اور وہ (مغرب) دن کے وتر ہیں۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جب وتر واجب ہوئے تو اس کی تین

رکعت مقرر ہوگئیں جیسے نماز مغرب کی تین ہی رکعتیں ہیں اور وہ دو التحیات اور ایک سلام سے پڑھی جاتی ہیں اسی پر صحابہ خود عمل کرتے رہے اور یہی طریقہ اپنے شاگردوں کو بتاتے رہے اور اسی پر بلا تردد انکار خیر القرون میں عمل جاری رہا۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ جن احادیث میں وتر کی تعداد مختلف آئی ہے وہ اس دور کی ہیں جب وتر نفل تھے۔

تین رکعات وتر کی مزید روایات

۱ عن ابی سلمة بن عبد الرحمن انه اخبره انه سال عائشة (رضی الله عنها) كيف كانت صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فی رمضان فقالت ماكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد فی رمضان فقالت ماكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزد فی رمضان ولا فی غيره على احدى عشرة ركعة يصلى اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى ثلثا الحدیث (بخاری ج ۱ ص ۱۵۴، مسلم ج ۱ ص ۲۵۴، نسائی ج ۱ ص ۱۹۱)

حضرت ابو سلمۃؒ بن عبد الرحمنؓ بن عوف سے مروی ہے انہوں نے سعیدؒ بن ابی سعید مقبریؒ کو خبر دی کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کیسی ہوتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعتیں پڑھتے کچھ نہ پوچھو کہ وہ کتنی حسین وطویل ہوتی تھیں، پھر چار رکعتیں پڑھتے کچھ نہ پوچھو کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں پھر تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

۲ عن عبد الله بن عباس انه رقد عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فاستيقظ فتسوك وتوضاوهو يقول ان فی خلق السموت

والارض واختلاف الليل والنهار لايات لاولی الالباب فقرا ھؤلاء الایات حتی ختم السورۃ ثم قام فصلی رکعتین فاطال فیھما القیام والرکوع والسجود ثم انصرف فنام حتی نفخ ثم فعل ذالک ثلث مرات ست رکعات کل ذالک یستاک ویتوضا ویقرا ھؤلاء الایات ثم اوتر بثلث الحدیث (مسلم ج ۱ ص ۲۶۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس (اپنی خالہ میمونہ ؓ کے گھر میں) سوئے' آنحضرت ﷺ رات کو بیدار ہوئے مسواک کی وضو کیا اور یہ آیات تلاوت فرمائیں ان فی خلق السموات والارض واختلاف الليل والنهار لايات لاولی الالباب سورت کے ختم تک پھر آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ دونوں رکعتوں میں قیام' رکوع اور سجود کو خوب لمبا کیا پھر آپ فارغ ہو کر سو گئے یہاں تک کہ خراٹے بھرنے لگے' آپ نے یہ عمل تین بار کیا' سو کر اٹھتے مسواک اور وضو کر کے دو رکعت ادا فرماتے اور ہر دفعہ سورہ آل عمران کی آخری آیات تلاوت فرماتے اس طرح چھ رکعات آپ نے ادا فرمائیں پھر تین رکعات وتر پڑھے۔

۳۔ عن ابن عباس (رضی اللہ عنھما) قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل ثمان رکعت ویوتر بثلث ویصلی رکعتین قبل صلوۃ الفجر (نسائی ج ۱ ص ۱۹۲)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو پہلے آٹھ رکعات پڑھتے پھر تین رکعات وتر پڑھتے۔ پھر دو رکعت (سنت) فجر کی نماز سے پہلے پڑھتے۔

۴۔ عن عامر الشعبی قال سالت ابن عباس وابن عمر کیف کان صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فقالا ثلث عشرۃ رکعۃ ثمان ویوتر بثلث ورکعتین بعد الفجر۔ (طحاوی ج ۱ ص ۱۹۲)

حضرت امام شعبی ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی رات کو نماز کیسی ہوتی تھی۔ ان دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ تیرہ رکعت پڑھتے تھے پہلے آٹھ رکعات (تہجد) پھر تین رکعات وتر پھر دو رکعت (سنت) صبح صادق کے بعد۔

۵۔ اخبرنا ابو حنیفة حدثنا ابو جعفر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی ما بین صلوة العشاء الی صلوة الصبح ثلث عشرة رکعة ثمان رکعات تطوعا ثلث رکعات الوتر ورکعتی الفجر (موطا امام محمد ص ۱۴۵)

حضرت امام محمد ؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت امام ابوحنیفہ ؒ نے خبر دی اور وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ابو جعفر ؒ نے حدیث بیان کی' فرمایا رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر صبح کی نماز تک کے درمیان تیرہ رکعات پڑھا کرتے تھے آٹھ رکعات نفل (تہجد) تین رکعات وتر اور دو رکعت فجر کی سنت۔

۶۔ عن عمرة عن عائشة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتر بثلث یقرا فی الرکعة الاولی بسبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیة قل یا ایها الکفرون وفی الثالثة قل هو اللہ احد وقل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس (دار قطنی ج ۲ ص ۳۵' طحاوی ج ۱ ص ۱۹۶' مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۰۵)

حضرت عمرة ؒ حضرت عائشہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے' پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی دوسری میں قل یا ایها الکفرون اور تیسری میں قل هو اللہ احد ○ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے۔

۷۔ عن علی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلث

یقرا فیهن بتسع سور من المفصل یقرا فی کل رکعة بثلث سور آخرهن قل هو اللہ احد (ترمذی ج ا ص ۱۰۶)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر تین رکعات پڑھا کرتے تھے۔ تینوں رکعتوں میں (قصار) مفصل کی نو سورتیں پڑھتے تھے۔ ہر رکعت میں تین سورتیں پڑھتے سب سے آخر سورت قل ہو اللہ احد ہوتی تھی۔

۸۔ عن ابن عباس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرا فی الوتر بسبح اسم ربک الاعلی وقل یا ایها الکفرون وقل هو اللہ احد فی رکعة رکعة (ترمذی ج ا ص ۱۰۶)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر میں سبح اسم ربک الاعلی ○ قل یاایها الکفرون اور قل هو اللہ احد پڑھا کرتے تھے ہر سورت ایک رکعت میں۔

۹۔ عن عبد الرحمن بن ابزی انه صلی مع النبی صلی اللہ علیه وسلم الوتر فقرا فی الاولی بسبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیة قل یاایها الکفرون وفی الثالثة قل هو اللہ احد فلما فرغ قال سبحان الملک القدوس ثلثا یمد صوته بالثالثة (طحاوی ج ا ص ۲۰۱، مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۶، نسائی ج ا ص ۱۹۶)

حضرت عبد الرحمن بن ابزی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ وتر کی نماز پڑھی تو آپ نے پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی دوسری میں قل یاایها الکفرون اور تیسری میں قل هو اللہ احد پڑھی، جب آپ فارغ ہوئے تو آپ نے تین بار یہ کلمات کہے سبحان الملک القدوس اور تیسری مرتبہ آواز بلند کی۔

۱۰۔ عن ابی بن کعب قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یوتر بسبح اسم ربک الاعلی وقل یاایها الکفرون وقل هو اللہ احد

(نسائی ج ۱ ص ۱۹۴' ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۱' ابن ماجہ ص ۸۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۲۳)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبح اسم ربک الاعلی قل یاایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد کے ساتھ وتر کی نماز ادا فرماتے تھے۔

۱۱۔ عن عبدالعزیز بن جریج قال سالت عائشة ام المؤمنین بای شی کان یوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان یقرا فی الاولی بسبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیة بقل یاایھا الکفرون وفی الثالثة بقل ھو اللہ احد۔والمعوذتین (مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۷' ترمذی ج ۱ ص ۱۰۶' ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۱' ابن ماجہ ص ۸۳)

حضرت عبد العزیز بن جریج" فرماتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتروں میں کون سی سورتیں پڑھتے تھے آپ نے فرمایا پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی دوسری میں قل یاایھا الکفرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد ○ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے۔

حضرت عمر فاروق وتر تین رکعات پڑھتے تھے

۱۲۔ عن عمر بن الخطاب انه قال ما احب انی ترکت الوتر بثلث وان لی حمر النعم (موطا امام محمد ص ۱۴۵)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے پسند نہیں کہ میں تین رکعات وتر چھوڑ دوں چاہے مجھے اس کے بدلے سرخ اونٹ کیوں نہ ملیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ وتر تین رکعات پڑھتے تھے

۱۳۔ عن زاذان ان علیا کان یوتر بثلث من آخر اللیل قاعدا (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۵) حضرت زاذان سے مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ وتر تین رکعات پڑھا کرتے تھے رات کے آخری حصہ میں

بیٹھ کر۔

۱۴۔ عن زاذان عن علی انه کان یوتر بانا انزلناه فی لیلة القدر واذا زلزلت الارض وقل ھو الله احد (مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۳۴) حضرت زاذان" حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ وتروں میں ان انزلناہ فی لیلة القدر، اذا زلزلت الارض اور قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تین رکعات وتر کے قائل تھے

۱۵۔ عن علقمة قال اخبرنا عبد اللہ بن مسعود اھون ما یکون الوتر بثلث رکعات (موطا امام محمد ص ۱۴۶) حضرت علقمہ" فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وتر کی کم سے کم تین رکعات ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی تین رکعات وتر پڑھتے تھے

۱۶۔ عن ابی یحی قال سمر المسوربن مخرمة وابن عباس حتی طلعت الحمراء ثم نام ابن عباس فلم یستیقظ الا باصوات اھل الزوراء فقال لاصحابه اترونی ادرک اصلی ثلثا یرید الوتر ورکعتی الفجر وصلوة الصبح قبل ان تطلع الشمس فقالوا نعم فصلی وھذا فی آخر وقت الفجر (طحاوی ج ۱ ص ۱۹۹)

حضرت ابو یحیٰ" فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رات کو باتیں کرنے لگے، یہاں تک سرخ ستارہ (جو صبح صادق سے پہلے نکلا کرتا ہے) نکل آیا، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سو گئے اور پھر اہل زوراء کی آوازوں کی وجہ سے بیدار ہوئے آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کیا خیال ہے کیا مجھے اتنا وقت مل جائے گا۔ کہ میں سورج نکلنے سے پہلے پہلے تین رکعات وتر، دو رکعت سنت

اور فجر کی نماز پڑھ سکوں' انہوں نے کہا جی ہاں' چنانچہ آپ نے (یہ تمام) نماز پڑھی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ سوال فجر کے اخیر وقت میں تھا۔

۱۷۔ عن ابی منصور قال سالت عبد اللّٰہ بن عباس عن الوتر فقال ثلث (طحاوی ج ۱ ص ۱۹۹) حضرت ابو منصورؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے وتروں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا تین (رکعات) ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہما بھی تین رکعات پڑھتے تھے

۱۸۔ عن انس قال الوتر ثلث رکعات وکان یوتر بثلث رکعات (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۲) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ وتر تین رکعات ہیں اور آپ وتر تین رکعات ہی پڑھتے تھے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما بھی وتر تین رکعات پڑھتے تھے

۱۹۔ عن السائب بن یزید ان ابی بن کعب کان یوتر بثلث (مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۲۶) حضرت سائبؓ بن یزید سے مروی ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وتر تین رکعات پڑھتے تھے۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بھی وتر تین رکعات پڑھتے تھے

۲۰۔ عن ابی غالب ان ابا امامة کان یوتر بثلث (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۰' مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۲۹۳) حضرت ابو غالبؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابو امامہ ؓ وتر تین رکعات پڑھتے تھے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بھی وتر تین رکعات پڑھتے تھے

۲۱۔ عن سعید بن جبیر انہ کان یوتر بثلث ویقنت فی الوتر قبل الرکوع (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۲۹۴) حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ وتر تین رکعات پڑھتے تھے اور دعاء قنوت وتر میں رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ بھی تین رکعات وتر کے قائل تھے

۲۲۔ عن علقمة قال الوتر ثلث (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۲۹۴)
حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وتر تین رکعات ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر میں تین سورتیں پڑھا کرتے تھے (جیسا کہ بعض روایات اوپر ذکر کی گئی ہیں) یہ حضرت عائشہؓ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ حضرت نعمان بن بشیرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمران بن حصینؓ حضرت عبد اللہ بن ابی ۔۔ؓ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت ابو امامہؓ چودہ صحابہ نے روایت کیا ہے ادھر عہد فاروقیؓ سے بیس تراویح اور تین وتر پر صحابہ کا اجماع ہو گیا یہی اجماع حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ اور بعد میں بھی قائم رہا۔

لہذا تین رکعت کے علاوہ جتنی رکعات کا ذکر احادیث میں آتا ہے وہ اجماعاً" متروک العمل ہیں۔

رہی وہ روایت جو جونا گڑھی نے نقل کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے جو نماز پڑھی ہے اس کے ساتھ ایک اور رکعت پڑھ لے جس سے ساری نماز وتر (یعنی طاق) بن جائی گی۔ جونا گڑھی نے حدیث کا ترجمہ پورا نہیں کیا۔ حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں توتر لہ ما قد صلی ان الفاظ کا ترجمہ جونا گڑھی نے چھوڑ دیا ہے۔ جس سے ہمارے نظریہ کی تائید ہوتی تھی۔

ان الفاظ کا ترجمہ ہم مشکوۃ مترجم (جو غیر مقلدین ہی کا ترجمہ ہے) سے نقل کرتے ہیں مشکوۃ میں ہے کہ اس کی پڑھی ہوئی نماز کو طاق بنا دے گی۔
(ج ا ص ۲۶۷)

مولانا منظور احمد سیالکوٹی لکھتے ہیں

توتر لہ ما قد صلی وہ اس کی پہلے پڑھی ہوئی نماز کو وتر بنادے گی یعنی دو رکعت کے ساتھ تیسری ملائیں تو تین وتر ہو جائیں گے۔ پس حدیث میں

یہ صراحت نہیں ہے کہ اس ایک رکعت کو دوسری نماز سے جدا کرکے صرف ایک ہی کے طور پر پڑھا جائے گا۔ جبکہ صحاح میں موجود ہے کہ صلاۃ اللیل دو دو رکعت ہے اور جب طلوع فجر کا خوف پیدا ہو جائے تو دو کے ساتھ ایک ملا لی جائے (فضل المعبود شرح ابی داؤد ج ۲ ص ۳۷۴)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں

واستدل بقوله صلی اللہ تعالی علیه وسلم صلی رکعة واحدة علی ان فصل الوتر افضل من وصله وتعجب بانه لیس صریحا فی الفصل فیحتمل ان یرید بقوله صلی رکعة واحدة اے مضافة الی الرکعتین مما مضی (فتح الباری ج ۲ ص ۴۸۱)

پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ جس دور میں نماز میں سلام کلام جائز تھا اس وقت وتروں میں بھی سلام ہوتا تھا دو رکعت الگ اور ایک وتر الگ پڑھتے تھے اس طرح بعض راوی اس کو تین رکعت روایت کرتے بعض ایک رکعت ورنہ شفع کے بغیر صرف ایک رکعت پڑھنا آنحضرت ﷺ سے ہرگز ثابت نہیں چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "وتر کی روایات کی کثرت کے باوجود ہمیں معلوم نہیں کہ کسی روایت میں یہ آتا ہو کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی صرف ایک رکعت وتر پڑھا ہو) تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۱۵)

جوناگڑھی نے ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ کے حوالہ سے ایک اور حدیث کا ذکر بھی کیا ہے۔ وہ حدیث حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی ہے۔

ہم یہاں پر پہلے اس کا مکمل ترجمہ نقل کرتے ہیں پھر اس کا جواب عرض کرتے ہیں۔

حضرت ابوایوب انصاری نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

وتر ہر مسلم پر برحق ہے (اس کے ذمہ لازم ہے) پس جو پانچ وتر پڑھنا چاہے وہ پڑھے اور جو تین پڑھنا چاہے وہ پڑھے اور جو ایک رکعت کے ساتھ وتر بنانا چاہیے وہ ایسا کرے۔

جواب

غیرمقلد اس میں دو باتیں چھپا جاتے ہیں۔

(۱) یہ حدیث در اصل صحابی کا قول ہے چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "امام ابوحاتم ذہلی دار قطنی در علل، بہیقی اور بہت سے حضرات نے اس کو موقوفاً صحیح کہا ہے اور یہی درست ہے (التلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۳) موقوف صحابی کے قول کو کہتے ہیں اور غیر مقلدین کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ "در موقوفات صحابہ حجت نیست" صحابی کا قول حجت اور دلیل نہیں بن سکتا۔

(۲) اس روایت کے آخر میں نسائی ج ۱ ص ۲۴۹ پر بھی ہے جو چاہے ایک وتر پڑھ لے اور جو چاہے اشارہ کرلے۔ یہ جملہ غیر مقلدین ہرگز بیان نہیں کرتے کیونکہ اس سے تو ایک وتر سے بھی چھٹی ملتی ہے اور کیسی آسانی ہے کہ وتروں کے سارے اختلافات کا خاتمہ ہے۔

(۳) اگر بالفرض ہم مان ہی لیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو بھی آخری جملے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ اس دور کا فرمان ہے جب وتر نفل درجہ میں تھے واجب نہیں تھے۔ کیونکہ واجبات سے چھٹی نہیں مل سکتی نوافل سے مل سکتی ہے۔

جوناگڑھی نے مسلم شریف کی حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے کہ وتر ایک رکعت ہے۔

اس روایت کو حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے مرفوعاً بیان کیا ہے جس میں آتا ہے الوتر رکعة من آخر اللیل (مسلم ج ۱ ص ۲۵۷)

جواب

(۱) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ایک رکعت کے الگ پڑھنے میں صریح نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ گزشتہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک ملاکر تین وتر پڑھے (فتح الباری ج ۲ ص ۳۸۵) یا جیسے میں نے کہا کہ دو رکعت کے بعد جب سلام پھیرتے تھے تو کبھی ایک رکعت کو الگ

بیان کردیتے اس کے بعد خود حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ نے یہ حدیث روایت فرمائی کہ وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح ہے اور ظاہر ہے کہ مغرب کے فرض ایک رکعت کوئی بھی نہیں پڑھتا۔ اور آخر میں تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ایک رکعت وتر کے اتنے مخالف ہوگئے تھے کہ ایک رکعت وتر پڑھنے والے کو الحمار (گدھا) فرمایا (طحاوی ج ۱ ص ۱۹۹) افسوس ہے کہ غیر مقلدین حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی ایک روایت جو پہلے دور کی ہے وہ تو پیش کرتے ہیں لیکن آخری دور کی روایات کو چھپا جاتے ہیں۔

(۲) حالانکہ حضور نبی کریمؐ نے ایک رکعت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البتیرا ان یصلی الرجل واحدۃ یوتر بھا (رواہ ابن عبد البر فی التمہید بحوالہ اعلاء السنن ج ۲ ص ۴۰) عن محمد بن کعب القرظی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن البتیرا (زیلعی ج ۱ ص ۳۰۳ وھو مرسل معتضد)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بتیرا سے منع فرمایا ہے یعنی اس سے کہ آدمی ایک رکعت وتر پڑھے۔ محمد بن کعب بھی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بتیرا سے منع فرمایا۔

دور صحابہ و تابعین میں ان ہی احادیث (جن میں تین رکعات کا ذکر ہے) کے موافق عمل جاری تھا ایک وتر کا کوئی رواج نہ تھا اگر شاذ و نادر کوئی ایک رکعت پڑھتا تو اس پر انکار ہوتا اور لوگ تعجب سے اس کو دیکھتے وہ ان کے انکار کے جواب میں کوئی حدیث پیش نہ کرسکتا۔ ہمارا غیر مقلدین سے یہی مطالبہ ہے کہ ہم ایسے واقعات احادیث صحیحہ سے پیش کریں گے کہ ایک وتر پڑھنے والے پر شدید انکار ہوا۔ اور غیر مقلدین یہ ثابت کریں گے جن پر انکار ہوا انہوں نے فلاں صحیح حدیث سے ان کے سامنے ایک وتر پڑھنا ثابت کیا۔

(۱) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا اھون مایکون الوتر ثلاث

رکعات (موطا امام محمد ص ۱۵۰) کم از کم وتر کی رکعتیں تین ہیں۔ یہ ایک رکعت وتر کا صریح انکار ہے۔ اب غیر مقلدین ثابت کریں کہ کسی نے ان کے سامنے حدیث سے ایک وتر کا ثبوت پیش کیا ہو۔

(۲) پھر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے صراحۃ کھل کر فرمایا مااجزات رکعۃ واحدۃ قط (موطا امام محمد ص ۱۵۰) کہ (وتر) کی ایک رکعت کبھی کافی نہیں ہوسکتی اس وقت کوفہ میں سینکڑوں صحابہ اور ہزاروں تابعین موجود تھے کسی نے ایک حدیث بھی ان کے رد میں پیش نہ کی۔

(۳) حضرت سعدؓ نے ایک وتر پڑھا تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ایک رکعت ہرگز جائز نہیں وعاب ذلک علی سعد اور حضرت سعدؓ کے اس فعل کو معیوب قرار دیا (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۳) مگر حضرت سعدؓ ایک بھی حدیث ان کے مقابلہ میں پیش نہ کر سکے (حضرت سعدؓ کا یہ واقعہ پہلے زمانے کا ہے)

(۴) حضرت عبد اللہ بن سلمہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے کوفے میں ایک وتر پڑھا میں ان کے پیچھے چلا اور ان کا بازو پکڑ لیا اور پوچھا یا ابا اسحاق ما ھذہ الرکعۃ یہ رکعت کیا ہے (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۳) اس سے معلوم ہوا کہ شاذ قراتوں کی طرح ایک وتر کو لوگ بڑے اچنبھے کی طرح دیکھتے تھے۔ حضرت سعدؓ عبد اللہ بن سلمہ کے سامنے بھی کوئی حدیث پیش نہ فرما سکے۔

(۱۶) نماز استسقاء کا مسئلہ

جوناگڑھی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن عبد اللہ بن زید قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالناس الی المصلی یستسقی فصلی بھم رکعتین جھر فیھما بالقراۃ واستقبل القبلۃ یدعوا ورفع یدیہ وحول ردائہ حین استقبل القبلۃ (متفق علیہ مشکوۃ ص ۱۳۱ جلد اول باب الاستسقاء)

یعنی نماز استسقاء کے لیے رسول اللہ ﷺ صحابہؓ کو لیکر عید گاہ تشریف لے گئے۔ وہاں بآواز بلند دو رکعت نماز آپ نے پڑھائی۔ قبلے کی طرف متوجہ ہو کر اونچے ہاتھ کرکے دعا مانگی۔ اور قبلہ رخ ہی تھے جو اپنی چادر پلٹائی۔ یہ بخاری مسلم جیسی بہترین صحیح ترین کتابوں کی حدیث ہے اپنے مطلب میں صاف ہے۔ ظاہر ہے کہ استسقاء یعنی بارش کی دعا میں رسول اللہ ﷺ نے نماز باجماعت ادا فرمائی۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا۔ چنانچہ حنفیوں کی بہترین کتاب ہدایہ جلد اول باب الاستسقاء ص ۱۵۶ میں ہے قال ابوحنفیة رضی اللہ عنہ لیس فی الاستسقاء صلوۃ مسنونة فی جماعة استسقاء کے موقع پر نماز باجماعت مسنون نہیں ہے۔ کہو حنفیو! کیا ارادہ ہے؟ فرمان رسول ﷺ لوگے؟ یا قول امام لوگے؟ دونوں آپ کے سامنے ہیں۔ اہلحدیث بنو؟ یا اہل فقہ بنو؟ محمدی بنو یا حنفی تمہیں اختیار ہے۔ اقرار و انکار کی گنجائش ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ امام صاحبؒ کے اس فتوے کے آپ کے دونوں شاگردان رشید نے بھی نہیں مانا۔ یعنی امام محمد اور امام ابویوسف بھی یہاں تقلید امام ابوحنیفہ نہیں کرتے۔

(شمع محمدی ص ۵۴، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۴۰، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۹، اختلاف امت کا المیہ ص ۵۹، احادیث نبویہ اور فقہ حنیفہ ص ۶۱، مقلدین آئمہ کی عدالت میں ص ۲۱۵، سبیل الرسول ص ۲۳۴)

جواب

جونا گڑھی نے نماز استسقاء کے مسئلہ کو حدیث کے خلاف قرار دیا ہے پہلے آپ ہدایہ کی عبارت کا مکمل ترجمہ دیکھیں امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا استسقاء میں نماز باجماعت سنت نہیں ہے اگر لوگ اکیلے اکیلے نماز پڑھیں تو جائز ہے

استسقاء تو صرف دعا اور استسقاء ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا استسقاء کرو اپنے رب سے بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے (اور اس استسقاء کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ خوب برسنے والے بادل بھیجیں گے اور آنحضرت ﷺ نے (اکثر دفعہ) بارش کی دعا مانگی اور (ان اکثر واقعات میں) آپ سے نماز پڑھنا مروی نہیں اور صاحبین کہتے ہیں کہ نماز پڑھائے امام دو رکعت جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے پڑھیں دو رکعت مثل عید کے اس کو ابن عباسؓ نے روایت فرمایا ہم کہتے ہیں آپؐ نے ایک آدھ مرتبہ نماز پڑھی پھر چھوڑ دی پس سنت نہ ہوئی (ہدایہ ج ا ص ۱۷۶) یہ پوری عبارت ہے جو جونا گڑھی نے نقل نہیں کی جونا گڑھی کو مخالفت کے مفہوم کا معنی بھی نہیں آتا۔ امام صاحب اس نماز باجماعت کے سنت ہونے کی نفی کرتے ہیں حدیث کے خلاف جب ہوگا کہ آپ حدیث شریف میں لفظ سنت دکھا دیں جو آپ قیامت تک نہیں دکھا سکتے اگر آپ کے نزدیک نماز باجماعت استسقاء کی مستقل سنت ہے تو فرمائیے۔

امام ابو حنیفہ کا صحیح مسلک

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا صحیح مسلک یہ ہے کہ بارش کی دعا مانگنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس کے ساتھ نماز بھی پڑھی جائے۔ بلکہ صرف دعا بھی کی جاسکتی ہے۔ یعنی امام صاحب نے نماز استسقاء کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کے ضروری ہونے سے انکار کیا ہے اور صرف دعا پر اکتفاء کرنا متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

(۱) قرآن پاک نے بارش مانگنے کا جو طریقہ ذکر فرمایا اس میں استسقاء ہے نماز باجماعت کا ذکر نہیں کیا اس قرآنی طریقہ کو آپ خلاف سنت کہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا

یعنی طلب کرو مغفرت اپنے پروردگار سے وہ بخشنے والا ہے بھیجتا ہے ابر (بادل) تم پر برسنے والا۔

(۲) عبد اللہ بن ابی نمر روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے انس بن مالکؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ ایک شخص جمعہ کے دن اس دروازہ سے مسجد میں داخل ہوا جو منبر کے ساتھ تھا اور رسول اللہ ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے اس نے کھڑے کھڑے رسول اللہ ﷺ کی طرف منہ کیا اور کہا یارسول اللہ لوگوں کا مال تباہ ہوگیا راستے بند ہوگئے اس لیے آپ اللہ سے دعا کریں کہ بارش برسائے۔ انس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا کہ اے میرے اللہ ہمیں سیراب کر، اے میرے اللہ ہمیں سیراب کر، اے میرے اللہ ہمیں سیراب کر، انسؓ نے بیان کیا بخدا اس وقت آسمان پر نہ تو کوئی بادل اور نہ بادل کا کوئی ٹکڑا اور نہ کوئی چیز نظر آتی تھی اور نہ ہمارے اور سلع (پہاڑ) کے درمیان کوئی گھر یا مکان تھا سلع کے پیچھے سے ڈھال کے برابر ایک ابر کا ٹکڑا نمودار ہوا جب وہ آسمان کے بیچ میں آیا تو وہ بدلی پھیل گئی پھر بارش ہونے لگی بخدا پھر ہم لوگوں نے ایک ہفتہ تک آفتاب نہیں دیکھا پھر ایک شخص اسی دروازے سے دوسرے جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے وہ شخص آپ کے طرف منہ کرکے کھڑا ہوا۔ اور کہا کہ یارسول اللہ لوگوں کا مال تباہ ہوگیا اور راستے بند ہوگئے اس لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ بارش بند کردے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر فرمایا اے اللہ ہمارے اردگرد برسا ہم پر نہ برسا اے میرے اللہ پہاڑوں ٹیلوں اور پہاڑوں اور درختوں کے اگنے کی جگہوں پر برسا راوی کا بیان ہے کہ بارش تھم گئی اور ہم دھوپ میں چلتے ہوئے باہر نکلے شریک کا بیان ہے کہ میں نے انسؓ سے پوچھا وہ پہلا ہی آدمی تھا؟ انسؓ نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔ (بخاری ج ا ص ۱۳۸)

(۳) عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں ایک اعرابی حضورؐ کی خدمت میں

حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ میں آپ کی خدمت میں ایک ایسی قوم کی جانب سے آیا ہوں کہ ان کے چرواہوں کو کھانے کے لیے نہیں ملتا حتی کہ ان کے دلوں میں اونٹوں کا خیال تک بھی باقی نہ رہا آپ منبر پر چڑھے اللہ کی حمد و ثنا کی اور کہا اللھم اسقنا غیثا مغیثا فریئا طبقا مریعا غرقا عاجلا غیر رائث پھر منبر سے اتر آئے پھر جو قوم بھی آپ کے پاس آئی اس نے یہی کہا کہ ہم پر خوب بارش ہوئی۔ (ابن ماجہ ص ۹۰)

(۴) حضرت سعد سے روایت ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے قحط سالی کی شکایت کی تو حضور ؐ نے فرمایا کہ اپنے گھٹنوں کے بل جھک جاؤ اور دعا کرو۔ اے رب اے ...... لوگوں نے ایسا ہی کیا اور بارش برسنا شروع ہوگئی۔ (صحیح ابوعوانہ' التلخیص الحبیر ج ۱ ص ۱۴۸)

ان تمام واقعات میں حضور ؐ نے صرف بارش کی دعا مانگی ہے اس کے ساتھ نماز نہیں پڑھی جس کا مطلب یہی ہے کہ صرف دعا مانگ لینا بھی درست ہے۔

(۵) امام شعبی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بارش کی دعا کرنے کے لیے نکلے اور صرف استغفار کرکے پلٹ آئے (مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۸۷' سنن سعید بن منصور بحوالہ عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۴۴)

(۶) ابومروان الاسلمی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے ساتھ استسقاء کے لیے نکلے تو آپ نے استغفار کے علاوہ اور کچھ نہ کیا (ابن ابی شیبہ سعید بن منصور زجاجہ ج ۱ ص ۴۲۲)

اگر یہ طریقہ خلاف سنت ہوتا تو حضرت عمرؓ کیوں ایسا کرتے اور مہاجرین و انصار اور دیگر صحابہ جو ساتھ تھے وہ اس ترک سنت پر کیوں خاموش رہتے ۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اعضائے وضو کا ایک ایک دو دو مرتبہ دھونا آپؐ کے فعل سے ثابت ہے مگر سنت نہیں سنت تین تین مرتبہ دھونا ہے۔

قابل غور:۔ آنحضرت ﷺ نے خصال فطرت بیان فرماتے ہوئے یہ

بھی فرمایا ونتف الابط (بخاری ج ۲ ص ۸۷۵، مسلم ج ۱ ص ۱۲۸) لغت میں نتف کے معنی (موچنے کے ساتھ) بال اکھاڑنے کے آتے ہیں کسی صحیح صریح مرفوع حدیث میں حلق الابط استرے کے ساتھ بالوں کے مونڈنے کا ذکر نہیں لیکن سارے غیر مقلدین اس سنت کی مخالفت پر ڈٹے ہوئے ہیں اور استرے سے بغل کے بال منڈواتے ہیں آپ نے اس مردہ سنت کو زندہ کرنے کے لیے کوئی مہم نہیں چلائی اور اپنے سارے فرقے پر مخالفت حدیث کا الزام ابھی تک نہیں لگایا کیا آپ کے نزدیک عمل بالحدیث فقہاء کو گالیاں دینے کا ہی نام ہے۔

(۱۷) نصاب زکوۃ کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ابی سعیدن الخدری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس فی حب ولا تمر صدقة حتی یبلغ خمسة اوسق (رواہ النسائی مشکوۃ کتاب الزکوۃ ص ۱۵۹ جلد اول باب ما یجب فیہ الزکوۃ)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو دانے اور جو کھجوریں پانچ وسق سے کم ہوں ان میں زکوۃ نہیں۔ دار قطنی میں بھی حدیث ہے کہ پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہیں بخاری مسلم میں بھی فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ

لیس فی مادون خمسة اوسق صدقة

یعنی پانچ وسق سے کم کھجوروں میں زکوۃ نہیں۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان حدیثوں کو حنفی مذہب نہیں مانتا۔ وہ کہتا ہے قال ابوحنیفة فی قلیل مااخرجتہ الارض وکثیرہ العشر سواء سقی سیحا او سقتہ السماء الا القصب والحطب والحشیش

یعنی امام ابو حنیفہؒ کا فرمان ہے کہ زمین سے جو بھی پیداوار ہو خواہ کم ہو

خواہ زیادہ دسواں حصہ زکوۃ کا دینا پڑے گا سوائے بانس اور لکڑی اور گھاس کے۔ حنفی بھائیو! حدیث آپ کے سامنے ہے کہ جو پانچ وسق سے کم اناج اور کھجور وغیرہ ہو اس میں زکوۃ نہیں۔ اور حنفی مذہب بھی آپ کے سامنے ہے کہ اس میں بھی زکوۃ ہے۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ اسے مانیں یا اسے مانیں؟ اس پر ایمان رکھیں یا اس پر اس سے انکار کریں یا اس سے؟

(شمع محمدی ص ۵۵، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۶۰ و ص ۱۳۳، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۵۵)

جواب امام ابوحنیفہؒ کا استدلال ان آیات و احادیث کے عموم سے ہے جن میں زمین سے اگنے والی اشیاء کی زکوۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے اور ان میں قلیل یا کثیر مقدار کا کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ مثلاً"

(۱) یایھا الذین امنوا انفقوا من طیبت ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض (بقرہ ۲۶۷)

اے ایمان والو (نیک کام میں) خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا ہے۔

(۲) واتوا حقه یوم حصاده

اور اس میں جو حق (شرح سے) واجب ہے وہ اس کے کاٹنے (اور توڑنے) کے دن مسکینوں کو دیا کرو۔ (انعام ۱۴۱)

(۳) عن سالم بن عبد الله عن ابیه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر (بخاری ج ۱ ص ۲۰۱، ابن ماجہ ص ۱۳۰، نسائی مترجم ج ۲ ص ۱۰۵، ترمذی ج ۱ ص ۸۱، ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲۵)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو زمین بارش یا چشموں سے سیراب ہو یا دریائی پانی سے سیراب ہو اس پر عشر (1/10) ہے اور جس زمین کو کنوئیں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب

کیا جائے اس پر نصف عشر ہے (یعنی 1/20)

(۴) جابر بن عبد اللہ یذکر انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت الانہار والغیم العشور وفیما سقی بالسانیۃ نصف العشر (مسلم شریف ج ۱ ص ۳۱۶ نسائی ج ۲ ص ۱۰۵)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس زمین کو دریا یا بارش سیراب کرے اس پر عشر (یعنی دس فیصد زکوۃ) اور جس زمین کو کنوئیں کے پانی سے اونٹوں کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس پر نصف عشر (یعنی پانچ فیصد بیسواں حصہ) ہے۔

(۵) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما سقت السماء والعیون العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر (ابن ماجہ ص ۱۳۰، ترمذی ج ۱ ص ۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس زمین کو بارش یا چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو اونٹوں کے ذریعہ کنوئیں سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(۶) عن معاذ بن جبل قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الیمن وامرنی ان اخذ مما سقت السماء وما سقی بعلی العشر وما سقی بالدوانی نصف العشر (ابن ماجہ ص ۱۳۰، نسائی مترجم ج ۲ ص ۱۰۵)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن بھیجا اور حکم دیا جو چیز بارش سے سیراب ہو یا بعلی (یعنی خود بخود) ہو اس میں عشر ہے اور جو ڈولوں سے سیراب ہو اس میں نصف عشر ہے۔

(۷) عن سلیمان بن یسار وعن بسر بن سعید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت السماء والعیون والبعل العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر (موطا امام مالک مترجم ص ۲۶۹)

سلیمان بن یسار اور بسر بن سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بارش اور چشموں اور تالابوں سے سیراب کی جانی والی زمین کی پیداوار میں عشر (دسواں حصہ) ہے اور جو زمین پانی سینچ کر سیراب کی جائے اس میں نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ ہے)

(۸) عن قتادة قال معمر وقراته فی کتاب عن النبی صلی اللہ علیه وسلم عند کل رجل کتبه لهم فیما سقی بالنضح والارشیة نصف العشر قال معمر ولا اعلم فیه اختلافا وفیما کان بعلا" وفیما کان بالکظائم وفیما کان بخلا العشر قال معمر ولم اسمع فیه اختلافا۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ معمر نے کہا میں نے تمام (معتبر) لوگوں کے پاس نبی ﷺ کا لکھا ہوا فرمان دیکھا کہ جس زمین کو رسیوں اور ڈولوں کے ذریعہ کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے معمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور جس زمین کو بارش یا دریائی پانی سے سیراب کیا جائے اس میں عشر ہے معمر کہتے ہیں کہ میرے علم میں اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (مصنف عبد الرزاق جلد ۴ ص ۱۳۳، سنن الکبری ج ۴ ص ۱۳۰)

قرآن مجید کی دو آیات اور چھ احادیث سے امام ابوحنیفہ کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ آیات اور احادیث میں قلیل اور کثیر کا فرق کیے بغیر مطلقاً زمین سے حاصل شدہ پیداوار پر عشر یا نصف عشر کا حکم عائد فرمایا گیا ہے۔ اور یہ احادیث عموم قرآن کے مطابق بھی ہیں۔

پہلے جو دلائل نقل کیے گئے ہیں ان میں مطلقاً حکم موجود ہے اب ہم ایسی روایت بھی نقل کرتے ہیں جس میں قلیل وکثیر کی وضاحت موجود ہے۔

(۹) بارانی زمین میں دس فیصد زکوۃ ہے جبکہ حوضوں اور ڈولوں کے ذریعہ سے سیراب کی جانی والی زمین میں پانچ فیصد زکوۃ ہے۔ مقدار تھوڑی ہو یا

زیادہ۔ (نصب الرایہ جلد ۲ ص ۳۸۵)

اس حدیث میں صاف صراحت موجود ہے کہ پیداوار کی مقدار تھوڑی ہو یا زیادہ زکوۃ لازمی ہے۔

صحابہ کرام، تابعین اور دیگر فقہائے اسلام سے امام ابوحنیفہ کے نظریہ کی تائید

(۱۰) عن ابن عمر عن عمر بن الخطاب قال ماسقت الانهار والسماء والعيون فالعشر وماسقى بالرشاء فنصف العشر (مصنف عبد الرزاق جلد ۴ ص ۱۳۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ نے فرمایا جس زمین کو دریائی پانی بارش اور چشمے سیراب کریں اس میں عشر ہے اور جس کو رسیوں کے ذریعہ کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(۱۱) عن عاصم بن ضمرة عن على قال ماسقى فتحا او سقة السماء ففيه العشر وماسقى بالعرب فنصف العشر (مصنف عبد الرزاق جلد ۴ ص ۱۳۳)

عاصم بن ضمرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی ؓ نے فرمایا جس زمین کو بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے اور جس زمین کو ڈول کے ذریعہ کنوئیں سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

(۱۲) عن مجاهد قال فيما اخرجت الارض فيما قل منه اوكثر العشر او نصف العشر (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ ص ۱۳۹)

مجاہد بیان کرتے ہیں زمین جس چیز کو بھی نکالے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر اس میں عشر یا نصف عشر ہے۔

(۱۳) عن حماد قال فى كل شى اخرجت الارض العشر او نصف العشر (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۳۹)

حماد کہتے ہیں ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے اس میں عشر ہے یا نصف عشر ہے۔

(۱۴) عن ابراہیم قال فی کل شی اخرجت الارض زکوٰۃ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۱۳۹)

ابراہیم کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کو زمین نکالے اس میں زکوۃ ہے۔

(۱۵)۔ (۱۶) (۱۷) ۔ (۱۸) یہ جملہ دلائل اپنے عموم کے ساتھ اس پر دال ہیں کہ جو چیز بھی زمین سے پیدا ہو اس میں عشر ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ شافعی، فتح الباری ج ۲ ص ۳۵۰ میں اور قاضی شوکانیؒ غیر مقلد نیل الاوطار ج ۴ ص ۱۵۱ میں علامہ بدر الدین عینی حنفی بنایہ ج ص ۱۳۳۵ مطبوعہ نو لکشور میں لکھتے ہیں۔

قال ابن العربیؒ اقوی المذاہب واحوطھا للمساکین قول ابی حنیفۃ وھو التمسک بالعموم

علامہ ابوبکر ابن العربی نے کہا ہے کہ قوی تر مذہبوں کا اس مسئلہ میں مذہب امام ابوحنیفہؒ کا ہے باعتبار دلیل اور احتیاط کے۔

علامہ ابن العربی کے حوالہ سے جس بات کا ذکر کیا گیا ہے وہ علامہ ابن العربی کی مشہور کتاب عارضۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۵ پر موجود ہے۔

(۱۹) نواب صدیق حسن خان غیر مقلد دلیل الطالب ص ۴۲۶ میں لکھتے ہیں کہ قرآن و حدیث کی عمومی دلیلیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ جو چیز زمین سے پیدا ہو اس میں عشر ہے۔ مثلا خذ من اموالھم صدقۃ وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما سقت السماء الحدیث وایں حدیث در صحیح است وراجع لہ التحفۃ (جلد ۲ ص ۱۲)

رہی وہ روایت جو جوناگڑھی نے نقل کی ہے تو اس کے کئی جواب ہیں۔

جواب نمبر۱۔

صاحب ہدایہ ج ۱ ص ۱۸۱ میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں صدقہ سے مراد زکوۃ ہے عشر مراد نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ کا یہ کہنا بجا ہے اور اس کے دو قرینے ہیں۔

قرینہ اولی

ترمذی کی روایت میں یہ لفظ ہیں۔

لیس فیما دون خمسة ذود صدقة ولیس فیما دون خمسة وسق صدقة نہیں ہے پانچ اونٹوں سے کم میں زکوۃ اور نہیں ہے پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوۃ اور نہیں ہے پانچ گنے یا ٹوکرے سے کم میں زکوۃ یعنی غلے یام میں۔

نسائی میں یہ روایت مکمل اس طرح ہے۔

ولا فیما دون خمس ذود ولا فیما دون خمس اواق صدقة

اور پانچ اونٹوں سے کم میں زکوۃ نہیں اور پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوۃ نہیں۔

جوناگڑھی نے مشکوۃ سے حدیث نقل کی ہے جبکہ نسائی میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں جو جوناگڑھی نے نقل نہیں کیے تو یہاں پر زکوۃ کا ذکر ہے اس لیے فیما دون خمسة اوسق میں بھی زکوۃ ہی مراد ہے۔

قرینہ ثانیہ

پانچ وسق اس زمانہ میں پانچ اوقیوں کی قیمت میں برابر تھے یعنی دو سو درہم ان کی مالیت تھی اس سے عشر کا انتفاء نہیں ہوتا۔

جواب نمبر۲

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پانچ وسق سے کم مقدار کی زکوۃ حکومت وصول نہیں کرے گی بلکہ اس کا مالک خود اپنے طور پر اس کی زکوۃ ادا کرے گا۔

جواب نمبر ۳۔

اس حدیث میں کھجور سے مراد وہ کھجوریں ہیں جو تجارت کے لیے ہوں کیونکہ اس وقت عام طور پر کھجوروں کی خرید و فروخت وسق کے حساب سے ہوتی تھی اور ایک وسق کھجور کی قیمت چالیس درہم ہوتی اس حساب سے پانچ وسق کی قیمت دو سو درہم ہوئے جو مال تجارت میں زکوۃ کے لیے متعین نصاب ہے۔

مسئلہ (۱۸) جلد خراب ہوجانے والی ترکاریوں کی زکوۃ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن معاذ انه کتب الی النبی صلی اللہ علیه وسلم یساله عن الخضروات وهی البقول قال لیس فیها شی (ترمذی)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سبز ہری ترکاریوں میں زکوۃ نہیں ہے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حنفی مذہب اسے بھی نہیں مانتا چنانچہ اوپر اس سے پہلے نمبر ۱۷ میں ہدایہ کی عبارت گزری ہے۔ جس میں موجود ہے کہ زمین سے جو پیداوار ہوتی ہے اس میں زکوۃ واجب ہے حنفی بھائیو آپ کو اختیار ہے سبز اور ہری ترکاریوں میں زکوۃ نہ مان کر رسول خدا ﷺ کو سچا سمجھیں۔ یا ان میں بھی زکوۃ مان کر کسی اور کو سچا سمجھیں خواہ حدیث کو مانئے خواہ اپنی فقہ کو؟

(شمع محمدی ص ۵۶)

جواب

خضروات جمع خضراء کی ہے (دیکھئے تحفتہ الاحوذی شرح جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۲) خضروات کے معنی ساگ پات کی جملہ اقسام ہیں۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جو چیز زمین سے پیدا ہوتی ہے بجز ان اشیاء کے

(۱) الحطب ایندھن
(۲) القصب قلم بنانے کا کانا (نرکل)
(۳) الحشیش گاس۔

باقی سب میں عشر ہے بارانی میں دسواں اور چاہی وغیرہ میں بیسواں حصہ امام شوکانی نیل الاوطار ج ۴ ص ۱۵۰ میں لکھتے ہیں کہ ابن عباسؓ زید بن علیؒ اور نخعیؒ وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

مولانا محمد حنیف گنگوہی امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں امام صاحب کے یہاں نرکل' ایندھن کی لکڑی اور گاس کا استثنا ہے کہ ان چیزوں میں کچھ نہیں کیونکہ ان چیزوں سے زمین کی پیدا وار مقصود نہیں ہوتی بلکہ یہ چیزیں زمین کو خراب کرتی ہیں اسی طرح جو چیزیں زمین کے تابع ہیں ان میں بھی عشر نہیں ہے خلاصہ (غایۃ السعایہ فی حل ما فی الهدایہ ج ۵ ص ۱۳۱)

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل مسئلہ نمبر ۱۷ میں اوپر گزر چکے ہیں۔ وہاں پر ہی ملاحظہ فرمائیں رہی وہ روایت جو جوناگڑھی نے نقل کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خود امام ترمذی ج ۱ ص ۱۸ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

اسناد هذا الحديث ليس بصحيح وليس يصح فى هذا الباب عن النبى صلى الله عليه وسلم شى

اسناد اس حدیث کی صحیح نہیں اور اس باب میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ صحیح ثابت نہیں۔

(۱۹) سورج گہن کی نماز کا مسئلہ
یعنی صلوۃ کسوف میں دو رکوع کرنا

عن عائشة قالت ان الشمس خسفت على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فبعث مناديا الصلوة جامعة فتقدم فصلى اربع ركعات فى ركعتين واربع سجدات الخ (متفق علیہ مشکوۃ جلد اول ص ۱۲۹

باب صلوۃ الخسوف)

یعنی رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں سورج گہن کے موقع پر آپ نے منادی کے ذریعے اعلان کرایا کہ نماز کے لیے جمع ہو جاؤ۔ پھر آپ نے آگے بڑھ کر دو رکعتیں پڑھائیں۔ ہر رکعت میں دو دو رکوع کیے اور چار سجدے کیے۔ یہ حدیث صاف ہے کہ گہن کی نماز کی ہر رکعت میں دو رکوع ہیں۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس سچی اور صحیح اور صریح حدیث کو نہیں مانتا۔ چنانچہ حنفیوں کی معتبر کتاب ہدایہ باب صلوۃ الکسوف ص ۱۵۵ میں ہے اذا انکسفت الشمس صلے الامام بالناس رکعتین کھیئاۃ النافلۃ فی کل رکعۃ رکوع واحد یعنی سورج گہن کی نماز امام دو رکعت پڑھائے جیسے اور نفل نماز کی ہیئت ہے۔ ہر رکعت میں ایک رکوع کرے۔ حنفی بھائیو! یہ ہے بخاری مسلم کی حدیث رسول ؐ اور یہ ہے ہدایہ کی فقہ کا مسئلہ۔ فرمائیے آپ کسے مقبول کریں گے اور کسے مردود؟

(شمع محمدی ص ۵۶، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۴۴، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۹ و ص ۱۳۷)

جواب

آنحضرت ﷺ سے صلوۃ کسوف میں کیے گئے رکوعوں کی تعداد کے متعلق مختلف روایات کتب حدیث میں منقول ہیں۔ مثلاً"

(۱) پانچ رکوع کرنے کی روایت

عن ابی بن کعب قال انکسفت الشمس علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی بھم فقرا سورۃ من الطول ورکع خمس رکعات وسجد سجدتین ثم قام الثانیۃ

فقراء سورة من الطول وركع خمس ركعات وسجد سجدتين ثم جلس كما هو مستقبل القبلة يدعو حتى انجلى كسوفها (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۶۷)

حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سورج گرہن ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے اصحاب کو نماز پڑھائی اور لمبی سورتوں میں سے ایک سورت پڑھی اور پانچ رکوع کیے اور دو سجدے کیے۔ پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہوئے تو لمبی سورتوں میں سے ایک پڑھی اور پانچ رکوع کیے اور دو سجدے کیے پھر اسی طرح قبلہ رخ بیٹھ گئے اور دعاء کرتے رہے حتی کہ سورج گرہن جاتا رہا۔

اس حدیث میں ہر رکعت کے اندر پانچ رکوع کا ذکر ہے۔

چار رکوع کرنے کی روایت

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین کسفت الشمس ثمان رکعات فی اربع سجدات وعن علی مثل ذلک (مسلم ج ۱ ص ۲۹۹، نسائی ج ۱ ص ۲۱۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب سورج گہن لگا تو رسول اللہ ﷺ نے آٹھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ نماز پڑھی اور حضرت علی سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔

تین رکوع کرنے کی روایت

عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی ست رکعات فی اربع سجدات قلت لمعاذ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا شک ولا مرية (نسائی ج ۱ ص ۲۱۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چھ رکوع کیے چار سجدے کیے پھر میں نے معاذؓ کو کہا کہ یہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے آپ نے (یعنی حضرت معاذ نے) ارشاد فرمایا اس میں کوئی شک

اور شبہ نہیں۔

دو رکوع کرنے کی روایت

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت ان الشمس خسفت علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فبعث منادیا الصلوة جامعة فاجتمعوا وتقدم فکبر وصلی اربع رکعات فی رکعتین واربع سجدات (مسلم ج ا ص ۲۹۶۔۲۹۷)

حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ عہد رسالت میں سورج کو گہن لگ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک منادی کو بھیجا کہ نماز تیار ہے۔ سب مسلمان جمع ہوگئے آپ نے آگے بڑھ کر تکبیر کہی اور دو رکعتوں میں چار رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ نماز پڑھائی۔

نوٹ۔ یہ روایت جوناگڑھی نے نقل کی ہے۔

ایک رکعت میں ایک رکوع کرنے کی روایات

یعنی امام ابوحنیفہؒ کے نظریہ کی تائید کرنی والی روایات

(ا) عن عبد اللہ بن عمر وقال انکسفت الشمس علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقام رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لم یکد یرکع ثم رکع فلم یکد یرفع ثم رفع فلم یکد یسجد ثم سجد فلم یکد یرفع ثم رفع فلم یکد یسجد ثم سجد فلم یکد یرفع ثم رفع وفعل فی الرکعة الاخری مثل ذلک (الحدیث)

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے (صلوۃ کسوف) کا قیام اس قدر طویل کیا کہ لگتا تھا کہ آپ رکوع نہیں کریں گے پھر آپ نے رکوع کیا تو لگتا تھا کہ رکوع سے سر نہیں اٹھائیں گے پھر قومہ کیا تو لگتا تھا کہ سجدے میں نہیں جائیں گے پھر سجدہ کیا تو لگتا تھا کہ سجدے سے سر نہیں اٹھائیں گے پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور دوسری رکعت بھی پہلی رکعت کی طرح

پڑھی۔ (ابوداؤد ج ا ص ۱۶۹' شمائل ترمذی ص ۲۳' موارد الظمان ص ۱۵۷)

اس حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کے موقف کی واضح تصریح موجود ہے کہ صلوۃ کسوف میں ایک قیام ایک قراۃ اور ایک رکوع ہے۔

(۲) حدثنی ثعلبة بن عباد العبدی من اهل البصرة انه شهد خطبة یوم لسمرة بن جندب قال قال سمرة بینما انا وغلام من الانصار نرمی غرضین لنا حتی اذا کانت الشمس قیدر فحین او ثلثة فی عین الناظر من الافق اسودت حتی اضیت کانها تنومة فقال احدنا لصاحبه انطلق بنا الی المسجد فوا اللّٰه لیحدثن شان هذه الشمس لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی امته حدثا قال فدفعنا فاذا هو بارز فاستقدم فصلی فقام بنا کاطول ماقام بنا فی صلوة قط لا نسمع له صوتا قال ثم رکع بنا کاطول ما رکع بنا فی صلوة قط لا نسمع له صوتا قال ثم سجد بنا کاطول ما سجد بنا فی صلوة قط لا نسمع له صوتا ثم فعل فی الرکعة الاخری مثل ذلک ۔الحدیث (سنن ابوداؤد جلد ا ص ۱۶۸' نسائی ج ا ص ۱۵۳' مسند احمد جلد ۲ ص ۱۹۸۔ جلد ۵ ص ۱۶' مستدرک حاکم جلد ا ص ۳۳۰)

حضرت ثعلبہؓ بن عباد عبدی جو بصرہ کے رہنے والے تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ سمرہ بن جندبؓ نے ایک دن خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ ایک دن میں اور انصار کا ایک لڑکا اپنے دو نشانوں پر تیر پھینک رہے تھے یہاں تک کہ جب دیکھنے والے کے لیے سورج افق سے دو یا تین نیزے پر بلند ہوا تو وہ سیاہ ہوگیا یہاں تک کہ گویا وہ تنومہ کی بوٹی بن گیا ہم میں سے ایک نے دوسرے کو کہا کہ چلو مسجد میں چلیں کیونکہ واللہ اس سورج کا رسول اللہ ﷺ کی امت کے لیے کوئی نیا معاملہ ہوگا۔ سمرہؓ نے کہا کہ ہم بھاگے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تھے پس آپؐ آگے بڑھے اور نماز پڑھائی اور اتنا لمبا قیام فرمایا کہ اس کے علاوہ کسی اور نماز کے لیے مشکل ہی ایسا قیام فرمایا ہوگا۔ ہم آپ

کی آواز نہ سنتے تھے۔ پھر رکوع فرمایا تو اتنا لمبا کہ کسی نماز میں بمشکل ہی اتنا طویل رکوع کیا ہوگا ہم آپ کی آواز نہ سنتے تھے۔ سمرہؓ نے کہا کہ پھر آپ نے بہت لمبا سجدہ کیا جو کسی نماز کے طویل ترین سجدہ میں ہی کیا گیا ہوگا۔ ہم آپ کی آواز نہ سنتے تھے۔ پھر دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کیا۔

اس حدیث میں ایک رکعت میں ایک رکوع کا ذکر واضح طور پر موجود ہے۔

(۳) عن النعمان بن بشیر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا خسفت الشمس والقمر فصلوا کاحدث صلوۃ صلیتموھا من المکتوبۃ (امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ)' مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۱ مطبوعہ کتب الاسلامی بیروت' الطبقہ الاولی ۱۳۲۶ھ)

حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب سورج اور چاند کو گہن لگ جائے تو قریب کی پڑھی ہوئی فرض نماز کی مثل نماز پڑھو۔

(۴) عن ابی بکرۃ قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانکسفت الشمس فقام الی المسجد یجر ردائہ من العجلۃ فقام الیہ الناس فصلی رکعتین کما تصلون ۔ الحدیث۔ (سنن نسائی ج ۱ ص ۵۴ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابوبکرہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک سورج کو گہن لگا آپ جلدی سے چادر گھسیٹتے ہوئے اٹھے لوگ بھی کھڑے ہوگئے پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی جس طرح تم (عام) نماز پڑھتے ہو۔

(۵) عن عبد الرحمن بن سمرۃ قال کنت ارمی باسھم لی بالمدینۃ فی حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کسفت الشمس فنبذتھا ۔ وقلت واللہ لا نظرن الی ما حدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم فی کسوف الشمس قال فاتیته وهو قائم فی الصلوة رافع یدیه فجعل یسبح ویحمد ویهلل ویکبر ویدعو حتی حسر عنها فلما حسر عنها قرا سورتین وصلی رکعتین صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۹۹

حضرت عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی حیات مقدسہ میں مدینہ منورہ میں تیر اندازی کر رہا تھا۔ اچانک سورج کو گہن لگ گیا میں نے سوچا کہ دیکھتا ہوں کہ سورج کو گہن پر رسول اللہ ﷺ کیا نیا کام کرتے ہیں۔ میں تیر پھینک کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس وقت میں آیا تو آپ نماز میں کھڑے ہوئے تھے آپ نے رفع یدین کیا تسبیح اور حمد پڑھی لا الہ الا اللہ پڑھا' تکبیری پڑھی اور دعا مانگی حتی کہ سورج صاف ہوگیا۔ حضرت عبد الرحمن بن سمرہ نے کہا آپ نے سورج صاف ہونے پر دو رکعت میں دو سورتیں پڑھی تھیں۔

اس حدیث میں بھی امام ابوحنیفہ کے موقف پر واضح دلالت ہے کیونکہ کسوف کی نماز میں حضرت عبد الرحمن بن سمرہ نے دو رکعت نماز کا ذکر کیا ہے جو ان دو رکعات پر محمول ہوں گی جو نماز کی متعارف دو رکعات میں علامہ نووی کا اس حدیث کے اندر ایک رکعت میں دو رکوع کی قید لگانا بے سود اور باطل ہے۔

(٦) عن قبیصة الهلالی قال کسفت الشمس علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فخرج فزعا یجر ثوبه وانا معه یومئذ بالمدینة فصلی رکعتین فاطال فیهما القیام ثم انصرف وانجلت فقال انما هذه الایات یخوف الله عزوجل بها فاذا رایتموها فصلوا کاحدث صلوة صلیتموها من المکتوبة سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۶۸

حضرت قبیصہ ہلالی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سورج کو گہن لگ گیا رسول اللہ ﷺ گھبرا کر کپڑا گھسیٹتے ہوئے نکلے میں اس وقت مدینہ میں تھا آپ نے دو رکعت نماز پڑھی جن میں لمبا قیام کیا پھر آپ

نماز سے فارغ ہوئے اور سورج صاف ہوگیا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان نشانیوں کے ساتھ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے جب تم ان نشانیوں کو دیکھو تو قریب کی پڑھی ہوئی فرض نماز کی طرح نماز پڑھو۔

حضرت نعمان بن بشیر کی روایت کی طرح اس روایت میں بھی رسول اللہ ﷺ نے صلوۃ کسوف کو فرائض کی طرح پڑھنے کا حکم دیا ہے اور فرائض میں ہر رکعت کے اندر ایک قیام ایک قرات اور ایک رکوع ہوتا ہے۔ اور یہ تمام احادیث امام اعظم کے موقف پر واضح دلیل ہیں کہ صلوۃ کسوف میں ایک رکعت کے اندر دو رکوع نہیں ہوتے۔

(۸) امام ابو حنیفہؒ کی عقلی دلیل

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ صلوۃ کسوف نفل ہے اور جس طرح اور نوافل ایک قیام ایک قراۃ اور ایک رکوع کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں اسی طرح صلوۃ کسوف بھی ایک قیام' ایک قراۃ اور ایک رکوع کے ساتھ اصل کے مطابق پڑھی جائے گی۔

احناف نے ان تمام روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ در حقیقت نماز کا اصلی طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک رکوع کیا جائے (جیسا کہ ایک رکوع کرنے کی روایات اوپر نقل کی گئی ہیں) اور ایک سے زائد جو رکوع روایات میں آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں تو وہ صلوۃ کسوف کے جزو کی حیثیت سے نہیں بلکہ محض اظہار عاجزی کے لیے کیے گئے تھے اور ان کا طریقہ بھی عام نمازوں کے رکوع سے کچھ مختلف تھا۔

چنانچہ علامہ کاسانی بدائع الصنائع جلد ۱ ص ۲۸۱ میں لکھتے ہیں۔

آپؐ نے صلوۃ کسوف میں دو رکوع اس لیے نہیں کیے کہ اس میں دو رکوع ہیں بلکہ آپؐ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی یہی وجہ ہے کہ کبھی آگے بڑھتے اور کوئی چیز پکڑنا چاہتے' کبھی پیچھے ہٹتے یہ ساری کاروائی اسی کیفیت کا نتیجہ تھی۔

چنانچہ جن صحابہ نے نماز کسوف کے اصل طریقہ کو بیان کرنا چاہا انہوں نے ایک رکوع کی روایت کردی اور جن صحابہؓ نے آپ کی نماز کی تفصیلی ہیئت بیان کرنا چاہی انہوں نے اپنے اپنے علم کے مطابق دو۔ تین۔ چار۔ پانچ رکوعوں کی روایت کردی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نماز کسوف پڑھنے کے فورا بعد آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں فرمایا کہ

جب تم سورج گرہن یا چاند گرہن دیکھو تو نماز پڑھو جیسی قریب ترین فرض نماز (فجر) تم نے پڑھی ہے۔ (نسائی جلد ۱ ص ۲۱۹' ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۶۸)

حضرت نعمان بن بشیرؓ اور حضرت قبیصہ ہلالیؓ کی دو روایات میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت عثمان ؓ اور پھر حضرت عبد اللہ بن زبیر ؓ کے زمانہ میں سورج کو گرہن لگا تو ان دونوں نے صلوۃ کسوف ایک ہی رکوع کے ساتھ ادا کی (حضرت عثمانؓ کی روایت مسند احمد' مسند ابو یعلی موصلی' مسند بزار' طبرانی کبیر کے حوالہ سے علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۰۶ میں نقل کی ہے۔

اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی روایت امام طحاوی نے جلد ۱ ص ۱۶۳ میں نقل کی ہے۔

ان دونوں روایات سے بھی امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب کی بھی تائید ہوتی ہے۔ رہی وہ روایت جو جوناگڑھی نے نقل کی ہے اس کے جواب کی اب الگ ضرورت تو نہیں تھی کیونکہ ہم نے جو اوپر تطبیق ذکر کی ہے اس سے اس کا جواب ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود ہم یہاں پر اس کا جواب نقل کرتے ہیں۔

علمائے احناف کی طرف سے اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں ہم صرف یہاں پر دو نقل کرتے ہیں۔

جواب نمبر۱۔ حافظ ابن الہمامؒ نے فتح القدیر ج ۱ ص ۴۳۵ میں اور مولانا سہارنپوریؒ نے بذل المجہود ج ۲ ص ۲۲۱ میں اور اسی طرح دیگر فقہاء نے

فرمایا ہے کہ صلوۃ کسوف میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے دیر تک قیام کیا پھر دیر تک رکوع کیا۔ کچھ لوگوں نے رکوع سے سر اٹھا کر دیکھا کہ کہیں آپ سجدہ میں نہ چلے گئے ہوں حالانکہ آپ سجدہ میں نہ گئے تھے وہ دوبارہ رکوع میں چلے گئے۔ پچھلی صفوں والوں نے خیال کیا کہ شاید دو دو رکوع ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ دو رکوع والی روایات یا تو عورتوں سے ہیں یا صغار صحابہؓ سے جو عموما پچھلی صفوں میں ہوتے تھے۔

جواب نمبر۲۔ اگر دو رکوع والی روایات اس لیے قابل اخذ ہیں کہ ان میں زیادت ہے تو صحیح روایات سے دو رکوع سے زیادہ رکوع بھی ثابت ہیں مسلم ج ۱ ص ۲۹۷ و ابوداؤد ج ۲ ص ۱۶۷ میں حضرت جابرؓ کی روایت میں تین تین رکوع ثابت ہیں۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ کی روایت میں تین تین رکوع ثابت ہیں۔ فی کل رکعة ثلاث رکعات رواه النسائی ص ۱۶۴ و مسلم ج ۱ ص ۲۹۶ و مع الفتح ج ۲ ص ۲۵۸ واحمد واسناده صحیح (آثار السنن ص ۲۶۲) اسی مضمون کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے بھی ہے۔ رواه الترمذی ج ۱ ص ۷۳ و صححه اور حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کی روایت میں چار چار رکوع ثابت ہیں مسلم ج ۱ ص ۲۹۷ اور ابن عباسؓ کی روایت مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۵ میں یوں ہے صلی عند کسوف الشمس ثمانی رکعات واربع سجدات اور نسائی ج ۱ ص ۱۶۴ و ابوداؤد ج ۱ ص ۱۶۸ میں بھی یہ موجود ہے اور حضرت علی کی روایت رواه احمد واسناده صحیح (آثار السنن ص ۲۶۲) اور مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۰۷ میں بھی ہے۔ وقال رواه احمد رجاله ثقات اور حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت میں پانچ پانچ رکوع ثابت ہیں اور ابوداؤد ج ۱ ص ۱۶۷ مگر اس کی سند میں ابو جعفر الرازی ہے جو کمزور ہے اور مجمع الزوائد ج ۲۱ ص ۲۰۷ میں حضرت علیؓ سے بھی پانچ پانچ رکوع ثابت ہیں۔ رواه البزار ورجاله رجال الصحیح ابن دقیق العید احکام الاحکام میں لکھتے ہیں وغیر ذلک ایضا وهو ثلاث رکعات واربع رکعات فی رکعة ان روایات میں دو

سے زیادہ رکوع ثابت ہیں اور روایات صحیح ہیں تو اس زیادت پر عمل کیوں نہ کیا جائے؟ اگر ہم ایک سے زیادہ رکوع ترک کر کے عامل بالحدیث نہیں رہتے اور معاذ اللہ تعالیٰ ترک سنت کے مرتکب ہیں تو غیر مقلدین وغیرہم بھی دو سے زیادہ رکوع ترک کر کے اس جرم کے مرتکب کیوں نہیں قرار دیئے جاتے؟

۔ ایں گناہیست کہ در شہر شانیز کنند۔ (خزائن السنن ص ۴۴۶ و ۴۴۷)

(۲۰) جلسہ استراحت کا مسئلہ

عن مالک ابن الحویرث انہ رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فاذا کان فی وتر من صلوتہ لم ینھض حتی یستوی قاعدا (رواہ البخاری مشکوۃ ص ۷۵ جلد اول باب صفتہ الصلوۃ)

یعنی حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی نماز اس طرح دیکھی کہ آپ جب پہلی رکعت سے یا تیسری رکعت سے کھڑا ہونا چاہتے تو سجدے سے اٹھ کر جب تک اچھی طرح ٹھیک ٹھاک درستگی سے نہ بیٹھ جاتے کھڑے نہ ہوتے تھے۔ یہ حدیث علاوہ اعلیٰ مرتبے کی صحیح ہونے کے بہت کھلے لفظوں میں بیان کرتی ہے کہ جب پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ کر کے دوسری رکعت کے لیے اٹھنا چاہے تو سجدے سے اٹھ کر اچھی طرح بیٹھ کر پھر اٹھے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ ہرگز نہ بیٹھے۔ چنانچہ حنفی مذہب فقہ کی بہترین کتاب ہدایہ ص ۹۳ جلد اول باب صفتہ الصلوۃ میں ہے واستوی قائما علی صدور قدمیہ ولا یقعد یعنی اپنے پنجوں کے بل سیدھا کھڑا ہو جائے بیٹھے نہیں۔ حنفی بھائیو! حدیث وفقہ آپ کے سامنے ہے۔ حدیث میں ہے کہ بیٹھے۔ حنفی مذہب میں ہے کہ نہ بیٹھے۔ اب کہو تم کیا کرو گے؟ حنفی بنکر نہ بیٹھو گے؟ یا اہل حدیث بن کر بیٹھ جایا کرو گے؟ میرا مشورہ تو یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو نہ چھوڑو گو تمہیں دنیا چھوڑ دے۔

آگے تمہیں اختیار ہے۔ شمع محمدی ص ۵۷، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۰۸، ۱۱۰، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۵، ۱۳۵، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۲، سبیل الرسول ص

جواب

اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور دونوں طرح کی روایات ملتی ہیں احناف کا مسلک یہ ہے کہ جلسہ استراحت کرنا سنت نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی عذر ہو تو پھر جائز ہے۔ احناف ان روایات کو ترجیح دیتے ہیں جس میں عدم جلسہ استراحت کا ذکر ہوا ہے۔ اور دوسری روایات کی توجیہہ کرتے ہیں۔

جوناگڑھی نے ہدایہ کی عبارت کو نامکمل نقل کیا ہے۔

ہدایہ کی پوری عبارت۔ سجدہ ثانیہ کے بعد سیدھا اپنے قدموں پر کھڑا ہو جائے نہ بیٹھے اور نہ زمین پر ہاتھوں سے ٹیک لگائے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تھوڑا سا بیٹھ کر اٹھے اور زمین پر ہاتھ کا سہارا لے کر اٹھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ (جلسہ استراحت) کیا ہے اور ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے آنحضرت ﷺ نماز میں اپنے پاؤں پر سیدھے کھڑے ہوتے تھے (یعنی یہ آپ کی مبارک عادت تھی) اور جس حدیث میں جلسہ استراحت کا فعل مذکور ہے وہ بڑھاپے پر محمول ہے یعنی جب آپ کا بدن مبارک بڑھاپے کی وجہ سے بوجھل ہوگیا تھا (ابوداؤد) اس وقت آپ نے یہ فعل فرمایا اور یہ آرام کا قعدہ ہے اور نماز آرام کے لیے نہیں بنائی گئی۔ (ہدایہ ج ا ص ۱۱۰ باب صفتہ الصلوۃ)

دیکھو صاحب ہدایہ نے نہ تو جلسہ استراحت والی حدیث کا انکار کیا کہ ان پر انکار حدیث کی تہمت لگائی جائے اور نہ فقہ کے مسئلہ کو بے دلیل لکھا بلکہ باقاعدہ حدیث پاک سے اسے ثابت فرمایا جوناگڑھی نے ہدایہ میں اس حدیث کو پڑھنے کے باوجود حدیث رسول ﷺ کا انکار کردیا بلکہ سنت رسول ؐ کو صاحب ہدایہ کا بے دلیل حکم قرار دیا۔ اور اس سنت پر عمل کرنے کو حدیث

کے چھوڑنے سے تعبیر کیا۔

مثال اس کو مثال سے سمجھیں کہ آنحضرت ﷺ کی عادت مبارک یہ تھی کہ آپ بیٹھ کر پیشاب فرمایا کرتے تھے مگر آپ سے کھڑے ہو کر پیشاب فرمانا بھی بخاری شریف کی صحیح ترین حدیث سے ثابت ہے اب ایک عالم ان دونوں حدیثوں میں یہ تطبیق بیان کردے کہ اصل سنت تو بیٹھ کر پیشاب کرنا ہی ہے اور جو حدیث بظاہر اس کے مخالف ہے وہ عذر پر محمول ہے کہ کوئی عذر ہو تو کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بھی جائز ہے لیکن بلاعذر طریق سنت کو نہ چھوڑنا چاہیے۔ اب کوئی اس عالم کو منکر حدیث کہنا شروع کردے تو در اصل وہ خود منکر سنت ہے احناف نے کسی کتاب میں یہ دعوی نہیں کیا کہ ہمارا یہ مسئلہ محض قیاسی ہے۔

احناف کے دلائل کہ نماز میں جلسہ استراحت نہیں کرنا چاہئے

(۱) عن عباس او عیاش بن سهل الساعدی انه کان فی مجلس فیه ابوه وکان من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم وفی المجلس ابوهریرة وابوحمید الساعدی وابو اسید فذکر الحدیث وفیه ثم کبر فسجد ثم کبر فقام ولم یتورک (ابوداؤد ج ا ص ۱۰۷)

عباس یا عیاش بن سہل ساعدیؒ سے روایت ہے کہ وہ ایک ایسی مجلس میں تھے جس میں ان کے والد بھی تھے جو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے صحابہ میں سے تھے اور اسی مجلس میں حضرت ابوہریرہ حضرت ابوحمید ساعدی اور حضرت ابواسید رضی اللہ عنہم بھی تھے انہوں نے حدیث ذکر کی جس میں یہ بیان کیا کہ پھر آپ ﷺ نے تکبیر کہی پھر سجدہ کیا پھر تکبیر کہی تو آپ سیدھے کھڑے ہوگئے بیٹھے نہیں۔

(۲) عن ابی هریرة قال کان النبی صلی الله علیه وسلم ینهض فی الصلوة علی صدور قدمیه قال ابو عیسی حدیث ابی هریرة علیه العمل عند اهل العلم یختارون ان ینهض الرجل علی صدور قدمیه

الخ (ترمذی ج ۱ ص ٦٥)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نماز میں پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے امام ترمذی" فرماتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک حضرت ابوھریرہ" کی حدیث ہی پر عمل ہے اور وہ اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ آدمی (نماز میں دوسری' تیسری رکعت کے لیے) پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑا ہو۔

(۳) عن عبد الرحمن بن غنم ان ابا مالک الاشعری جمع قومه فقال یا معشر الاشعریین اجتمعوا واجمعوا نسائکم وابنائکم اعلمکم صلاة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم صلی لنا بالمدینة (فذکر الحدیث بطوله وفیه) ثم قال سمع اللّٰه لمن حمده واستوی قائما ثم کبر وخر ساجدا ثم کبر فرفع راسه ثم کبر فسجد ثم کبر فانتهض قائما۔ الحدیث(مسند احمد ج ۵ ص ۳۴۳)

حضرت عبد الرحمن بن غنم" سے روایت ہے کہ حضرت ابومالک اشعری" نے اپنی قوم کو جمع کرکے فرمایا اے اشعریین کی جماعت خود بھی جمع ہو جاؤ اور اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی جمع کرلو تاکہ میں تمہیں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی نماز سکھلا دوں جو آپ ہمیں مدینہ منورہ میں پڑھایا کرتے تھے آپ نے پوری حدیث ذکر کی جس میں یہ بھی ہے کہ پھر آپ سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہہ کر سیدھے کھڑے ہوگئے پھر تکبیر کہہ کر سجدے میں چلے گئے پھر تکبیر کہہ کر سجدے سے سر اٹھایا پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کیا پھر تکبیر کہہ کر سیدھے کھڑے ہوگئے۔

(۴) عن ابی هریرة ان رجلا دخل المسجد یصلی ورسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی ناحیة المسجد فجاء فسلم علیه فقال له ارجع فصل فانک لم تصل فرجع فصلی ثم سلم فقال وعلیک ارجع فصل فانک لم تصل قال فی الثانیة فاعلمنی قال اذا قمت الی الصلوة

فاسبغ الوضوء ثم استقبل القبلة فکبر واقرا بما تیسر معک من
القرآن ثم ارکع حتی تطمئن راکعا ثم ارفع راسک حتی تعدل قائما
ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تستوی وتطمئن جالسا
ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تستوی قائما ثم افعل
ذالک فی صلوتک کلها (بخاری ج ۲ ص ۹۸۶)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہو کر
نماز پڑھنے لگا رسول اللہ ﷺ مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے۔ وہ
شخص نماز سے فارغ ہو کر آپ کے پاس آیا اور سلام کیا آپ نے فرمایا واپس
جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی وہ واپس گیا اور (دوبارہ) نماز
پڑھ کر پھر آپ کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا واپس جاؤ اور
نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی تیسری مرتبہ اس شخص نے عرض کیا کہ
مجھے (نماز کا طریقہ) بتلا دیجئے۔ آپ نے فرمایا جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو
پہلے اچھی طرح وضو کرو پھر قبلہ رو ہو کر تکبیر کہو اور جتنا آسانی سے قرآن
پڑھ سکو پڑھو اس کے بعد اطمینان سے رکوع کرو پھر سر اٹھا کر سیدھے کھڑے
ہو جاؤ پھر اطمینان سے سجدہ کرو پھر سجدہ سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر
اطمینان سے سجدہ کرو پھر سجدہ سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اسی طرح
ساری نماز میں کرو۔

خلفائے راشدین جلسئہ استراحت نہیں کرتے تھے

عن الشعبی ان عمرو علیا واصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کانوا ینهضون فی الصلوة علی صدور اقدامهم (مصنف ابن ابی
شیبتہ ج ۱ ص ۳۹۴)

حضرت امام شعبیؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور
رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام نماز میں اپنے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے
ہوا کرتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

عن عبدة بن ابی لبابة قال سمعت عبد اللّٰه بن يزيد يقول رمقت عبد اللّٰه بن مسعود فی الصلوة فرايته ينهض ولا يجلس قال ينهض علی صدور قدميه فی الرکعة الاولی والثالثة (معجم طبرانی کبیر ج ۹ ص ۲۶۶ و سنن کبری بیہقی ج ۲ ص ۱۲۵)

عبدہؒ بن ابی لبابہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو نماز میں بغور دیکھا' میں نے دیکھا کہ آپ (پہلی اور تیسری رکعت کے بعد سیدھے) کھڑے ہو جاتے ہیں بیٹھتے نہیں عبد الرحمن بن یزیدؒ نے ہیں کہ آپ اپنے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے پہلی اور تیسری رکعت کے بعد۔

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

عن وهب بن کيسان قال رايت ابن الزبير اذا سجد السجدة الثانية قام کما هو علی صدور قدميه (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۳۹۴)

حضرت وہب بن کیسانؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو دیکھا کہ وہ جب دوسرا سجدہ کرلیتے تو اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل جیسے ہوتے ویسے ہی کھڑے ہو جاتے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

عن نافع عن ابن عمر انه کان ينهض فی الصلوة علی صدور قدميه (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۳۹۴)

حضرت نافعؒ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نماز میں اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

ثنا سليمان الاعمش قال رايت عمارة بن عمير يصلي من قبل ابواب كندة قال فرايته ركع ثم سجد فلما قام من السجدة الاخيرة قام كما هو فلما انصرف ذكرت ذالک له فقال حدثني عبد الرحمن بن يزيد انه راى عبد اللّٰه بن مسعود يقوم على صدور قدميه في الصلوة قال الاعمش فحدثت بهذا الحديث ابراهيم النخعي فقال ابراهيم حدثني عبد الرحمن بن يزيد انه راى عبد اللّٰه بن مسعود يفعل ذالک فحدثت به خيثمة بن عبد الرحمن فقال رايت عبد اللّٰه بن عمر يقوم على صدور قدميه فحدثت به محمد بن عبد اللّٰه الثقفي فقال رايت عبد الرحمن بن ابي ليلى يقوم على صدور قدميه فحدثت به عطية العوفي فقال رايت ابن عمرو ابن عباس وابن الزبير وابا سعيد الخدري رضي اللّٰه عنهم يقومون على صدور اقدامهم في الصلوة (سنن الكبرى للبيهقي ج ۲ ص ۱۲۵)

امام اعمش" کہتے ہیں کہ میں نے عمارة" بن عمیر کو ابواب کندۃ کی جانب نماز پڑھتے ہوئے دیکھا' کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ نے رکوع کیا پھر سجدہ کیا جب آپ دوسرے سجدے سے اٹھے تو جیسے تھے ویسے ہی کھڑے ہوئے' آپ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے عبد الرحمن" بن یزید نے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو دیکھا ہے کہ وہ نماز میں اپنے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوئے تھے۔ امام اعمش" کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابراہیم نخعی" سے بیان کی انہوں نے فرمایا کہ مجھے بھی عبد الرحمن" بن یزید نے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے امام اعمش" کہتے ہیں کہ پھر میں نے یہ حدیث خیثمہ" بن عبد الرحمن سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے امام اعمش" کہتے ہیں کہ میں

نے یہ حدیث محمد بن عبد اللہ ثقفی کو بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ کو دیکھا ہے کہ وہ بھی اپنے قدموں کے بل ہی کھڑے ہوتے تھے امام اعمش کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث عطیہ عوفی سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر حضرت عبد اللہ بن عباس حضرت عبد اللہ بن زبیر اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے کہ وہ نماز میں اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل ہی کھڑے ہوتے تھے۔

عام صحابہ کرام جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

عن النعمان بن ابی عیاش قال ادرکت غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکان اذا رفع راسہ من السجدۃ فی اول رکعۃ والثالثۃ قام کما ھو ولم یجلس (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۳۹۵)

حضرت نعمان بن ابی عیاش فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے بے شمار صحابہ کرام کو پایا ہے کہ وہ جب پہلی اور تیسری رکعت کے سجدے سے اپنا سر اٹھاتے تھے تو ویسے ہی سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے بیٹھتے نہیں تھے۔

حضرت ابن ابی لیلیٰ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

عن محمد بن عبد اللہ قال کان ابن ابی لیلی ینھض فی الصلوۃ علی صدور قدمیہ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۳۹۴)

محمد بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ نماز میں اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

حضرت ابراہیم نخعی بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

عن ابراہیم انہ کان یسرع فی القیام فی الرکعۃ الاولی من آخر سجدۃ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۳۹۵)

حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ وہ پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ کر کے قیام میں جلدی کرتے تھے۔

عام مشائخ کا معمول تھا کہ وہ جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے

عن الزهری قال کان اشیاخنا لا یمایلون یعنی اذا رفع احدهم راسه من السجدة الثالثة فی الرکعة الاولی والثالثة ینهض کما هو ولم یجلس (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۳۹۴)

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے مشائخ مائل نہیں ہوتے تھے یعنی جب کوئی ان میں سے پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھاتا تو ویسے ہی سیدھا کھڑا ہو جاتا تھا بیٹھتا نہ تھا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام مالکؒ حضرت امام احمد بن حنبلؒ جلسہ استراحت کے قائل نہیں ہیں

"فی التمهید اختلف الفقهاء فی النهوض من السجود الی القیام فقال مالک والاوزاعی والثوری وابوحنیفة واصحابه ینهض علی صدور قدمیه ولا یجلس وروی ذالک عن ابن مسعود وابن عمر وابن عباس وقال النعمان بن ابی عیاش ادرکت غیر واحد من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم یفعل ذالک وقال ابو الزناد ذالک السنة وبه قال ابن حنبل وابن راهویه وقال احمد واکثر الاحادیث علی هذا" (الجوہر النقی ج ۲ ص ۱۲۵)

تمہید میں ہے کہ سجدہ سے قیام کے لیے اٹھنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام مالک' امام اوزاعی' سفیان ثوری' امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ نمازی اپنے قدموں کے بل کھڑا ہو اور جلسہ استراحت نہ کرے اور یہی مروی ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود' حضرت عبد اللہ بن عمر' حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے حضرت نعمان بن ابی عیاشؒ کہتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے بیشمار صحابہ کرام کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے۔ ابو الزنادؒ کہتے ہیں کہ جلسہ استراحت نہ کرنا ہی سنت ہے' حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور اسحق بن راہویہؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل ؒ فرماتے ہیں کہ اکثر احادیث اسی پر ہیں (کہ جلسہ استراحت نہ کیا جائے)

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہو کر بغیر بیٹھے سیدھے کھڑے ہو جانا مسنون ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا معمول مبارک یہی تھا آپ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہو کر سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ آپ کا یہی معمول نقل فرماتے ہیں اور حضرت ابومالک اشعری ؓ اسی طریقہ سے قیام کرنے کو آپ کا طریقہ بتلاتے ہیں' حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک ایسے شخص کو جو صحیح طرح نماز نہیں پڑھ رہا تھا صحیح طرح نماز پڑھنے کا طریقہ بتلایا۔ آپ نے اس سے کہا کہ جب تم اطمینان سے سجدہ کر چکو تو سجدے سے اٹھو اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ آپ کے اس فرمان سے صاف طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جلسہ استراحت مسنون نہیں کیونکہ اگر جلسہ استراحت مسنون ہوتا تو آپ ضرور اس شخص کو اس کے کرنے کا حکم دیتے۔

خلفاء راشدین اور عام صحابہ کرام کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے تابعین اور تبع تابعین بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے' حضرت امام ابو حنیفہؒ' حضرت امام مالکؒ' حضرت امام احمد بن حنبل ؒ بھی جلسہ استراحت کے قائل نہیں ہیں۔

جس طرح جونا گڑھی بار بار کہتے ہیں کہ احناف اس حدیث کو نہیں مانتے ہم بھی یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ

ان تمام احادیث و آثار کے خلاف عذر وغیرہ کی تفریق کے بغیر غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ جلسہ استراحت مستحب بلکہ سنت ہے

چنانچہ نواب نور الحسن لکھتے ہیں

"وجلسہ استراحت سنت است" (عرف الجادی ص ۳۰) اور جلسہ

استراحت سنت ہے۔

اسماعیل سلفی صاحب لکھتے ہیں

"یہ جلسہ واجب نہیں سنت ہے" (رسول اکرم کی نماز ص ۸۴)

نواب وحید الزمان لکھتے ہیں

"ویستحب ان یجلس جلسة خفیفة بعد السجدة الثانیة" (نزل الابرار ج ۱ ص ۸۱)

اور دوسرے سجدے کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنا (جلسہ استراحت کرنا) مستحب ہے۔

ملاحظہ فرمایئے جو عمل نہ تو خود حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا معمول ہے نہ آپ نے اس کا حکم دیا ہے اور نہ ہی وہ خلفاء راشدین' صحابہ کرام تابعین و تبع تابعین عظام کا معمول ہے اور نہ ہی وہ خیر القرون میں رواج پذیر ہے ایسا عمل غیر مقلدین کے نزدیک سنت ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خلفاء راشدین صحابہ کرام تابعین و تبع تابعین' ائمہ مجتہدین کو اس سنت کا علم نہ ہو سکا اور وہ اس سنت سے محروم رہے۔ العیاذ باللہ۔ قارئین فیصلہ فرمائیں کہ یہ حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت؟

خالد گرجاکھی صاحب کا جھوٹ

لگے ہاتھ خالد گرجاکھی صاحب کا ایک جھوٹ ملاحظہ فرماتے چلیں وہ لکھتے ہیں۔

"بعض لوگ جلسہ استراحت کے قائل نہیں ہیں حالانکہ یہ سنت ثابتہ ہے فقہ حنفی میں اس کا سنت ہونا موجود ہے (ہدایہ ج ۱ ص ۳۸۴' صلاۃ النبی ص ۱۷۴)

ہدایہ میں کوئی ایسی بات موجود نہیں لہٰذا خالد صاحب کا اسے ہدایہ کے حوالہ سے بیان کرنا جھوٹ ہے۔

رہی وہ روایت جو جوناگڑھی نے نقل کی ہے۔ یہ مختصر ہے بخاری میں

اس سے قبل یہ روایت مفصل نقل کی گئی ہے وہ ہم یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

عن ایوب عن ابی قلابة ان مالک بن الحویرث قال لا صاحبه الا انبئکم صلوة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال وذاک فی غیر حین صلوة فقام ثم رکع فکبر ثم رفع راسه فقام هنیة ثم سجد ثم رفع راسه هنیة ثم سجد ثم رفع راسه هنیة فصلی صلوة عمرو بن سلمة شیخنا هذا قال ایوب کان یفعل شیئا لم ارهم یفعلونه کان یقعد فی الثالثة والرابعة۔ الحدیث (بخاری ج ۱ ص ۱۱۳)

حضرت ایوب سختیانی حضرت ابوقلابہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مالک بن حویرث نے اپنے ساتھیوں سے کہا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ بتلاؤں ؟ حضرت ابوقلابہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی فرض نماز کا وقت نہ تھا' چنانچہ آپ کھڑے ہوئے پھر رکوع کیا اور تکبیر کہی پھر رکوع سے سر اٹھایا اور تھوڑی دیر ٹھہرے رہے پھر سجدہ کیا پھر سجدہ سے سر اٹھا کر تھوڑی دیر ٹھہرے رہے پھر آپ نے سجدہ کیا پھر سجدہ سے سر اٹھاکر تھوڑی دیر ٹھہرے رہے غرض انہوں نے ہمارے شیخ عمرو بن سلمتہ کی طرح نماز پڑھی حضرت ایوب سختیانی فرماتے ہیں کہ عمرو بن سلمتہ نماز میں ایک ایسا کام کیا کرتے تھے جو میں نے اور لوگوں کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا وہ یہ کہ وہ تیسری رکعت کے بعد یا چوتھی رکعت کے شروع میں بیٹھتے تھے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خیر القرون میں جلسہ استراحت کا رواج نہیں تھا۔ کیونکہ حضرت ایوب سختیانی متوفی ۱۳۱ھ جو جلیل القدر تابعین میں سے ہیں جنہوں نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کو دیکھا ہے انہوں نے حضرت مالک بن حویرث کی یہ حدیث بیان کی تو فرمایا کہ حضرت مالک بن حویرث نے ہمارے شیخ عمرو بن سلمتہ جیسی نماز پڑھی' عمرو بن سلمتہ نماز میں ایک ایسا کام کرتے تھے جو میں نے لوگوں (صحابہ و تابعین) کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا وہ

یہ کہ عمرو بن سلمۃ" تیسری رکعت کے بعد یا چوتھی رکعت کے شروع میں بیٹھتے تھے (جلسہ استراحت کرتے تھے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں جسلہ استراحت کا بالکل رواج نہیں تھا ورنہ اس کے بارے میں حضرت ایوب سختیانی" یہ نہ فرماتے کہ میں نے یہ صحابہ و تابعین کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا آج بھی حرمین شریفین کے امام جلسہ استراحت نہیں کرتے' ہاں اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہو کر بیٹھ جائے اور پھر اٹھے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اعذار کی وجہ سے بہت سے اعمال میں شریعت کی طرف سے رخصت ہے چنانچہ قعدہ میں عذر کی وجہ سے دو زانو بیٹھنے کے بجائے چوکڑی مار کر بیٹھنا بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔ (دیکھیے بخاری جلد ا ص ۱۱۴)

مولانا جوناگڑھی تو وفات پاگئے ہم غیر مقلدین سے پوچھتے ہیں کہ حدیث مالک بن الحویرث" میں جلسہ استراحت کرنے کا ذکر ہے اور دوسری احادیث میں نہ کرنے کا اب اس ظاہری تعارض کو کیسے رفع کیا جائے۔ آپ کے نزدیک دلیل شرعی صرف قرآن و حدیث ہے آپ اس تعارض کا حل قرآن و حدیث سے پیش کریں اگر آپ کے نزدیک ایک صحیح باقی ضعیف ہیں تو یہ بھی حدیث سے ثابت کریں کسی امتی کا قول پیش کر کے مشرک نہ بنیں اگر ایک ناسخ اور باقی منسوخ ہیں تو بھی صحیح حدیث سے ثابت کریں ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی صحیح حدیث میں اس بارہ میں کوئی فیصلہ موجود نہیں نہ صحیح ضعیف کا نہ ناسخ منسوخ کا نہ باری باری دونوں پر عمل کرنے کا۔ اب جو فیصلہ کتاب و سنت سے نہ ملے ہمارے نزدیک حدیث معاذ" کے موافق اجتہاد کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ مجتہدین نے خیر القرون کے تعامل کے پیش نظر اس مسئلہ کو اس طرح حل کیا کہ قدرت طاقت والے جلسہ استراحت نہیں کرتے اور بوڑھے معذور جیسے حضرت عمرو بن سلمہ کرتے ہیں دونوں قسم کی احادیث پر عمل کا طریقہ سکھادیا کہ حالت قدرت میں جلسہ استراحت نہ کرنے والی حدیث پر عمل کرو اور عذر

میں جلسہ استراحت والی حدیث پر اب جو دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل کریں ان کو حدیث کا مخالف اور جو احادیث میں خیانت کرے اس کو اہل حدیث کہا جائے۔

(۲۱) پگڑی پر مسح کا مسئلہ

جوناگڑھی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن المغیرة بن شعبة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضا فمسح بناصیتہ وعلی العمامة وعلی الخفین (رواہ مسلم، مشکوۃ جلد اول ص ۴۶ باب سنن الوضوء)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے وضو کرتے ہوئے پیشانی کے اوپر کے بالوں پر اور پگڑی پر مسح کیا۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور صاف ہے کہ جو شخص صافہ باندھے ہوئے ہو وہ وضو کرتے ہوئے اپنے صافے پر مسح کرے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کا منکر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عمامے پر مسح نہ کرے فقہ کی معتبر کتاب ہدایہ کتاب الطہارت ص ۴۴ جلد اول میں ہے ولا یجوز المسح علی العمامة یعنی عمامے پر مسح کرنا جائز نہیں۔ حنفی بھائیو! کیا آپ ہدایہ کے مقلد ہو کر یہی سمجھیں گے کہ رسول اللہ ﷺ نے ناجائز فعل کیا؟ کیا حدیث کے مقابلے میں آپ فقہ کو لیں گے؟ منہ التوفیق

(شمع محمدی ص ۵۸، ظفر المبین حصہ اول ص ۷۳، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۵ و ص ۱۳۳، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۲، سبیل الرسول ص ۲۵۳)

جواب

جوناگڑھی کا یہ کہنا کہ حنفی مذہب اس حدیث کا منکر ہے یہ بالکل جھوٹ ہے۔ احناف کسی بھی حدیث کا انکار نہیں کرتے۔ بلکہ کسی مسئلہ میں

وارد ہونے والے تمام دلائل کو سامنے رکھ کر تمام روایات میں تطبیق دیتے ہیں۔ اور جو زیادہ بہتر اور زیادہ صحیح بات معلوم ہو اس پر عمل کرتے ہیں۔

فرائض الوضوء

(صرف پگڑی پر مسح صحیح نہیں)

دلائل احناف

یایها الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوهکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین (الایۃ ۵-۶)

اے ایمان والو جب تم نماز کے لیے اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت (دھوؤ) اور اپنے سر پر مسح کرو اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت (دھوؤ)

(۱) عن انس بن مالک قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یتوضا وعلیه عمامة قطریة فادخل یده من تحت العمامة فمسح مقدم راسه ولم ینقض العمامة (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹)

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضوء فرماتے ہوئے دیکھا آپ کے سر مبارک پر قطری پگڑی تھی۔ آپ نے پگڑی کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا اور پگڑی کو کھولا نہیں۔

(۲) قال الشافعی اخبرنا مسلم عن ابن جریج عن عطاء ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم توضاء فحسر العمامة عن راسه ومسح مقدم راسه او قال ناصیته بالماء (کتاب الام ج ۱ ص ۲۶)

حضرت عطاء بن ابی رباحؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا تو اپنی پگڑی کو سر سے اوپر کیا اور سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا۔ یا حضرت عطاءؒ نے فرمایا کہ آپ نے اپنی ناصیتہ پر مسح فرمایا پانی سے۔

(۳) عن ابن عمر انه کان اذا مسح راسه رفع القلنسوة ومسح مقدم راسه (رواه الدار قطنی ج ۱ ص ۱۰۷ وفی التعلیق المغنی سنده صحیح)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جب سر پر مسح فرماتے تو ٹوپی سر سے ہٹا لیتے اور سر کے اگلے حصہ پر مسح فرماتے۔

(۴) مالک انه بلغه ان جابر بن عبد اللّٰه الانصاری سئل عن المسح علی العمامة فقال لا حتی یمسح العشر بالماء (موطا امام مالک ص ۲۳)

حضرت امام مالکؒ سے مروی ہے کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے پگڑی پر مسح کرنے کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا جائز نہیں ہے جب تک بالوں کا پانی سے مسح نہ کرے۔

(۵) مالک عن هشام بن عروة عن ابیه عروة بن الزبیر کان ینزع العمامة ویمسح راسه بالماء (موطا امام مالک ص ۲۳)

حضرت عروہ بن زبیرؒ سے مروی ہے کہ وہ سر سے پگڑی ہٹا کر پانی سے سر پر مسح فرماتے تھے۔

(۶) عن نافع انه رای صفیة بنت ابی عبید امراة عبد اللّٰه بن عمر تنزع خمارها وتمسح علی راسها بالماء ونافع یومئذ صغیر' قال یحییٰ وسئل مالک عن المسح علی العمامة والخمار فقال لا ینبغی ان یمسح الرجل ولا المراة علی العمامة ولا خمار ولیمسها علی رؤسها۔ (موطا امام مالک ص ۲۳)

امام نافعؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابو عبید کی صاحبزادی اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی اہلیہ کو دیکھا کہ انہوں نے دوپٹہ سر سے ہٹا کر پانی سے سر پر مسح کیا نافعؒ ان دنوں بچے تھے۔ یحییٰ فرماتے ہیں کہ۔ امام مالکؒ سے پگڑی اور دوپٹہ پر مسح کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مرد و عورت کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ پگڑی اور دوپٹے پر مسح کریں انہیں چاہیے کہ سر

پر مسح کریں۔

آیت کریمہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ دوران وضو سر پر مسح کرنا فرض ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے لہٰذا جو شخص دوران وضو سر پر مسح نہیں کریگا اس کا وضو نہیں ہوگا۔

احادیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر کسی کے سر پر پگڑی یا ٹوپی ہو تو دوران وضو یا تو ان کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر سر پر مسح کرے یا سر سے پگڑی یا ٹوپی اتار کر مسح کرے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ایسا ہی کیا کرتے تھے صحابہ کرام کا بھی یہی معمول تھا۔

آپ نے دیکھ لیا کہ احناف کا مسلک قرآن اور حدیث کے عین مطابق ہے۔ جوناگڑھی احناف کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈہ کرتے ہیں۔

(۲۲) تیمم کا مسئلہ

(یعنی تیمم میں ضربوں کی تعداد)

جوناگڑھی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن عمار فضرب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بکفیہ الارض ونفخ فیھما ثم مسح بھما وجھہ وکفیہ (رواہ البخاری و مسلم، مشکوۃ باب التیمم ص ۵۴ جلد اول)

یعنی آنحضرت ﷺ نے تیمم کرکے بتلایا۔ اس طرح کہ اپنے دونوں ہاتھ مٹی پر مارے اور انہیں پھونک کر اپنے چہرے پر مل لیے۔ اور دونوں پہنچے مل لیے۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور صاف بتلارہی ہے کہ تیمم میں صرف ایک مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارنے کافی ہیں۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ دو مرتبہ مٹی پر ہاتھ

مارنے چاہئیں۔ چنانچہ حنفی مذہب کی اول درجے کی کتاب ہدایہ ص ۳۴ باب التیمم جلد اول میں ہے والتیمم ضربتان یعنی تیمم میں دو مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارے۔ حنفی بھائیو! سنو ہم مانتے ہیں کہ ایک ضعیف سی حدیث میں دو دفعہ مٹی پر ہاتھ مارنا بھی آیا ہے۔ اگر کوئی اس حدیث کو مان کر عمل کر بھی لے تو اور بات ہے یہاں ہمارا مطلب اس بحث سے نہیں بلکہ یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ اس صحیح حدیث کو حنفی حضرات نہیں مانتے۔ حدیث پر ایمان رکھنے والا زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا تھا کہ اصل مسنون طریقہ ثابت شدہ تو یہی ہے کہ تیمم ایک ہی ضرب سے کرے لیکن ایک ضعیف روایت میں دو ضربیں بھی آئی ہیں۔ بس اس کے کیا معنی؟ کہ ایک تعلیم رسولؐ کو ایک فعل پیغمبرؐ کو مہمل قرار دیا جائے اس پر ایمان رکھا جائے نہ اس پر عمل کیا جائے۔ بلکہ یہ حدیث سامنے رکھتے ہوئے اس سے انکار کیا جائے اور فقہ میں مسئلہ لکھا جائے کہ یہ ناجائز ہے۔ اور اسی پر عمل و عقیدہ رکھا جائے۔ ہے کوئی جو ایمان کو بچا کر اس فعل رسولؐ کو ناجائز کہہ دے؟ جو صراحت و صحت کے ساتھ اللہ کے محترم رسول اکرم ﷺ سے ثابت ہو؟ اسی طرح یہ اصول ہم اہل حدیثوں کا ہر اس جگہ ہے جہاں کسی فعل کی نقل یا حکم دو طرح پر ہو کہ کل من عند ربنا ہر بات ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اگر کسی فعل کے کئی طریق احادیث صحیحہ سے ثابت ہوں تو ہم سب کو مانتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک تو شافعی لے لے۔ ایک حنفی لے لے۔ ایک مالکی لے لے۔ ایک حنبلی لے لے۔ یہ کوئی باوا کی میراث نہیں۔ یہاں تو ہر مسلمان ہر فعل و فرمان نبیؐ کے ماننے کا مکلف ہے۔ یہ تفرقہ یہ حد بندی یہ تقسیم خدا کو سخت ناپسند ہے اسی کے معنی دین کے ٹکڑے کرنا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے نزدیک سخت معیوب ہے۔

(شمع محمدی ص ۵۸، ظفر المبین حصہ اول ص ۶۹، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۸ و ۱۳۶، اختلاف امت کا المیہ ص ۹۲، سبیل الرسول ص ۲۵۲)

جواب

نقل حدیث میں فریب۔ جوناگڑھی نے حضرت عمار بن یاسرؓ کی ایک حدیث کا ٹکڑا نقل کیا ہے حالانکہ اس کے تمام طرق جوناگڑھی کو پیش کر کے اس اضطراب کو ختم کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ حضرت عمار بن یاسر سے مختلف سندوں کے ساتھ مختلف الفاظ آتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(الف) ایک ضرب سے تیمم کرے اور چہرے اور ہتھیلوں پر ہاتھ پھیرے (بخاري ج ۱ ص ۴۸ مسلم ج ۱ ص ۱۱۶)

(ب) تیمم دو ضرب سے کرنا ایک ضرب چہرے کے لے دوسری دونوں ہاتھوں سے کندھوں اور بغلوں تک کے لیے (ابوداؤد ج ۱ ص ۵۱' نسائی ج ۱ ص ۶۰' طحاوی ج ۱ ص ۶۶' مسند احمد ج ۴ ص ۲۶۳)

(ج) تیمم دو ضرب ہے ایک ضرب چہرے کے لیے دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک (رواہ البزار فی مسندہ' نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۵۴ قال الحافظ ابن حجر باسناد حسن' الدرایہ ص ۳۶)

جوناگڑھی کا فرض تھا کہ وہ پہلے اس حدیث کے مکمل طرق نقل کرتے پھر ایک طریق کو قبول اور دو طریقوں کو رد کرنے کی وجہ کسی حدیث صحیح سے بیان کرتے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ فلاں طریق قبول کرلینا کہ وہ صحیح ہے اور فلاں فلاں دو طریق حدیثوں کے رد کر دینا کہ وہ ضعیف ہیں۔ لیکن جوناگڑھی نے حدیث نقل کرنے میں خیانت سے کام لیا ایک طریق بتایا اور دو کو چھپایا۔

عجیب بات ہے کہ جوناگڑھی نے بھی حضرت عمار بن یاسرؓ کے ایک ہی طریق کو مانا اور دو کو بلاوجہ بیان کیے چھوڑا تو وہ اہل حدیث رہے ہم نے بھی اس کے ایک طریق پر عمل کیا مگر ہمیں حدیث کا مخالف کہا گیا۔ احناف نے جن دو طریق کو چھوڑا اس کی باقاعدہ وجہ بیان کی ہے۔ فقیہ شہیر محدث کبیر امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ جس حدیث میں کندھوں تک مسح کا ذکر ہے وہ

آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں بلکہ نزول آیت سے پہلے صحابہ کی اپنی اپنی رائے تھی۔ چنانچہ امام طحاویؒ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حدیث نقل فرماتے ہیں کہ میرا ہار سفر میں گم ہوگیا صحابہ ہار کی تلاش میں گئے جب نماز کا وقت ہوا تو پانی نہ ملنے کی وجہ سے صحابہ نے تیمم کیا کسی نے صرف ہتھیلیوں تک کسی نے کندھوں تک پس یہ بات جب آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو آپ پر آیت تیمم نازل ہوئی (طحاوی ص ۸۰ ج ۱) معلوم ہوا کہ یہ بعض صحابہ کا اپنا عمل تھا۔

جب آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے خود صحابہ کو تیمم کا طریقہ سکھایا' چنانچہ حضرت عمارؓ فرماتے ہیں کہ میں ان ہی لوگوں میں تھا جب کہ تیمم کی رخصت نازل ہوئی پس ہمیں حکم دیا گیا اور ہم نے ایک ضرب سے چہرے کا مسح کیا اور دوسری ضرب سے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کیا (رواہ البزار باسناد حسن' الدرایہ لحافظ ابن حجر ص ۳۶)

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ یہی طریقہ قرآن پاک کے بھی موافق ہے کیونکہ قرآن پاک میں پہلے وضو کا حکم ہے پھر پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کو وضو کا قائم مقام قرار دیا ہے وضو میں چار فرائض کا ذکر تھا تیمم میں ان میں سے دو ساقط فرمادیئے اور دو کو باقی رکھا ان کی کیفیت اصل وضو کے موافق ہونی چاہئے تاکہ وہ ان کے قائم مقام کہلا سکیں۔ اب وضو میں حکم ہے فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق تم اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور تیمم کے بارے میں فرمایا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منه مسح کرو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا اب ظاہر ہے کہ وضو میں چہرہ کو دھونے اور ہاتھوں کے دھونے کے لیے الگ الگ پانی لیا جاتا ہے اس لیے تیمم میں بھی چہرے اور ہاتھوں کے مسح کے لیے الگ الگ ضرب ہوگی اور وضو میں پورے چہرے کو دھویا جاتا ہے تو تیمم میں بھی چہرے کا پورا مسح ہوگا مگر ہاتھوں کا کہنیوں تک تاکہ تیمم وضو کا ان دونوں فرضوں میں پورا پورا

قائم مقام رہے (طحاوی ج ۱ ص ۸۱) رہا حضرت عمار بن یاسرؓ کا وہ طریق جو جونا گڑھی نے بیان کیا ہے یہ بعد کا ہے جب حضرت عمار بن یاسرؓ کو تیمم کا طریقہ تو آتا تھا مگر وہ اس کو صرف وضو کے تیمم کا طریقہ سمجھتے تھے جب ان پر غسل فرض ہوا اور پانی نہ ملا تو سارے کپڑے اتار کر زمین پر لوٹے پھر آکر یہ واقعہ رسول اقدس ﷺ کو سنایا۔ آنحضرت ﷺ نے سمجھایا کہ غسل اور وضو کے تیمم میں کوئی فرق نہیں چونکہ طریقہ پہلے حضرت عمارؓ جانتے تھے اس لیے اختصار کے ساتھ حضورؐ نے اشارہ فرمادیا۔

صاحب ہدایہ کی عبارت نقل کرنے میں فریب

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں "تیمم دو ضربوں سے ہے ایک کے ساتھ چہرے کا مسح کرے اور دوسری کے ساتھ دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تیمم دو ضربوں کے ساتھ ہے ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کے لیے (ص ۵۰) دیکھیے صاحب ہدایہ نے صاف طور پر فرمایا تھا کہ یہ طریق فرمان رسول سے ثابت ہے۔

مگر جونا گڑھی نے یہ بات نقل نہیں کی۔

تیمم میں دو ضربیں ہیں۔

حضرت عمار بن یاسرؓ کی روایت مسند بزار کے حوالہ سے گزر چکی ہے۔

اس کے علاوہ دوسری روایات مندرجہ ذیل ہیں۔

دلائل احناف

(۱) عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال التیمم ضربتان ضربۃ للوجہ وضربۃ للیدین الی المرفقین (دار قطنی ج ۱ ص ۱۸۰)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمم میں دو ضربیں ہوتی ہیں ایک چہرہ کے لیے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لیے۔

(۲) عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال التیمم ضربة للوجه وضربة للذراعین الی المرفقین (دار قطنی ج ۱ ص ۱۸۱)

حضرت جابرؓ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمم میں ایک ضرب چہرہ کے لیے ہے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں بازوؤں کے لیے۔

(۳) عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للیدین الی المرفقین (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۷۹)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمم میں دو ضربیں ہوتی ہیں ایک ضرب چہرہ کے لیے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لیے۔

(۴) عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال کان تیمم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضربتین ضربة للوجه وضربة للیدین الی المرفقین (جامع المسانید ج ۱ ص ۲۳۳)

حضرت عبد اللہ عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا تیمم دو ضربیں تھا ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لیے۔

(۵) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ بیت الخلاء سے نکلے ایک راہ گیر نے آپ کو سلام کیا آپ ﷺ نے دو ضربوں سے تیمم کرکے اس آدمی کو سلام کا جواب دیا جب کہ وہ گلی کے موڑ سے چھپنے والا تھا (ابوداؤد ج ۱ ص ۵۳، طحاوی ج ۱ ص ۶۴، دار قطنی ج ۱ ص ۶۵، الطیالسی ج ۱ ص ۲۵۳، بیہقی ج ۱ ص ۲۰۶) اگر ایک ضرب سے تیمم کی گنجائش ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس جلدی کے موقع پر ضرور اختصار سے کام لیتے اذ لیس

فلیس

(٦) حضرت اسلعؓ بھی اس سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے جس میں آیت تیمم نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت اسلعؓ کو حکم دیا یا اسلع قم فتیمم صعیدا طیبا ضربتین ضربة لوجھک وضربة لذراعیک ظاھر ھما وباطنھما الحدیث (طحاوی ج ۱ ص ۸۱) اے اسلعؓ کھڑا ہو اور پاک مٹی سے تیمم کر ایک ضرب اپنے چہرے کے لیے اور دوسری ضرب اپنے بازوؤں کے لیے اندر باہر دونوں طرف یہ روایت اس طرح بھی ہے کہ ربیع کہتے ہیں مجھے میرے باپ نے دو ضربوں سے تیمم کرکے دکھایا میرے ابا کو میرے دادا نے اس طرح تیمم کرکے دکھایا میرے دادا کو حضرت اسلعؓ نے اسی طرح تیمم کرکے دکھایا اور حضرت اسلعؓ فرماتے ہیں مجھے اس طرح رسول اقدس ﷺ نے تیمم کرکے دکھایا (اخرجہ الطبرانی والدار قطنی والبیھقی زیلعی ج ۱ ص ۱۵۳)

(۷) حضرت ابو جہمؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دیوار پر ہاتھ مار کر پہلے چہرے مبارک پر مسح فرمایا پھر دوسری ضرب کے بعد اپنے ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح فرماکر میرے سلام کا جواب دیا۔ (دار قطنی ج ۱ ص ٦۵)

(۸) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ کچھ جنگل کے رہنے والے لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپؐ نے ان کو تیمم کا طریقہ خود اس طرح سکھایا کہ زمین پر ایک ضرب لگا کر چہرہ مبارک کا مسح فرمایا اور پھر زمین پر دوسری ضرب لگا کر اپنے ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح فرمایا (بیہقی ج ۱ ص ۲۰٦)

(۹) عن نافع ان ابن عمر تیمم فی مربد النعم فقال بیدیه علی الارض فمسح بھما وجھه ثم ضرب بھما علی الارض ضربة اخری ثم مسح بھما یدیه الی المرفقین (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۱۵۸)

حضرت نافعؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے چوپایوں کے باڑہ میں تیمم کیا۔ آپ نے اپنے ہاتھ زمین پر جھکائے اور ان سے چہرہ پر مسح

کیا پھر دوسری مرتبہ دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں پر مسح کیا۔

(۱۰) عن نافع قال سالت ابن عمر عن التیمم فضرب بیدیه الی الارض ومسح بهما یدیه ووجهه وضرب ضربة اخری فمسح بهما ذراعیه (طحاوی ج ۱ ص ۸۱)

حضرت نافع ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے تیمم کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے ہاتھوں اور چہرہ کا مسح کیا پھر دوسری بار دونوں ہاتھ مارے اور ان سے دونوں بازوؤں کا مسح کیا۔

(۱۱) عن علی بن ابی طالب کرم اللّٰه وجهه قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للذراعین الی المرفقین (مسند امام زید ص ۷۷)

حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ تیمم میں دو ضربیں ہوتی ہیں ایک ضرب چہرہ کے لیے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لیے۔

(۱۲) عن جابر انه ضرب بیدیه الارض ضربة فمسح بهما وجهه ثم ضرب بهما الارض ضربة اخری فمسح بهما ذراعیه الی المرفقین (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۱۵۱)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے چہرہ کا مسح کیا پھر دوبارہ دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔

(۱۳) عن حبیب الشهید انه سمع الحسن سئل عن التیمم فضرب بیدیه علی الارض فمسح بهما وجهه ثم ضرب بیدیه علی الارض ضربة اخری فمسح بهما یدیه الی المرفقین (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۱۵۸)

حضرت حبیب شہید سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت حسن ؒ (بصری)

کو سنا کہ آپ سے تیمم کے بارے میں سوال کیا گیا آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے چہرہ کا مسح کیا پھر دوبارہ دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان سے کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔

(۱۴) عن ابن طاؤس عن ابیه انه قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للذراعین الی المرفقین (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۱۵۹)

ابن طاؤس اپنے والد طاؤس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمم میں دو ضربیں ہوتی ہیں۔ ایک ضرب چہرہ کے لیے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لیے۔

(۱۵) عن الزهری قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للذراعین (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۱۵۹)

امام زہری فرماتے ہیں کہ تیمم میں دو ضربیں ہوتی ہیں ایک ضرب چہرہ کے لیے اور ایک دونوں ہاتھوں کے لیے۔

(۱۶) عن ابراهیم فی التیمم قال تضع راحتیک فی الصعید فتمسح وجهک ثم تضعهما ثانیة فتنفضهما فتمسح یدیک وذراعیک الی المرفقین (کتاب الاثار للامام ابی حنیفہ بروایت الامام محمد ص ۱۵)

حضرت ابراہیم نخعی سے تیمم کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اپنے دونوں ہاتھ مٹی پر رکھ کر چہرہ کا مسح کرلو پھر دوبارہ دونوں ہاتھ رکھ کر جھاڑو اور کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ اور بازوؤں کا مسح کرلو۔

(۱۷) یہی مذہب امام ابوحنیفہ امام مالک امام سفیان ثوری امام شافعی امام لیث بن سعد مصری اور عام فقہاء کا ہے اور ابن المنذر نے یہی مذہب حضرت علیؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت بصری امام شعبی اور سالم بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے۔ کما فی شرح المهذب ج ۱ ص ۲۱۰ للنووی قال وهو

قول اکثر العلماء (بحوالہ معارف السنن ج ۱ ص ۳۷۸) امام مالک کا یہی مسلک قواعد ابن رشد ج ۱ ص ۵۶ اور المدونۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۴۶ پر مذکور ہے۔

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ تیمم میں دو ضربیں ہوتی ہیں۔ پہلی ضرب چہرہ پر مسح کے لیے اور دوسری ضرب دونوں ہاتھوں پر مسح کے لیے نبی علیہ الصلوۃ والسلام فرمارہے ہیں کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں۔ جلیل القدر صحابہ کرام حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت جابرؓ کے نزدیک بھی تیمم میں دو ضربیں ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ، زہریؒ، طاؤسؒ، ابراہیم نخعیؒ جیسے اجلہ تابعین کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں۔
غیر مقلدین اگر ان احادیث کو ضعیف ثابت کرنا چاہیں تو صراحۃ نبی معصوم ﷺ سے اپنی روایت کا صحیح ہونا اور باقی سب احادیث کا جھوٹا ہونا ثابت کردیں کسی غیر معصوم امتی کا قول ہرگز پیش نہ کریں کیونکہ اس کے نزدیک کسی غیر معصوم امتی کا قول دلیل شرعی نہیں۔ رہا ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ سے صراحۃ کسی ایک حدیث کی ترجیح ثابت نہ ہو تو وہ "فان لم تجد فیہ" میں شامل ہے اور اب باجازت رسول ﷺ مجتہد کی طرف رجوع ہوگا چنانچہ ہم نے خیر القرون کے مجتہد اعظم امام ابوحنیفہؒ کی طرف رجوع کیا انہوں نے خیر القرون کے تعامل اور کتاب و سنت کو سامنے رکھ کر دو ضربوں سے تیمم والی احادیث پر عمل کیا اور کروایا کیونکہ خیر القرون میں بلانکیر اسی پر عمل جاری تھا۔ اب خیر القرون کے مجتہد کے مقابلہ میں کسی مابعد خیر القرون کے امتی کے اقوال کو پیش کرنا گویا حدیث خیر القرون کی کھلم کھلا مخالفت ہے۔

اور غیر مقلدین یہ بھی یاد رکھیں کہ احناف کو کسی ایک حدیث کی مخالفت کا بھی کھٹکا نہیں کیونکہ جب دو ضرب سے تیمم کرتے ہیں تو ان دو میں ایک ضرب یقیناً آجاتی ہے اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہوجاتا ہے اور

جب وہ کہنیوں تک مسح کرتے ہیں تو اس میں ہتھیلیاں اور پہونچے یقیناً آجاتے ہیں اور اس طرح اس طریقہ تیمم میں سب احادیث پر عمل ہے اور کسی حدیث کی مخالفت لازم نہیں آتی۔

جوناگڑھی نے ایڑی سے چوٹی تک زور لگالیا لیکن اس مسئلہ کو خلاف حدیث ثابت نہ کرسکے۔

باقی جوناگڑھی نے جو احناف کے خلاف غلط باتیں کی ہیں۔ ان کا جواب وہ خود اللہ تعالیٰ کو دیں گے۔ ہم نے تو یہ ثابت کرنا ہے کہ احناف کا مسلک قرآن وسنت کے عین مطابق ہے۔ اور جوناگڑھی جو بار بار ہر مسئلہ میں یہ کہتے ہیں کہ احناف حدیث کو نہیں مانتے یہ غلط ہے۔ احناف الحمد للہ احادیث پر ہی عمل کرتے ہیں۔

(۲۳) دوہری اذان کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ابی محذورة قال القی علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم التاذین ھو بنفسہ ثم تعود فتقول الخ (رواہ مسلم، مشکوۃ باب الاذان جلد اول ص ۶۳)

یعنی ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان سکھائی۔ اس میں آپ نے یہ بھی بتلایا کہ اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ تک کہہ کر پھر دوبارہ اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ کو دو مرتبہ اور اشھد ان محمد رسول اللّٰہ کو دو مرتبہ کہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس طرح انیس کلموں کی اذان آپ نے سکھائی الخ ۔ یہ لمبی حدیث پوری اذان کی بالکل صحیح آپ کے سامنے ہے اور اس میں دوبارہ ان چاروں کلمات کے دوہرانے کا فرمان وتعلیم پیغمبر موجود ہے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا۔ وہ اس کا بالکل منکر ہے۔ چنانچہ

حنفیوں کی معتمد کتاب ہدایہ جلد اول باب الاذان ص ۷۰ میں ہے ولا ترجیع فیہ یعنی اذان میں اس طرح ان چاروں کلمات کو دہرائے نہیں میں اوپر تنبیہہ کرچکا ہوں کہ اہل حدیث ہر صحیح حدیث کو محمدی ہر فرمان محمد (ﷺ) کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں وہ ایک کے مومن ایک کے منکر نہیں ہوتے۔ یہ عادت مذہبی لوگوں میں ہے۔ کوئی اس سے منکر ہے کوئی اس سے منکر ہے۔ حنفی بائیں چلتا ہے تو شافعی دائیں اس کی دوڑ مشرق کی طرف ہوتی ہے تو وہ اپنی نگاہ مغرب کی طرف جماتا ہے۔ اہل حدیث خدا کے فضل سے اللہ کے رسول ؐ کے اشاروں پر دوڑتے ہیں جدھر نگاہ رسول اٹھی اسی طرف یہ لپکے۔ دائیں لیجائیں تو اور بائیں لیجائیں تو آگے دوڑائیں تو اور پیچھے ہٹائیں تو ہمیں وہ حدیث بھی مسلم ہے جس میں دہرانا مروی نہیں نکیل ناک میں۔ لگام منہ میں ہے۔ آنکھ سر پہ ہے۔ جہاں نرما دیا نرم ہوگئے جہاں گرما دیا گرم ہوگئے اب آپ سے اے حنفی بھائیو! سوال ہے کہ آیا ان کلمات کو دوہرانے کا حکم رسول کو آپ مانتے ہیں؟ یا حنفی مذہب کے اسے نہ دہرانے کے حکم کو؟ (شمع محمدی ص ۶۰، ظفرالمبین حصہ دوم ص ۴۱)

امام ابوحنیفہ ؒ کا مسلک یہ ہے کہ اذان میں ترجیع نہیں ہے۔ امام صاحب کا یہ نظریہ مندرجہ ذیل احادیث پر مبنی ہے۔

(۱) عن عبد اللہ بن زید الانصاری قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدھمہ الاذان حتی ھم ان یامر رجالا فیقومون علی الاطام فیدفعون ایدیھم ویشیرون الی الناس بالصلوۃ حتی رایت فیما یری النائم کان رجلا علیہ ثوبان اخضران علی سور المسجد یقول اللہ اکبر اربعا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ مرتین۔ اشھد ان محمدا رسول اللہ مرتین۔ حی علی الصلوۃ مرتین ۔ حی علی الفلاح مرتین۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ ثم اقام فقال مثلھا وقال فی آخرھا قد قامت الصلوۃ قد قامت الصلوۃ فاخبرت رسول اللہ صلی

اللہ علیہ سلم فقال اذھب فقصھا علی بلال ؓ ففعلت فاقبل الناس سراعا ولا یدرون الا انہ فرغ فاقبل عمر بن الخطاب ؓ وقال لولا ما سبقنی بہ لاخبرتک انہ قد طاف بی الذی طاف بہ (نصب الرایہ جلد ۱ ص ۲۷۵)

حضرت عبد اللہ بن زید ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو نماز کی اطلاع نے فکر مند کر رکھا تھا یہاں تک کہ آپ نے ارادہ فرمایا کہ لوگوں کو حکم دیں وہ ٹیلوں پر چڑھ کر ہاتھ کھڑے کر کے اشاروں سے لوگوں کو نماز کی اطلاع دیں حتی کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا ایک آدمی ہے جس کے اوپر دو سبز کپڑے ہیں مسجد کی دیوار پر کھڑا ہو کر کہہ رہا ہے۔ اللہ اکبر چار دفعہ اشھد ان لا الہ الا اللہ دو دفعہ اشھد ان محمدا رسول اللہ دو دفعہ حی علی الصلوۃ دو دفعہ حی علی الفلاح دو دفعہ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ پھر اس نے اقامت پڑھی وہ بھی اسی طرح اور اس کے آخر میں قد قامت الصلوۃ قد قامت الصلوۃ کہا یعنی تحقیق نماز کھڑی ہوگئی پس میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا جا بلال ؓ کے سامنے اسے بیان کر میں نے بیان کردیا تو لوگ دوڑتے ہوئے آئے مگر کچھ سمجھ نہ سکے اتنے میں وہ فارغ بھی ہو چکا تھا پھر حضرت عمر ؓ آئے اور کہنے لگے اگر وہ مجھ سے سبقت نہ لے گیا ہوتا تو میں آپ کو بتلاتا کہ میرے ساتھ بھی وہی گزری ہے جو اس کے ساتھ گزری۔

یہ اذان اگرچہ خواب میں سکھائی گئی ہے لیکن جب نبی کریم ﷺ کے سامنے اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا انشاء اللہ یہ سچا خواب ہے جاؤ بلال ؓ کو سکھا دو۔ تو آپ کے حکم سے یہ اذان بلال ؓ کو سکھائی گئی اور حضرت بلال ؓ ساری عمر حضور اکرم ﷺ کے سامنے اور آپ کے بعد مسجد نبوی میں یہی اذان پڑھتے رہے جس میں ترجیع نہیں ہے یعنی شہادتین کو لوٹا کر نہیں پڑھا جاتا تو آنحضرت ﷺ کی اصل مسنون اذان یہی ہے جس پر آج تک اہل مدینہ کا

عمل ہے۔

(۲) عبد الرحمن بن ابی لیلی قال حدثنا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان عبد اللہ بن زید الانصاری جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رایت فی المنام کان رجلا قام وعلیہ بردان اخضران علی جذمۃ حائط فاذن مثنی واقام مثنی (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۰۳' بیہقی ج ۱ ص ۴۲۰ وقال ابن حزمؒ وھذا فی غایۃ الصحۃ' محلی ابن حزم ج ۳ ص ۱۱۴)

حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلی نے کہا آنحضرت ﷺ کے اصحاب نے ہمیں بتایا کہ عبد اللہ بن زید انصاریؓ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور اذان کا واقعہ بتایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے ایک شخص پر دو سبز رنگ کی چادریں ہیں اور وہ دیوار پر کھڑا اذان دوہری دوہری مرتبہ پکار رہا ہے۔ اور اقامت بھی دوہری مرتبہ۔

(۳) عن السائب بن یزید قال کان الاذان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر مرتین مرتین (صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۱۳۶)

حضرت سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں کہ اذان آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں دوہری دوہری ہوتی تھی۔

(۴) عن ابی محذورۃ قال کنت اؤذن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلاۃ الفجر فاقول اذا قلت حی علی الفلاح الصلوۃ خیر من النوم الصلوۃ خیر من النوم (مصنف بن عبد الرزاق ج ۱ ص ۴۷۲)

حضرت ابو محذورہؓ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے حکم سے صبح کی نماز کے لیے اذان پڑھتا تھا۔ اور حی علی الفلاح کے بعد میں الصلوۃ خیر من النوم دوبار پکارتا تھا۔

(۵) عن ابی محذورة قال علمنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الاذان (الی ان قال) اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر۔ اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ اشھد ان لا الہ الا اللہ۔ اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ اشھد ان محمدا رسول اللہ۔ حی علی الصلوة حی علی الصلوة ۔ حی علی الفلاح حی علی الفلاح ۔ اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ (صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۱۴۳)

حضرت ابومحذورہؓ کہتے ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے اذان سکھلائی اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابی محذورة قال علمنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الاذان (الی ان قال) اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر۔ اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ اشھد ان لا الہ الا اللہ۔ اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ اشھد ان محمدا رسول اللہ۔ حی علی الصلوة حی علی الصلوة ۔ حی علی الفلاح حی علی الفلاح ۔ اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ

(۶) عن الشعبی عن عبد اللّٰہ بن زید الانصاری قال سمعت اذان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فکان اذانہ واقامتہ مثنی مثنی (صحیح ابوعوانہ ج ۱ ص ۳۳۱) امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن زید انصاری نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اذان سنی (آپؐ کی اذان سے مراد آپ کے موذن کی اذان ہے) آپ کی اذان و اقامت دونوں میں کلمات دو دو دفعہ ہی تھے۔

(۷) عن عبد العزیز بن رفیع قال سمعت ابا محذورة یؤذن مثنی مثنی ویقیم مثنی مثنی (طحاوی جلد ۱ ص ۹۵)

حضرت عبد العزیز بن رفیعؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابومحذورہؓ کو سنا وہ اذان کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے اور اقامت میں بھی اسی طرح دو دو کلمات کہتے تھے۔

(۸) عن الاسود بن یزید ان بلالا کان یثنی الاذان ویثنی الاقامة وکان یبداء بالتکبیر ویختم بالتکبیر (مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۴۶۲، طحاوی ج ۱ ص ۹۴، دار قطنی ج ۱ ص ۲۴۲)

حضرت اسود بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ اذان کے (شروع کی چار تکبیرات کے علاوہ باقی) کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے اور اسی طرح اقامت کے کلمات بھی دو دو دفعہ کہتے تھے اور اذان و اقامت کی ابتداء و انتہاء اللہ اکبر پر کرتے تھے۔

(۹) عن سوید بن غفلة قال سمعت بلالا یؤذن مثنی ویقیم مثنی (طحاوی ج ۱ ص ۹۴)

حضرت سوید بن غفلہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلالؓ کو سنا کہ وہ اذان و اقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے۔

(۱۰) عن عون بن ابی جحیفة عن ابیه ان بلالا کان یؤذن للنبی صلی اللہ علیه وسلم مثنی مثنی ویقیم مثنی مثنی (دار قطنی ج ۱ ص ۲۴۲)

عون بن ابی جحیفہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلالؓ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سامنے اذان واقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے۔

(۱۱) عن ابراہیم قال ان بلالا کان یثنی الاذان والاقامة (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۲۰۶)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ اذان واقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے تھے۔

(۱۲) عن ابراہیم قال کان ثوبانؓ یؤذن مثنی ویقیم مثنی (طحاوی ج ۱ ص ۹۵)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت ثوبانؓ اذان واقامت کے

کلمات دو دو دفعہ کہتے تھے۔

(۱۳) ثناء الحجاج بن ارطاۃ قال نا وابواسحق قال کان اصحاب علی و اصحاب عبد اللہ یشفعون الاذان والاقامۃ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ا ص ۲۰۶)

حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کے اصحاب اذان و اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے تھے۔

(۱۴) قال عبد الرزاق سمعت الثوری واذن لنا بمنی فقال اللہ اکبر ' اللہ اکبر' اشھد ان لاالٰہ الااللہ مرتین اشھد ان محمدا رسول اللہ مرتین فصنع کما ذکر فی حدیث عبد الرحمن بن ابی لیلی فی الاذان والاقامۃ تمام مثل الحدیث (مصنف عبد الرزاق ج ا ص ۴۶۲)

عبد الرزاق کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری نے میدان منی میں ہمارے سامنے اذان کہی میں نے سنا کہ آپ نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر دو مرتبہ اشھد ان لا الہ الا اللہ دو مرتبہ اشھد ان محمدا رسول اللہ دو مرتبہ پھر آپ نے اذان و اقامت بعینہ اس طرح کہی جس طرح حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلی کی حدیث میں ذکر کی گئی ہے۔

نوٹ۔ حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلی کی حدیث اوپر نمبر ۲ پر گزری ہے۔

جوناگڑھی کا یہ کہنا کہ حنفی اس حدیث کو نہیں مانتے۔ یعنی ان کا یہ مذہب حدیث کے خلاف ہے اور ہمارے دلائل کا ذکر نہ کرنا بد دیانتی ہے آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ امام صاحب کا نظریہ کتنی احادیث پر مبنی ہے۔ باقی رہی وہ روایت جو جوناگڑھی نے نقل کی ہے اس کی ہم توجیہ کرتے ہیں انکار نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں کہ عام اذان کا طریقہ تو احناف والا ہی تھا۔ باقی رہا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ تو وہ خاص ہے۔

(۲۴) تیمم کا مسئلہ یعنی کہنیوں تک ہاتھ ملنا

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن عمار ثم مسح بهما وجهه وكفيه (بخاری، مسلم، مشکوۃ ص ۵۴ جلد اول باب التیمم)

یعنی حضور ﷺ نے تیمم کا طریقہ سکھاتے ہوئے اپنے ہاتھ چہرے پر ملے اور دونوں پہنچوں پر اسی طرح یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے یہی حکم دیا۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ ہاتھوں کو پہنچوں تک نہ ملے بلکہ کہنیوں تک ملے چنانچہ حنفی مذہب فقہ کی معتبر کتاب ہدایہ جلد اول باب التیمم ص ۳۴ میں لکھا ہے وبالاخری یدیه الی المرفقین یعنی تیمم کے لیے جو دوسری ضرب لگائے اس سے دونوں ہاتھ کہنیوں تک ملے۔

حنفی بھائیو! میرے کلمہ گو بھائیو! خدا کی قسم اعتراض کے طور پر نہیں کہہ رہا۔ آپ کو ستانا یا شرمندہ کرنا یا الزام دینا مقصود نہیں۔ بلکہ مقصود آگاہ کرنا۔ حدیث پہنچانا۔ فقہ و حدیث کا مقابلہ دکھانا۔ اور حدیث کے عمل پر آمادہ کرنا ہے۔ خدا ہمیں اپنے رسول ؐ کا سچا تابعدار بنائے۔ آمین! کہو اب حدیث کو مانو گے یا فقہ کو؟ قول رسول ؐ کو لوگے یا قول امام کو۔ حدیث کے فعل پر عمل رہیگا یا فقہ کے فرمان پر؟ اگر کوئی اور حدیث کہنی تک کی ہو تو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔

(شمع محمدی ص ۶۱، ظفر المبین حصہ اول ص ۶۹، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۱۳۷)

جواب

جوناگڑھی نے یہ حدیث پہلے نمبر ۲۲ میں نقل کی ہے اس مسئلہ میں احادیث مختلف ہیں امام ابو حنیفہ مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

(۱) عن جابر بن عبد اللّٰه انه عليه السلام قال التيمم ضربة للوجه ضربة للذراعين الى المرفقين (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۸۰،

دار قطنی ج ا ص ۱۸۱)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تیمم میں ایک ضرب چہرہ کے لیے اور دوسری دونوں ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک۔

(۲) عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين (دار قطنی ج ا ص ۱۸۰)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تیمم میں دو ضربیں ہوتی ہیں۔ ایک چہرہ کے لیے اور ایک کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کے لیے۔

ہم نے یہاں پر دو احادیث نقل کردی ہیں جن میں کہنیوں کا ذکر موجود ہے باقی دلائل مسئلہ نمبر ۲۲ کے تحت گزر چکے ہیں وہاں پر ہی ملاحظہ فرمائیں۔

جوناگڑھی کا یہ کہنا کہ حنفی حدیث کے خلاف عمل کرتے ہیں بالکل جھوٹ ہے۔

(۲۵) ایک حدیث کے آدھے حصے کا اقرار اور آدھے حصے کا انکار

(یعنی فجر کی نماز کے دوران میں سورج کا طلوع ہو جانا اور عصر کی نماز کے دوران میں سورج کا غروب ہوجانا)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ادرک رکعة من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح ومن ادرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر (متفق علیہ مشکوة ص ٦١ باب تعجیل الصلوة)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جس نے صبح کی ایک رکعت آفتاب

کے نکلنے سے پہلے پالی اس نے صبح کی نماز پالی اور جس نے عصر کی ایک رکعت آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے پالی اس نے عصر کی نماز پالی۔ آپ کے سامنے یہ حدیث ہے۔ صبح اور عصر کا ایک ہی حکم ہے۔

اعتراض

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا۔ پھر نہ ماننے میں بھی یہ کمال ہے کہ اس کے ایک حصے کو مانتا بھی ہے یہ گنگا جمنی تسلیم اپنے اندر انوکھا رنگ رکھتی ہے چنانچہ حنفی مذہب کی معتبر کتاب ہدایہ جلد اول ص ۵۸ فصل فی الاوقات الخ میں ہے الا عصر یومه عند الغروب ---- بخلاف غیرھا من الصلوات یعنی اگر کسی نے سورج کے غروب کے وقت نماز عصر ادا کی تو ناجائز نہیں --- اور کسی نماز کا یہ حکم نہیں ۔ سنا آپ نے! عصر کی نماز تو جائز لیکن صبح کی ناجائز۔ حالانکہ حدیث میں دونوں کے جواز کا ذکر ہے ایک ہی حدیث ہے جس کے ایک حصے کو مان کر دوسرے کا انکار ہے۔ تعجب سا تعجب ہے اور افسوس ہے۔ اللہ رحم کرے۔ اگر یہ حدیث ماننے کے قابل ہے تو دونوں جملے ماننے کے قابل ہیں اگر ماننے کے قابل نہیں تو دونوں نہیں اگر مقبول ہے تو پوری مقبول ہے۔ مردود ہے تو پوری مردود ہے۔ یہ آدھا بٹیر کیسا؟ یہ موم ڈلی پھر ساتھ ہی سنگدلی۔ عجب بھول بھلیاں ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ یہ ایمان و انکار کا مجموعہ کیوں ہے؟ پس میرے بھائیو! توبہ کرو۔ حدیث پر ایمان رکھو جو اس کے خلاف ہو تم اس کے خلاف ہو جاؤ کہئے اب کیا ارادہ ہے ؟ حدیث کو مانو گے؟ یا فقہ کو؟

(شمع محمدی ص ۶۱، ظفر المبین حصہ اول ص ۷۴)

جواب

یہ اعتراض جوناگڑھی نے ظفر المبین سے سرکہ کیا ہے اس اعتراض کا جواب ہم فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین ص ٦٧ تا ۷۲ سے اعتراض اور اس کا مکمل جواب نقل کرتے ہیں۔

اعتراض

قال اور ایک مسئلہ امام اعظم کا مخالف پیغمبر ﷺ کی حدیث کے یہ ہے جو کہ ہدایہ اور شرح وقایہ اور کنز الدقائق اور رد المحتار شرح در المختار اور فتاوی عالمگیری اور فتاوی قاضیخان میں لکھا ہے۔

ولا صلوۃ جنازۃ لما روینا ولا سجدۃ تلاوۃ لانھا فی معنی الصلوۃ الا عصر یومہ عند الغروب یعنی آفتاب کے طلوع کے وقت اور غروب کے وقت اور جس وقت عین دوپہر ہو نماز اور سجدہ تلاوت کا اور نماز جنازے کی جائز نہیں ہے مگر آفتاب کے غروب کے وقت فقط اس دن کی نماز عصر کی تو البتہ جائز ہے الخ اقول معنی اس حدیث کے امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں اذا ادرک من لا یجب علیہ الصلوۃ رکعۃ من وقتھا لزمتہ تلک الصلوۃ وذلک فی الصبی یبلغ والمجنون والمغمی علیہ یفیقان والحائض والنفساء تطھران والکافر یسلم فمن ادرک من ھولاء رکعۃ قبل خروج الوقت لزمتہ تلک الصلوۃ یعنی جس وقت پاوے وہ شخص کہ واجب نہیں نماز اس پر مقدار ایک رکعت کے اس کے وقت سے تو لازم ہے اس کو یہ نماز اور یہ صورت لڑکے میں ہے کہ بالغ ہو جاوے اور مجنون اور بیہوش میں کہ افاقہ پا جائیں اور حائض اور نفاس میں کہ پاک ہو جائیں اور کافر میں کہ مسلمان ہو جاوے پس جو شخص ان میں سے ایک رکعت پہلے خارج ہوتے وقت کے پائے گا تو نماز اس پر واجب ہو جاوے گی انتہی۔ یعنی یہ حکم کافر وغیرہ میں ہے کہ ایسے وقت میں مسلمان ہو یا بالغ ہو کہ ایک رکعت کے مقدار وقت باقی ہو تو اس صورت میں نماز اس پر واجب ہو جائیگی اور پوری نماز پڑھنی لازم ہوگی یا یہ معنی حدیث کے ہیں جیسا کہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں اذا ادرک المسبوق مع الامام رکعۃ کان مدرکا الفضیلۃ الجماعۃ بلا خلاف یعنی جو شخص کہ بعد آکر ملے اور ایک رکعت امام کے ساتھ پائے تو وہ شخص جماعت کی فضیلت بلا خلاف پائے گا انتہی۔ یعنی یا اس

حدیث کو باعتبار فضیلت جماعت کے لیا جائے کہ جس کو ایک رکعت بھی جماعت کے ساتھ مل جائے گویا نماز پوری مل گئی اگر اس حدیث کے یہی معنی لیے جائیں گے کہ وقت طلوع آفتاب کے بھی نماز پڑھنی چاہیے تو یہ معنی دوسری حدیث کے جو مسلم میں آئی ہے مخالف ہو جائیں گے وہ حدیث یہ ہے ووقت صلوة الصبح من طلوع الفجر مالم تطلع الشمس فاذا طلعت الشمس فامسک عن الصلوة فانها تطلع بین قرنی الشیطن یعنی اور وقت نماز صبح کا طلوع فجر سے اس وقت تک ہے کہ جب تک آفتاب نے طلوع نہ کیا ہو پس وقت طلوع کرنے آفتاب کے ٹھہر جا تو نماز سے اس واسطے کہ تحقیق یہ آفتاب طلوع کرتا ہے درمیان دو قرنوں شیطان کے انتہی دوسری حدیث مسلم وغیرہ کی جو عقبہ بن عامر سے فتح القدیر میں لکھی ہے یہ ہے ثلث ساعات کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نهانا ان نصلی فیهن او نقبر فیهن موتانا حین تطلع الشمس بازغة حتی ترتفع وحین تقوم قائم الظهیرة حتی تمیل الشمس وحین تضیف للغروب حتی تغرب وهو انما یفید عدم الحل فی جنس الصلوة دون عدم الصحة فی بعضها بخصوصه والمفید لها انما هو قوله علیه السلام ان الشمس تطلع بین قرنی الشیطان فاذا ارتفعت فارقها ثم اذا استوت قارنها فاذا زالت فارقها وذا دنت للغروب قارنها واذا غربت فارقها ونهی عن الصلوة فی تلک الساعات رواه مالک فی الموطا والنسائی یعنی تین وقت رسول اللہ ﷺ ہم کو منع کرتے تھے نماز پڑھنے کو یا مردہ دفن کرنے کو ایک تو وقت طلوع آفتاب کے یہاں تک کہ اونچا ہو اور دوسرے وقت ٹھیک دوپہر کے یہاں تک کہ آفتاب ڈھلے اور تیسرے غروب ہونے کو جس وقت مائل ہو یہاں تک کہ غروب ہو جاوے اور یہ حدیث فائدہ دیتی ہے اس کا کہ جنس نماز کسی قسم کی ہو حلال نہیں نہ یہ کہ خاص بعضی نماز درست نہ ہو اور اس کا فائدہ دیتا ہے قول آنحضرت ﷺ کا کہ تحقیق آفتاب طلوع کرتا ہے

درمیان دو قرنوں شیطان کے پس جس وقت خوب بلند ہو جاتا ہے الگ ہو جاتا ہے اس سے شیطان پھر جس وقت برابر سر کے آجاتا ہے تو نزدیک ہو جاتا ہے اس کے پھر جس وقت ڈھل جاتا ہے اور جس وقت قریب غروب کے ہوتا ہے پھر شیطان اس کے پاس آجاتا ہے اور جب غروب ہوجاتا ہے جدا ہوجاتا ہے اور منع کیا ہے نماز سے ان وقتوں میں روایت کیا اس کو مالک نے موطا میں اور روایت کیا نسائی نے انتہی۔ اور یہ حدیثیں اس حدیث کے بعد وارد ہوئی ہیں چنانچہ کہا علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں وقال الحاوی ورود هذا الحديث اى حديث من ادرک کان قبل نهيه عليه السلام من الصلوة فی الاوقات المکروهة یعنی کہا امام طحاوی نے وارد ہونا اس حدیث کا یعنی حدیث من ادرک کا تھا پہلے ممانعت فرماتے آنحضرت ﷺ کی نماز سے اوقات مکروہ میں انتہی۔ اس لیے امام طحاوی اس حدیث کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں چنانچہ رد المختار میں لکھا ہے علی ان الامام الطحاوی قال ان الحديث منسوخ بالنصوص الناهية وادعى ان العصر يبطل ايضا كالفجر یعنی علاوہ اس کے یہ بات ہے کہ امام طحاوی نے کہا ہے کہ تحقیق یہ حدیث منسوخ ہے ساتھ احادیث ممانعت کرنی والی کے اور دعوی کیا اس کا عصر بھی باطل ہو جاوے گا مثل فجر کے انتہی۔ اور برہان شرح مواہب الرحمن میں لکھا ہے وزاد الطحاوی مخالفا للامام وصاحبيه عدم جواز عصر يومه كالفجر وسائر الواجبات مدعيا انتساخ كلها بالنصوص الناهية والا يلزم العمل ببعض الحديث وترک بعضه یعنی اور زیادہ کیا امام طحاوی نے درانحالیکہ وہ خلاف کرنے والے تھے امام صاحب و صاحبین کے نہ جائز ہونا اس روز کی عصر کا مثل فجر کے اور باقی واجبات کے اس حال میں کہ دعوی کرتے ہیں وہ کل ان احادیث کے منسوخ ہونے کا بسبب احادیث نہی کے ورنہ لازم آجائے گا عمل ساتھ بعض حدیث کے اور ترک بعض حدیث کا انتہی۔ اگر بالفرض منسوخ ہونے کو تسلیم نہ کیا جائے تو تعارض سے

خالی نہیں اس لیے کہ بعض حدیث میں نماز پڑھ لینا آیا ہے اور بعض میں ممانعت آئی ہے پس وقت تعارض کے دونوں حدیثوں پر عمل کرنا محال ہے اس لیے قیاس جس حدیث کو ترجیح دے گا اس حدیث پر عمل کیا جاوے گا۔ لمعات التنقیح میں ہے والجواب انه قد وقع التعارض بین هذا الحدیث وبین الاحادیث الواردة فی النهی عن الصلوة فی الاوقات الثلثة فانها تعم الفرض والنفل ولیست مخصوصة بالنفل کما زعمت الشافعیة وحکم التعارض بین الحدیثین الرجوع الی القیاس والقیاس رجح حکم هذا الحدیث فی صلوة العصر وحکم النهی فی صلوة الفجر کما ذکرنا ولیست الاحادیث فی النهی عن الثلثة مخصوصة بالنفل کالنهی عن الصلوة بعد الفجر والعصر کما زعمت الشافعیة لقوله صلی اللّٰه علیه وسلم من نام عن صلوة او نسیها فلیصلها اذا ذکرها فان ذلک وقتها ای اوله وبه یوفقون بین هذا الحدیث وتلک الاحادیث لان التخصیص خلاف الظاهر وظاهر الاحایث النهی عن الفرائض والنوافل یعنی اور جواب یہ ہے کہ تحقیق تعارض واقع ہوا اس حدیث میں اور ان احادیث میں جن میں تین وقتوں میں نماز کی ممانعت وارد ہے کیونکہ وہ شامل ہیں فرض اور نفل کو اور نہیں خاص ہیں نفل کے ساتھ جیسا کہ گمان کیا ہے شافعیہ نے اور حکم تعارض کا درمیان دو حدیثوں کے رجوع کرنا ہے طرف قیاس کے اور قیاس نے اس حدیث کے حکم کو صلوۃ عصر کے جواز میں ترجیح دی اور حکم نہی کو نماز فجر کے عدم جواز میں ترجیح دی جیسا کہ ذکر کیا ہم نے اور تین وقتوں میں نماز کی ممانعت کی حدیثیں نفل کے ساتھ خاص نہیں مثل حدیث ممانعت کے بعد فجر اور عصر کے جیسا کہ گمان کیا اس کا شافعیہ نے بوجہ ارشاد آنحضرت ﷺ کے کہ جو شخص سو جاوے نماز سے یا بھول جاوے اس کو پس چاہیے کہ پڑھے اس کو جب یاد آوے اس واسطے کہ تحقیق یہی وقت اس کا ہے یعنی اول وقت ہے اور اسی سے توفیق

دیتے ہیں فقہائے محدثین درمیان اس حدیث کے اور ان احادیث کے اس وجہ سے کہ تخصیص کرنا ساتھ نقل کے خلاف ظاہر کے ہے اور ظاہر احادیث کا نہی ہے فرائض اور نوافل سے انتہی۔ اسی طرح کہا علامہ عینی اور علامہ ابن ہمام نے اور حدیث میں بھی جو علت بیان کی ہے عام معلوم ہوتی ہے چنانچہ فتح القدیر کی عبارت میں ذکر اس کا ہوچکا ہے اس کے بعد لمعات میں لکھا ہے وقال بعض اصحابنا احادیث النهی ناسخة لهذا الحدیث وکان وروده قبل النهی ومقتضاه ان یبطل العصر ایضا بما ذکرنا فجوزنا فی العصر هذا وقد روی عن ابی یوسف ان الفجر لا یفسد بطلوع الشمس یعنی کہا ہمارے بعض اصحاب نے حدیثیں نہی کی ناسخ ہیں اس حدیث کی اور تھا ورود اس حدیث کا قبل وارد ہونے نہی کے اور مقتضی اس قول کا یہ ہے کہ نماز عصر بھی باطل ہو جائے لیکن ہم نے اس کی علت بیان کردی پس جائز رکھا ہم نے عصر میں اس کو اور تحقیق روایت کی گئی ہے امام ابو یوسف سے یہ کہ بے شک نماز فجر نہیں فاسد ہوتی طلوع آفتاب سے انتہی۔ اور فتح المنان میں لکھا ہے کہ فجر کا کل وقت کامل ہے پس جب نماز اس وقت میں شروع کرے گا کامل ہی واجب ہوگی پس جبکہ طلوع سے نقصان عارض ہوا تو جیسی نماز واجب ہوئی تھی ویسی ادا نہیں ہوئی بخلاف عصر کے اس لیے کہ آخر وقت اس کا ناقص ہے کیونکہ وقت مکروہ ہے پس جبکہ شروع کرے گا اس وقت میں تو ناقص واجب ہوگی پھر جب کہ غروب سے نقصان عارض ہوگا تو وہ جیسے واجب ہوئی تھی ادا ہو جائے گی۔ انتہی۔ اس کے بعد چند دلائل اور بیان کیے ہیں پھر اخیر بحث میں لکھا ہے وبما ذکرنا علم ان مذہب الحنفیة بنی علی التحقیق والتدقیق وان قیاساتهم ودلائلهم العقلیة لیست فی مقابلة النصوص بل لترجیح بعض الاحادیث علی بعض کما اشرنا الیه فی مواضع یعنی وجہ مذکور سے جانا گیا کہ بے شک مذہب حنفیہ کا تحقیق اور تدقیق پر بنا کیا گیا ہے اور یہ کہ قیاسات ان کے اور دلائل عقلیہ ان کے

احادیث کے مقابل نہیں بلکہ واسطے ترجیح دینے بعض احادیث کے ہیں اوپر بعض کے چنانچہ اس کا اشارہ ہم بہت جگہ کر چکے ہیں انتہی۔ اور شرح وقایہ میں ہے فالقیاس رجح هذا الحدیث فی صلوة العصر وحدیث النھی فی صلوة الفجر واما سائر الصلوة فلا یجوز فی الاوقات الثلث لحدیث النھی اذلا معارض لحدیث النھی فیھا یعنی پس قیاس نے ترجیح دی اس حدیث کو نماز عصر میں اور حدیث نہی کو نماز فجر میں اور لیکن تمام نمازیں پس نہیں جائز ہیں اوقات ثلاثہ میں بوجہ حدیث نہی کے اس واسطے کہ حدیث نہی کا ان وقتوں میں کوئی معارض نہیں انتہی۔ اور مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھا ہے کہ جزو مقارن ادا کا سبب ہے وجوب نماز کا اور آخر وقت عصر کا ناقص ہے اس لیے کہ وہ وقت ہے پرستش آفتاب کا پس واجب ہوگی نماز ناقص جب ادا کرے گا تو جیسا کہ نماز واجب ہوئی ہے ویسے ہی ادا کرے گا۔ پس فساد بسبب غروب کے آجائے گا تو فاسد نہ ہوگی اور فجر کا کل وقت کامل ہے اسی لیے کہ آفتاب قبل طلوع کے پرستش نہیں کیا جاتا پس کامل واجب ہوگی پس جب طلوع سے فساد طاری ہوگا تو فاسد ہو جائے گی اس لیے کہ جیسے واجب ہوئی تھی ادا نہیں ہوئی۔ پس اگر کہا جائے کہ یہ علت مقابل حدیث کے ہے تو کہوں گا میں کہ جب احادیث میں تعارض واقع ہوا پس قیاس نے اس حدیث کو نماز عصر میں ترجیع دی اور حدیث نہی کو نماز فجر میں ترجیع دی لیکن اور نمازیں پس نہیں جائز ہیں اوقات ثلاثہ میں بسبب حدیث ممانعت کے اس واسطے کہ حدیث نہی کا اور نمازوں میں کوئی معارض نہیں انتہی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یا تو ان احادیث سے وہ معنی لیے جائیں جو شرح مسلم سے نقل ہوئے یا ان کو منسوخ کہا جاوے چنانچہ یہی مذہب امام طحاوی کا ہے یا بوجہ تعارض کے بعض کو بعض پر ترجیح دی جائے لازم نہیں آتی۔

(۲۶) مغرب سے پہلے کی سنتوں کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن عبد اللہ ابن مغفل قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوا قبل صلوۃ المغرب رکعتین صلوا قبل صلوۃ المغرب رکعتین قال فی الثالثۃ لمن شاء کراھیۃ ان یتخذھا الناس سنۃ (متفق علیہ مشکوۃ جلد اول ص ۱۰۴ باب السنن)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مغرب کے فرضوں سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرلیا کرو۔ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لیا کرو۔ تیسری دفعہ کے حکم کے ساتھ ہی فرمایا جو چاہے اس بات کی ناپسندیدگی کی وجہ سے کہ لوگ اسے واجب نہ بنالیں۔ صحابہؓ کرام اس فرمان پر اس قدر عامل تھے کہ اذان مغرب ہوتے ہی ان دو رکعتوں کو پڑھنے لگتے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی ناواقف انجان آجائے تو شاید یہ سمجھ لے کہ نماز مغرب کی جماعت ہو چکی۔ یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے اور حدیث میں ہے کہ یہ ہم دو رکعتیں حضورؐ کے دیکھتے ہوئے پڑھا کرتے تھے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان حدیثوں کو بھی حنفی مذہب نہیں مانتا۔ رسول اللہ ﷺ ان رکعتوں کے پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ حنفی مذہب ان سے روکتا ہے چنانچہ فقہ کی زبردست بہت بڑی کتاب ہدایہ جلد اول ص ۷۰ کتاب الصلوۃ میں ہے ولا یتنفل بعد الغروب قبل الفرض یعنی سورج غروب ہو جانے کے بعد مغرب کی نماز فرضوں سے پہلے نفل نہ پڑھے۔ حنفی بھائیو! کہو اب حدیث مانو گے؟ یا فقہ؟

(شمع محمدی ص ۶۲، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۱۲، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۴ و ص ۱۳۵)

جواب

مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کے متعلق روایات دونوں

طرح ہیں بعض روایات میں پڑھنے کا ذکر ہے اور بعض روایات میں نہ پڑھنے کا۔ اس وجہ سے صحابہ کرام' تابعین عظام اور ائمہ میں بھی اختلاف ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں

وفی المسئلة مذہبان للسلف فاستحبهما جماعة من الصحابة والتابعين ومن المتاخرين احمد واسحق ولم يستحبهما ابوبكر وعمر وعثمان وعلی وآخرون من الصحابة ومالک واكثر الفقهاء (نووی شرح مسلم جلد ا ص ۲۷۸)

اس مسئلہ میں سلف کے دو مذہب ہیں ایک گروہ اس کو مستحب کہتا ہے۔ اس میں صحابہؓ' تابعینؒ اور فقہاء متاخرین ہیں۔ امام احمدؒ اور اسحقؒ ہیں۔ دوسرا گروہ ان کے پڑھنے کو مستحب نہیں قرار دیتا۔ اس گروہ میں حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ' حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ (یعنی تمام خلفائے راشدین) اور دوسرے صحابہؓ امام مالک اور اکثر فقہاء کرام ہیں۔ (اور احناف بھی اس کے قائل ہیں "مشتاق")

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں۔

اور اختلاف کیا ہے اصحاب رسول ﷺ نے مغرب کے قبل کی نماز میں۔

جو لوگ ان دو نفلوں کے پڑھنے کو صرف مباح قرار دیتے ہیں سنت یا مستحب نہیں سمجھتے وہ مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا دو اذانوں کے درمیان نماز ہے سوائے مغرب کے۔ (کشف الاستار ص ۳۳۴ ج ۱)

(۲۷) غائبانہ جنازہ کی نماز کا مسئلہ

جوناگڑھی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ابی هريرة ان النبی صلی الله عليه وسلم نعی للناس النجاشی اليوم الذی مات فيه وخرج بهم الی المصلی فصف بهم

وکبر اربع تکبیرات (متفق علیہ مشکوۃ شریف ص ۱۴۴ جلد اول باب المشی بالجنازۃ الخ)

یعنی حضور ﷺ نے شاہ حبش نجاشیؒ کے انتقال کی خبر جس دن وہ اپنے وطن میں انتقال کر گئے صحابہؓ کو دی اور انہیں لیکر عیدگاہ پہنچ کر ان کی صفیں باندھ کر نماز جنازہ غائبانہ چار تکبیروں سے ادا کی یہ حدیث صحیح ہے صریح ہے کہ نماز جنازہ غائبانہ حضورؐ نے پڑھی۔

اعتراض

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ نماز جنازہ غائبانہ پڑھنی نہ چاہیے۔ چنانچہ حنفی مذہب کی معتبر کتاب در مختار جلد اول باب صلوۃ الجنائز میں ہے فلا تصح علی غائب یعنی جنازہ غائبانہ صحیح نہیں برادران! اب کیا اس حکم کو مان کر کہو گے کہ نماز رسولؐ صحیح نہیں ہوئی ؟ یا کہو گے کہ یہ قول جو خلاف پیغمبرؐ ہے صحیح نہیں؟

(شمع محمدی ص ۶۳' اختلاف امت کا المیہ ص ۵۹' فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۱۳۳' سبیل الرسول ص ۲۳۵)

جواب

(۱) آنحضرت ﷺ کے کئی صحابہ کا ملک عرب میں وصال ہوا مگر آپؐ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی آپؐ کی پوری زندگی میں ایک بھی مثال کسی صحیح سند سے نہیں ملتی۔

(۲) خود آنحضرت ﷺ کے وصال پر کسی صحابی نے آپؐ کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی۔

(۳) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دور خلافت میں کسی کی نماز جنازہ غائبانہ ادا نہیں فرمائی۔

(۴) حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وصال پر کسی ملک میں آپؓ کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھائی گی۔

(۵) حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں کسی کی نماز جنازہ غائبانہ ادا نہیں فرمائی۔

(۶) حضرت عمرؓ کی شہادت پر کسی ملک میں آپؓ کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھائی گئی۔

(۷) حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں کسی کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔

(۸) حضرت عثمانؓ کی شہادت پر کسی ملک میں آپؓ کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھائی گئی۔

(۹) حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں کسی کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھائی۔

(۱۰) حضرت علیؓ کی شہادت پر کسی ملک میں ان کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھائی گئی۔

(۱۱) امہات المومنین کے وصال پر کسی ملک میں نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھائی گئی۔

(۱۲) آنحضرت ﷺ کی اولاد اطہار کی وفات پر تمام علاقوں میں جنازہ غائبانہ نہ پڑھا گیا۔

اسلام میں ان ہستیوں سے بڑھ کر اور کوئی ہستیاں نہیں گزریں۔ ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی اگر غائبانہ نماز جنازہ سنت ہوتا تو ان کا ضرور بضرور پڑھا جاتا۔ اگر کسی غیر مقلد میں ہمت ہے تو صرف ایک ہی حدیث پیش کرے۔

مگر غیر مقلد ایک حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش کرنے سے عاجز ہیں تو معلوم ہوا کہ نماز جنازہ غائبانہ نہ پڑھنا ہی سنت متواترہ ہے اور سنت متواترہ کے خلاف کوئی حدیث خبر واحد مل بھی جائے تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اس کو قبول نہ کرو (الکفایہ)

جس حدیث سے جوناگڑھی نے دھوکا دینے کی کوشش کی ہے اس میں نہ غائب کا لفظ نہ حضور ﷺ نے فرمایا ہم نے غائبانہ جنازہ پڑھا نہ صحابہ نے کہا ہم نے غائبانہ جنازہ پڑھا جوناگڑھی نے قیاس سے یہ مسئلہ نکال لیا۔

نجاشی پر آنحضرت ﷺ کا نماز جنازہ پڑھنا حق بات یہ ہے کہ

۱۔ یہ آپ کی خصوصیات میں داخل ہے۔

۲۔ یا اس پر نماز جنازہ اس لیے پڑھا گیا کہ اس کے وطن میں عیسائی لوگ تھے اس لیے اس پر آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی۔

۳۔ یا اس لیے کہ اس کی نعش کسی نہ کسی وجہ سے حاضر تھی یا تو اس کی میت آپ کے سامنے کردی گئی تھی۔ آپ اس کو دیکھ رہے تھے۔ گو صحابہ کرامؓ کو نظر نہیں آتی تھی یا آپ کے سامنے سے پردہ ہٹا کر آپ کو دکھا دی گئی تھی۔

۴۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

وقال بعض العلماء انما صلی علیه لانه یکتم ایمانه من قومه فلم یکن عنده یوم مات من یصلی علیه فلهذا صلی علیه (ص) قالوا فالغائب ان کان قد صلی علیه ببلدة لا تشرع الصلوة علیه ببلدة اخری ولهذا لم یصلی النبی (ص) فی غیر المدینة لا اهل مکة ولا غیرهم وهکذا ابوبکر وعمر وعثمان وغیرهم من الصحابة لم ینقل انه صلی علی احد منهم فی غیر البلدة التی صلی علیه فیها فاالله اعلم (البدایه والنهایه ج ۳ ص ۷۸) بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ نجاشیؒ پر آنحضرت ﷺ نے جنازہ اس لیے پڑھا تھا کہ وہ اپنے ملک حبشہ میں اپنا ایمان اپنی قوم سے چھپاتا تھا اور جس دن وہ فوت ہوا اس دن اس کے پاس وہاں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو اس پر نماز جنازہ پڑھتا اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھا (ایسا ہی اگر کسی پر جنازہ کی نماز نہ پڑھی گئی ہو تو پھر غائبانہ اس پر نماز پڑھنی درست ہوگی) علماء نے کہا ہے کہ غائب پر اگر اس کے شہر میں نماز

جنازہ پڑھی گئی ہو تو پھر کسی دوسرے شہر میں اس پر نماز جنازہ مشروع نہیں ہے اسی لیے آنحضرت ﷺ نے مدینہ کے علاوہ کسی پر نماز جنازہ (غائبانہ) نہیں پڑھی نہ اہل مکہ پر اور نہ ان کے علاوہ دوسروں پر اور اسی طرح حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ وغیرہم صحابہؓ نے بھی کسی کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا اور ان سے یہ منقول نہیں کہ ان میں سے کسی نے اس شہر کے علاوہ جس میں اس میت پر نماز جنازہ پڑھی گئی ہو کسی پر نماز جنازہ پڑھی ہو۔

اس کے علاوہ معاویہ مزنیؓ کے بارہ میں جو منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی جیساکہ

عن ابی امامة الباهلی رضی الله عنه قال اتی رسول الله صلی الله علیه وسلم جبرائیل علیه السلام وهو بتبوک فقال یا محمد اشهد جنازة معاویة المزنی قال فخرج رسول الله صلی الله علیه وسلم نزل جبرائیل علیه السلام فی سبعین الفا من الملئکة فوضع جناحه الایمن علی رؤوس الجبال فتواضعت ووضع جناحه الایسر علی الارضین فتواضعت ختی نظر مکة والمدینة فصلی علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم وجبرائیل والملئکة علیهم السلام فلما فرغ قال یا جبرائیل بم بلغ معاویة هذه المنزلة؟ قال بقرائته قل هو الله احد قائما وقاعدا وراکبا وماشیا (عمل الیوم ولیلہ لابن سنی ص ۷۵، ۷۶)

حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اس وقت آپ تبوک کے مقام میں تھے، جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمد! آپ حاضر ہوں معاویہ مزنیؓ کے جنازہ میں آنحضرت ﷺ جنازہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے اور جبرائیل علیہ السلام اترے ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنا دایاں بازو پہاڑوں پر رکھ دیا، تو پہاڑ پست ہوگئے اور بایاں بازو زمینوں پر رکھ دیا تو وہ بھی پست (ہموار) ہوگئیں یہاں تک کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ نظر

آنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی اور جبرائیل اور فرشتوں نے بھی نماز جنازہ پڑھی جب آنحضرت ﷺ فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا اے جبرائیل! کس وجہ سے معاویہؓ اس مرتبہ تک پہنچا ہے۔ جبرائیل علیہ اسلام نے کہا یہ قل ھو اللہ احد (سورہ اخلاص) کھڑے ' بیٹھے' سوار ' پیدل چلتے وقت یعنی ہر حال میں اس سورۃ مبارکہ کو پڑھتا رہتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ مرتبہ دیا ہے۔

اس روایت کے بارہ میں محدثین کرام کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ

منکر روایت ہے لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں اگر اس کو کسی درجہ تک استدلال کے قابل بھی سمجھ لیا جائے تو اس میں دوسری بات یہ ہے کہ یہ جنازہ غائب پر نہیں تھا بلکہ زمین کے پردوں کو ہٹا کر اس کو سامنے کر دیا گیا تھا۔

اور یہی بات نجاشی کے جنازہ میں بھی پیش آئی تھی۔ چنانچہ محدثین کرام یہ کہتے ہیں کہ "نجاشی" اور معاویہ مزنیؓ حضور ﷺ کا نماز جنازہ پڑھنا یہ آپ کی خصوصیات سے تھا کیونکہ ان دونوں کو آپ کے سامنے حاضر کردیا گیا تھا اور آپ نے ان دونوں کا معائنہ کیا تو ایسی صورت میں پیچھے نماز پڑھنے والے کی حالت ایسی ہوگی جس میت کو مقتدیوں کے علاوہ امام دیکھ رہا ہو اور یہ چیز ایسی ہے جو اقتداء کو درست ٹھراتی ہے۔

امام ابن عبد البرؒ نے بھی کتاب التمہید میں لکھا ہے کہ

اکثر اہل علم اس کو حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں نجاشی کی میت کو آپ کے سامنے حاضر کر دیا گیا تھا۔ اس کا مشاہدہ کیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی یا اس کا جنازہ آپ کے سامنے اس طرح بلند کردیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے بسامنے ظاہر کردیا تھا جب کہ قریش نے آپ سے سوال کیا تھا اسی طرح ابن عبد البرؒ نے حضرت عمران بن حصینؓ کی

روایت نقل کی ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا بھائی نجاشی وفات پا گیا ہے۔ اس پر نماز جنازہ پڑھو آنحضرت ﷺ کھڑے ہوئے اور ہم لوگ بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے صفیں بنائیں آپ نے چار تکبیرات پڑھیں اور ہم بھی گمان کرتے تھے کہ جنازہ آپ کے سامنے ہے۔

اگر غائب پر نماز جنازہ جائز ہوتی تو آنحضرت ﷺ اپنے ان اصحاب پر نماز جنازہ ضرور پڑھتے جو مدینہ سے باہر فوت ہو چکے تھے اور مسلمان بھی شرقا وغربا خلفاء راشدین پر نماز جنازہ پڑھتے حالانکہ کسی سے یہ منقول نہیں (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۹۶)

علامہ شوکانیؒ کہتے ہیں کہ

"اعذار میں سے ان محدثین اور فقہاء کا قول ہے کہ اس (نجاشی) کے جنازہ کو آپ کے سامنے منکشف کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ آپ نے اس کو دیکھ لیا تو اس کا حکم اس شخص کا ہوگا جس کو امام کے سامنے حاضر کر دیا گیا ہو جس کو امام تو دیکھتا ہے لیکن مقتدی اس کو نہیں دیکھتے" ایسی صورت میں نماز جنازہ پڑھنا بلا خلاف جائز ہے۔

اور اس سلسلہ میں استدلال واحدی کی بات سے کیا ہے جس کو بغیر سند کے اس نے عبد اللہ بن عباسؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ

آنحضرت ﷺ کے سامنے نجاشی کی نعش کو ظاہر کر دیا گیا تھا آپ نے اس کو دیکھا اور نماز جنازہ پڑھی اور ابن حبانؒ نے جو حدیث حضرت عمران بن حصینؓ سے نقل کی ہے کہ صحابہ کرامؓ کھڑے ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے صفیں بنائیں اور صحابہ کرامؓ یہی خیال کرتے تھے کہ جنازہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ہے۔

اور ابو عوانہؒ نے بھی ابان وغیرہ عن یحییٰؒ کے طریق سے جو روایت بیان کی ہے کہ ہم نے نماز جنازہ آنحضرت ﷺ کے پیچھے پڑھی اور ہم یہی خیال

کرتے تھے کہ جنازہ ہمارے سامنے ہے۔

اور اعذار میں سے یہ بھی ہے کہ یہ نماز جنازہ نجاشی کے ساتھ مخصوص تھا اس لیے کہ یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آنحضرت ﷺ نے کسی غائب میت پر سوائے نجاشی کے نماز جنازہ پڑھی ہو۔ (نیل الاوطار ص ۵۴ ج ۴)

(۲۸) اکہری تکبیر کا مسئلہ

جوناگڑھی نے اس مسئلہ کے تحت ایک حدیث پیش کی ہے۔

عن انس .... امر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ الا الاقامۃ (متفق علیہ مشکوۃ جلد اول ص ۶۳ باب الاذان)

یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا گیا کہ اذان کے کلمات دوہرے کہیں اور تکبیر کے کلمات سوائے قد قامت الصلوۃ کے اکہرے کہیں۔ یہ بخاری مسلم کی حدیث ہے اور صاف ہے کہ تکبیر اکہری کہنی چاہیے۔ ابوداؤد' نسائی دارمی وغیرہ میں یہ لفظ بھی ہیں کہ کلمات تکبیر ایک ایک مرتبہ کہے سوائے قد قامت الصلوۃ کے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن اس سرے سے اس سرے تک حنفیوں میں پھر آیئے۔ ایک حنفی عالم غالبا ایسا نہ نکلے گا جو اسے مانے ہزاروں لاکھوں حنفیوں میں سے ایک بھی اسے نہیں مانتا۔ نہ اس پر عمل کرنا جائز جانتا ہے۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ حنفی مذہب اس کے برخلاف ہے چنانچہ ہدایہ باب الاذان ص ۷۰ جلد اول میں ہے والاقامۃ مثل الاذان یعنی تکبیر بھی اذان کی طرح (یعنی دوہری) کہے۔ حنفی بھائیو! اب کہئے کیا آپ حدیث مانیں گے؟ یا فقہ ؟ کیا کلام الرسول ؐ کی عزت کریں گے یا کلام امتی کی؟ برادران مانا کہ ایک حدیث میں تکبیر کا دوہرا کہنا بھی ہے گو وہ صحت میں اس پایئے کی نہ ہو لیکن اس کے برابر مان لینے کے بعد بھی کیا کسی کو یہ حق حاصل ہے ؟ کہ اس حدیث سے انکار کر جائے؟

اگر حدیث ہونے کے اعتبار سے وہ قابل عمل و عقیدہ ہے تو یہ کیوں نہ ہو؟ الحمد للہ اہلحدیث ایسے موقع پر سب کو مانتے ہیں۔ اور ان کے ثبوت و صحت کی حیثیت کے مطابق سب کو قابل عمل جانتے ہیں اسی طرح جس مسئلے میں جو حدیثیں ہوں اہلحدیث ان کو بٹوارہ نہیں کرتے بلکہ سب کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں میں پہلے بھی ظاہر کر چکا ہوں پھر بھی سن لیجئے کہ اس مضمون سے ہمارا مقصد صرف اس قدر ہے کہ ان حدیثوں کو آپ حنفی بھائیوں نے مل جل کر چھوڑ رکھا ہے اور یہ بالکل خلاف اسلام کام ہے اس لیے ان چیزوں کو سامنے کر کے ہماری گذارش ہے کہ اولا تو آپ اس دھوکے سے نکل جائیں جو خوب زوروں سے پھیلایا گیا ہے کہ فقہ حنفیہ بتمامہ حدیث ہے یعنی فقہ میں کوئی مسئلہ خلاف حدیث نہیں دوسرے یہ کہ آپ جان لیں کہ مقلد محض ہونے میں آپ کو کتنی حدیثوں کا جواب دینا پڑتا ہے؟ اور کس طرح بخاری مسلم کی صحیح صحیح روایتوں کو آپ کو کھلم کھلا چھوڑنا پڑتا ہے؟ خدا ہمیں نیک توفیق دے۔

(شمع محمدی ص ۶۴' ظفر المبین حصہ دوم ص ۴۳' اختلاف امت کا المیہ ص ۶۰' فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۱۳۷' احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۱۲' مقلدین ائمہ کی عدالت میں ص ۲۱۲' سبیل الرسول ص ۲۳۶)

جواب

جونا گڑھی نے ہدایہ سے یہ عبارت نقل کی ہے والاقامۃ مثل الاذان اس کی دلیل میں صاحب ہدایہ نے لکھا تھا ھکذا فعل الملک النازل من السماء (ہدایہ ص ۸۷) صاحب ہدایہ نے بات صاف کردی ہے کہ یہ اقامت کسی فقیہ نے معاذ اللہ گھر سے نہیں گھڑی بلکہ اصل اذان و اقامت اس فرشتے کی ہے جس نے حضرت عبد اللہ بن زیدؓ کو اذان سکھائی تھی اس فرشتہ نے اقامت مثل اذان سکھائی تھی ۔ جونا گڑھی نے آگے والی عبارت چھوڑ دی۔

(۱) حضرت عبد اللہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ اس فرشتے کی اذان اور اقامت دونوں دوہری دوہری تھیں (ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۳۶ عبد الرزاق ج ۱ ص ۴۶۱ و ۴۶۲، آثار السنن ج ۱ص ۵۲ وسندہ صحیح ہذا اسناد فی غایتہ الصحتہ المحلی ابن حزم ج ۲ ص ۱۵۸ حافظ ابن دقیق العید کہتے ہیں رجالہ الصحیح نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۶۷ ابوداؤد ج ۱ ص ۷۵)

(۲) حضرت عبد اللہ بن زید فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ کی اذان واقامت دو مرتبہ تھی (ترمذی ج ۱ ص ۲۷)

(۳) حضرت ابومحذورہ فرماتے ہیں مجھے آنحضرت ﷺ نے اذان و اقامت دو دو مرتبہ سکھائی (عبد الرزاق ج ۱ ص ۴۵۸)

(۴) عبد العزیز بن رفیع فرماتے ہیں میں نے ابومحذورہؓ کی اذان و اقامت سنی دونوں دو دو مرتبہ تھیں (طحاوی ج ۱ ص ۹۳)

(۵) حضرت سلمہ بن الاکوعؓ بھی اذان واقامت دوہری کہتے تھے (دار قطنی واسنادہ صحیح، آثار السنن ج ۱ ص ۵۳)

(۶) حضرت ابراہیم فرماتے ہیں حضرت ثوبانؓ کی اذان واقامت دوہری دوہری ہوتی تھی (عبد الرزاق ج ۲ ص ۴۶۲)

(۸) حضرت سوید بن غفلۃ فرماتے ہیں میں نے حضرت بلالؓ کو اذان واقامت کہتے سنا ان کی اذان واقامت دو دومرتبہ ہوتی تھی (رواہ الطحاوی واسنادہ حسن، آثار السنن ج ۲ ص ۵۳)

(۹) حضرت ابوجحیفہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ نبی پاک ﷺ کے لیے اذان بھی دو دو مرتبہ اور اقامت بھی دو دو مرتبہ کہا کرتے تھے (رواہ دار قطنی والطبرانی) محدث طحاویؒ فرماتے ہیں حضرت بلالؓ کا دوہری اقامت کہنا تواتر سے ثابت ہے (طحاوی ج ۱ ص ۹۴)

(۱۰) حضرت علیؓ کا موذن اقامت دو دو مرتبہ کہا کرتا تھا (عبد الرزاق ج ۱ ص ۴۶۳)

(۱۱) حضرت سعد بن قیس کہتے ہیں بے شک حضرت علی ۔ اذان واقامت دو دو مرتبہ کہا کرتے تھے ایک دن ایک موذن کو سنا جس نے ایک ایک مرتبہ کہی حضرت علیؓ نے فرمایا تو نے دو دو مرتبہ کیوں نہ کہی تیری ماں مر جائے۔ (ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۳۸)

(۱۲) ابو اسحاق کہتے ہیں اصحاب علیؓ اور اصحاب عبد اللہ بن مسعودؓ سب کے سب اذان اور اقامت دو دو مرتبہ کہا کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ)

(۱۳) حضرت امام سفیان ثوریؒ نے منی میں اذان واقامت کہی جو دو دو مرتبہ تھی (عبد الرزاق ج ا ص ۴۶۲)

(۱۴) مجاہد فرماتے ہیں کہ ایک ایک مرتبہ اقامت کہنا امراء (بنی امیہ) کی تخفیف ہے اقامت تو دو مرتبہ ہی ہے۔ (عبد الرزاق ج ا ص ۴۶۳' ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۳۸' طحاوی ج ا ص ۹۵ قط ص ۸۹)

(۱۵) امام محمدؒ سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ امام ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا سب سے پہلے جس نے اقامت میں کمی کی وہ معاویہ بن ابی سفیان تھے (کتاب الحجہ علی اھل المدینہ ج ا ص ۸۴)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اور خلفائے ثلاثہ کے دور میں سنت متواترہ دوہری اقامت ہی تھی حضرت علیؓ اور آپ کے تمام اصحاب حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے تمام اصحاب میں بھی دوہری اقامت ہی متوارث تھی۔ بعض اموی امراء نے اختصار سے کام لے کر اقامت اکہری بنالی۔ پس ثابت ہوا کہ دوہری اقامت احناف نے گھر سے نہیں گھڑی آنحضرت ﷺ کے سب موذن حضرت ابو محذورہؓ حضرت بلالؓ حضرت ثوبانؓ حضرت سلمہ بن الاکوعؓ دوہری اقامت ہی کہا کرتے تھے اور یہی خلافت راشدہ میں رائج تھی۔ خلافت راشدہ کے بعد بعض اموی امراء نے اکہری تکبیر نکالی اور اپنے دور حکومت سے اس کو رواج دیا۔

جوناگڑھی نے سنتوں کے مٹانے پر کمر باندھ رکھی ہے وہ جس حدیث سے دھوکا دے رہے ہیں ان میں اگر کلمات مراد لیے جائیں تو سنت متواترہ کے خلاف ہوگی خود ان کے عمل کے بھی خلاف ہوگا کیونکہ وہ اذان میں اللہ اکبر چار مرتبہ کہتے ہیں نہ کہ دو مرتبہ اور اقامت میں اللہ اکبر دو مرتبہ کہتے ہیں نہ کہ ایک مرتبہ اس لیے اس حدیث میں شفع سے مراد یہ ہوگا کہ اذان کے کلمات دو سانس میں ہوں اقامت کے ایک سانس سے۔

(اذان)

اللہ اکبر اللہ اکبر　　اللہ اکبر اللہ اکبر (شفع)

اشھد ان لا الہ الا اللہ　　اشھد ان لا الہ الا اللہ

اشھد ان محمدا رسول اللہ　　اشھد ان محمدا رسول اللہ

حی علی الصلوۃ　　حی علی الصلوۃ (دو مرتبہ)

حی علی الفلاح　　حی علی الفلاح (دو مرتبہ)

اللہ اکبر اللہ اکبر

لا الہ الا اللہ

(اقامت)

اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر وتر

اشھد ان لا الہ الا اللہ دونوں ایک سانس سے وتر

اقامت میں یہ دونوں کلمے ایک ہی سانس میں کہے۔

پس اس تطبیق سے احادیث میں کوئی اختلاف نہ رہا ان سے کلمات مراد لینا اموی امراء کی بناوٹ ہے جوناگڑھی صاحب فقہ کا مسئلہ تو حدیث سے ثابت ہوگیا مگر اپنے فرقہ کو دیکھیں آنحضرت ﷺ تو فقہ کو خیر فرماتے ہیں (بخاری ج ۱ ص ۱۸) مگر آپ نے کتاب کا نام رکھا ہے اظہار الطیب والخبیث بتقابل الفقہ والحدیث بتائیے اس نام میں فقہ کو خبیث کہا گیا ہے یا حدیث کو جس کو بھی خبیث کہا گیا ہے یقیناً حدیث کے مخالف ہے ورنہ قرآن و حدیث

میں دکھاؤ کہاں فقہ کو خبیث کہا گیا ہے۔
جونا گڑھی کا یہ کہنا کہ حنفی حدیث کا انکار کرتے ہیں بالکل جھوٹ ثابت ہوا ہم مختلف احادیث میں تطبیق دیکر جو پہلو زیادہ بہتر ہو اس کو ترجیح دیتے ہیں۔ (ماخوذ مجموعہ رسائل جلد دوم)

(۲۹) شراب کا سرکہ

جونا گڑھی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔
عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن الخمر یتخذ خلا فقال لا (رواہ مسلم۔ مشکوۃ باب بیان الخمرالخ ص ۳۱۷ جلد دوم)
یعنی امام الانبیاء حضرت محمد مصطفے ﷺ سے فتوی لیا گیا کہ کیا شراب کا سرکہ بنالیا جائے؟ تو آپ نے فتوی دیا کہ ہرگز نہیں۔ ہے کوئی جو اس کی سند میں کوئی عیب نکال سکے؟ ہے کوئی جو اس کے معنی میں کوئی اینچ پیچ کر سکے؟ صحیح ہے صریح ہے کہ شراب کا سرکہ بنانا حرام ہے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
لیکن سارے حنفی اللہ کے رسول کے اس حرام کو حلال بنائے ہوئے ہیں۔ ایک حنفی نہیں جو اس حدیث کو مانتا ہو دیکھئے حنفی مذہب کی مقبول عام کتاب ہدایہ ص ۴۸۳ جلد چہارم کتاب الاشربہ میں ہے واذا تخللت الخمر حلت سواء مادت خلا بنفسها او بشی یطرح فیها ولا یکرہ تخلیلها یعنی جب شراب کا سرکہ بن گیا تو وہ حلال ہوگیا۔ خواہ خود بخود بن جائے خواہ کوئی اور چیز ڈال کر اس کا سرکہ بنالیا جائے اور شراب کا سرکہ بنانا مکروہ بھی نہیں۔ حنفی بھائیو! یہ ہے حدیث رسول کریم ﷺ کہ شراب کا سرکہ نہ بنایا جائے اور یہ ہے حنفی مذہب کہ شراب کا سرکہ بنانے میں کوئی کراہت نہیں بلکہ شراب کا سرکہ بنانے سے وہ حلال ہو جاتا ہے کہو اب کیا مقبول ہے؟ اور کیا مردود ہے؟

(شمع محمدی ص ۶۵، ظفر المبین حصہ اول ۶۷، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۵ و ۱۳۳، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۳، سبیل الرسول ص ۲۵۴، احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۴۴)

جواب

امام ابوحنیفہ فرماتے کہ یہ حکم (یعنی سرکہ بنانے سے منع کرنا) ابتدائی دور کا ہے جب شراب کی حرمت کا حکم نیا نیا اترا تھا اور لوگوں کے دلوں سے شراب کی محبت بالکل ختم کرنے کے لیے اس قدر سختی کی گئی تھی کہ شراب کے لیے استعمال ہونے والے برتنوں کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ بعد میں جب لوگوں کے دلوں میں شراب کی نفرت اچھی طرح جاگزیں ہوگئی تو برتنوں کے استعمال اور شراب کو سرکہ بنا لینے سے ممانعت بھی ختم کردی گئی۔ برتنوں کے استعمال کی اجازت کی احادیث کتب میں معروف ہیں۔ یہاں شراب کا سرکہ بنا لینے کی اجازت کی روایات و آثار کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ تمہارے سرکوں میں سے بہترین شراب کا بنا ہوا سرکہ ہے۔ (سنن الکبری بیہقی جلد ص)

(۲) حدیث ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ ہمارے یہاں ایک بکری تھی جس کا ہم دودھ دہا کرتے تھے پس آنحضرت ﷺ نے اس کو نہ پایا تو پوچھا کہ وہ بکری کیا ہوئی لوگوں نے عرض کیا کہ وہ مرگئی تو فرمایا کہ تم نے اس کی کھال سے انتفاع کیوں نہیں لیا تو ہم نے عرض کیا کہ وہ تو مردار تھی تو آپ نے فرمایا کہ دباغت سے وہ حلال ہو جاتی ہے جیسے خمر (شراب) کو سرکہ حلال کردیتا ہے (دار قطنی جلد ۴ ص ۲۶۶، الہدایہ ج ۴ ص ۴۰۴)

(۳) عبد الرزاق عن معمر عن سلیمان التیمی قال حدثنی امراۃ یقال ام حراش انہا رات علیا یصطبغ بخل خمر (مصنف عبد الرزاق ج ۹ ص ۲۵۲، مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۸ ص ۱۳)

ام حراش ؒ کہتی ہیں کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو شراب سے بنے ہوئے سرکے کو بطور سالن استعمال کرتے ہوئے دیکھا۔

(۴) عن جبیر بن نفیر قال اختلف رجلان من اصحاب معاذ فی خل الخمر فسالاہ ابا الدرداء فقال لا باس بہ (مصنف ابن ابی شیبتہ ج ۸ ص ۱۲)

جبیر بن نفیر کہتے ہیں کہ حضرت معاذؓ کے اصحاب میں سے دو آدمیوں کا شراب کے سرکے کے بارے میں اختلاف ہوا تو انہوں نے حضرت ابوالدرداءؓ سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۵) عبد الرزاق عن سعید بن عبد العزیز التنوخی عن عطیۃ بن قیس قال مر رجل اصحاب ابی الدرداء ورجل یتغدی فدعاہ الی طعامہ فقال وما طعامک؟ قال خبز ومری وزیت قال المری الذی یصنع من الخمر قال نعم قال ہو خمر فتواعدا الی ابی الدرداء فسالاہ فقال ذبحت خمرھا الشمس والملح والحیتان یقول لا باس بہ (مصنف عبد الرزاق ج ۹ ص ۲۵۳)

عطیہ بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداءؓ کے اصحاب میں سے ایک آدمی ایک دوسرے آدمی کے پاس سے گزرا جو کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے اسے کھانے کی دعوت دی اس نے پوچھا کیا کھانا ہے؟ اس نے کہا روٹی اور "مری" اور تیل اس نے پوچھا وہ "مری" جو شراب سے بنائی جاتی ہے؟ اس نے کہا ہاں اس نے کہا یہ شراب ہی ہے۔ پھر دونوں ابوالدرداءؓ کے پاس گئے اور ان سے (اس کے متعلق) دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ اس کے نشے کو دھوپ اور نمک اور مچھلی کی آمیزش نے ختم کر دیا ہے یعنی اس (کے کھانے) میں کوئی حرج نہیں۔

(۶) عبد الرزاق عن ابن جریج قال قلت لعطاء ایجعل الخمر

خلا؟ قال نعم وقال لی ذلک عمرو بن دینار مثله (مصنف عبد الرزاق جلد ۹ ص ۲۵۳)

ابن جریج کہتے ہیں میں نے عطاء" سے پوچھا کہ کیا شراب کو سرکہ بنایا جا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں اور اسی طرح مجھ سے عمرو بن دینار نے کہا۔

(۷) عبد الرزاق عن معمر عن ایوب قال رایت ابن سیرین اصطنع خل خمر او قال مسا خل خمر (مصنف عبد الرزاق جلد ۹ ص ۲۵۳)

ایوب کہتے ہیں کہ میں نے ابن سیرین کو دیکھا کہ انہوں نے شراب سے سرکہ بنایا یا یہ کہا کہ شراب کے سرکے۔

(۸) حدثنا ابوبکر حدثنا قال ابن مهدی عن حماد بن زید عن یحی بن عتیق عن ابن سیرین انه کان لا یری باسا بخل الخمر (مصنف ابن ابی شیبتہ جلد ۸ ص ۱۳)

یحی بن عتیق کہتے ہیں کہ ابن سیرین" شراب کے سرکے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

(۹) حدثنا ابوبکر قال حدثنا ازهر عن ابن عون قال کان محمد لا یقول خل خمر ویقول خل العنب وکان یصطبغ فیه (مصنف ابن ابی شیبتہ جلد ۸ ص ۱۳' کتاب الاموال مترجم جلد اول ص ۲۴۱ و ۲۴۲)

ابن عون کہتے ہیں کہ محمد بن سیرین" "شراب کے سرکہ" کہنے کے بجائے "انگور کا سرکہ" کہتے تھے اور اس کو سالن کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

(۱۰) حدثنا ابوبکر قال حدثنا وکیع عن عبد اللّٰہ بن نافع عن ابیه عن ابن عمر انه کان لا یری باسا ان یاکل مما کان خمرا فصار خلا (مصنف ابن ابی شیبتہ جلد ۸ ص ۱۳)

نافع" کہتے ہیں کہ عبد اللہ ابن عمرؓ شراب سے بنے ہوئے سرکے کے

کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

(۱۱) حدثنا ابوبکر قال حدثنا حمید بن عبد الرحمن عن ابیه عن مسربل العبدی عن امه قالت سالت عائشة عن خل الخمر قالت لا باس به هو ادام (مصنف ابن ابی شیبۃ جلد ۸ ص ۱۳)

مسربل عبدی کی والدہ کہتی ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہؓ سے شراب کے سرکے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں یہ بھی ایک سالن ہے۔

(۱۲) حدثنا ابوبکر قال حدثنا ابو اسامة عن اسماعیل بن عبد الملک قال رایت سعید بن جبیر یصطبغ بخل خمر (مصنف ابن ابی شیبۃ جلد ۸ ص ۱۳)

سعید بن جبیرؒ شراب سے بنے ہوئے سرکے کو بطور سالن استعمال کرتے تھے۔

(۱۳) حدثنا ابوبکر قال حدثنا ابن مهدی عن مبارک عن الحسن قال لا باس بخل خمر (مصنف ابن ابی شیبۃ جلد ۸ ص ۱۳)

حسن بصری کہتے ہیں کہ شراب سے بنے ہوئے سرکے میں کوئی حرج نہیں۔

حارث عکلی کا حوالہ

شبرمہ راوی ہیں کہ حارث عکلی نے اس شخص کے بارے میں جس نے میراث میں شراب پائی تھی کہا تھا وہ اس میں نمک ڈال لے تاکہ وہ سرکہ بن جائے (کتاب الاموال مترجم ص ۲۴۲)

حضرت عمر بن عبد العزیز کا حوالہ

مثنیٰ بن سعید کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے اپنے کوفہ کے عامل عبد الحمید بن عبد الرحمن کو لکھا شراب ایک بستی سے دوسری بستی میں نہ منتقل کی جائے اور تمہیں جو شراب کشتیوں پر لدی ہوئی ملے اسے سرکہ میں تبدیل

کردو چنانچہ عبد الحمید نے یہ حکم اپنے واسطہ کے نمائندہ محمد بن المنتشر کو لکھا انہوں نے خود پہنچ کر کشتیوں کا معائنہ کیا اور ہر شراب کے ڈرم میں نمک اور پانی ڈال کر اسے سرکہ بنا دیا (کتاب الاموال مترجم ص ۲۳۸)

علامہ منصور علی خان مراد آبادی لکھتے ہیں۔

کہا علامہ عینی نے شرح کنزالدقائق (دیکھیے حاشیہ کنزالدقائق ص ۳۵ مطبوعہ بمبئی) میں کہ ہماری دلیل قول اللہ تعالیٰ کا ہے کہ حلال کی گئیں واسطے تمہارے پاک چیزیں اور تحقیق عین شراب کا متغیر ہوگیا ہے اور سرکہ بالطبع پاک ہوتا ہے تو حلال ہوگا اور دوسری دلیل قول علیہ السلام کا اچھا نان خورش سرکہ ہے روایت کیا اس کو مسلم نے اور یہ مطلق ہے پس شامل ہوگا اس کی تمام صورتوں کو اور مراد نہی سے جو کہ حدیث میں وارد ہے یہ ہے کہ شراب کا استعمال سرکے کا سا ہو بایں طور کہ اس سے نفع مثل سرکہ کے لیا جائے مثل نان خورش بنانے وغیرہ کے اگر کہے تو کہ روایت کی ابوداؤد اور امام احمد نے انس سے کہ ابو طلحہ نے سوال کیا نبی ﷺ سے کہ یتیم شراب کے وارث ہو گئے ہیں فرمایا بہا دو اس کو عرض کیا گیا سرکہ اس کا نہ بنالیں فرمایا نہیں میں کہتا ہوں روایتیں آپس میں مختلف آئی ہیں ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ فرمایا آپ نے سرکہ بنالو اس کا پس حجت نہیں ہوسکتی اور اگر ثابت ہو جیسا کہ کہا انہوں نے حمل کیا جائے گا اس پر کہ ممانعت ابتدائے اسلام میں تھی جس وقت کے آنحضرت ﷺ بابت خمر کے مبالغہ فرماتے تھے واسطے زجر ان کے اور واسطے چھوڑ دینے عادت مالوفہ کے کیا نہیں جانتا تو کہ آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا مٹکے توڑنے کا اگرچہ اب جائز نہیں اسی طرح سرکہ بنانے کو سمجھنا چاہیے انتہی اور شرح مسلم میں لکھا کہ یہ مذہب اوزاعی اور لیث کا ہے اور امام مالک سے بھی ایک روایت میں یہ آیا ہے انتہی۔ (فتح المبین ص ۶۴)

(۳۰) عورتوں کا مسجد میں جانا

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ابن عمر قال قال النبی صلی اللہ علیه وسلم اذا استاذنت امراۃ احدکم الی المسجد فلا یمنعنها (متفق علیہ مشکوۃ ص ۹۶ جلد اول باب الجماعۃ)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانا چاہے تو وہ اسے روکے نہیں یہ حدیث اعلی درجے کی صحیح ہے اور اس سے صاف ثابت ہے کہ عورتوں کو جماعت کے ساتھ مسجد میں آکر نماز پڑھنا جائز ہے ہم مانتے ہیں کہ ان کا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے لیکن اس حدیث سے مسجد میں آنے کی اجازت ہے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بلاجود اس کے حنفی مذہب اسے نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ مکروہ ہے چنانچہ ہدایہ کتب الصلوۃ ص ۱۰۵ جلد اول میں ہے ویکرہ لهن حضور الجماعات یعنی عورتوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آنا مکروہ ہے کہو حنفی بھائیو! حدیث کو مان کر اسے جائز جانو گے؟ یا فقہ پر ایمان لاکر اسے مکروہ مانو گے؟

(شمع محمدی ص ٦٦)

جواب

صاحب شمع محمدی نے ہدایہ کی پوری عبارت نقل نہیں کی ہے پہلے ہم یہاں پر ہدایہ کی مکمل عبارت نقل کرتے ہیں اس کے بعد اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے۔

ہدایہ کی مکمل عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

ویکرہ لهن حضور الجماعات یعنی الشواب منهن لما فیه من خوف الفتنة ولا باس للعجوز ان تخرج فی الفجر والمغرب والعشاء وهذا عند ابی حنیفة وقالا یخرجن فی الصلوات کلها لانه

لا فتنة لقلة الرغبة فلا يكره كما في العيد وله ان فرط الشبق حامل تقع الفتنة غير ان الفساق انتشارهم في الظهر والعصر والجمعة اما في الفجر والعشاء هم نائمون وفي المغرب بالطعام مشغولون والجبانة متسعة فيمكنها الاعتزال عن الرجال فلا يكره۔۔۔

ترجمہ

اور مکروہ ہے عورتوں کے لیے جماعت میں حاضر ہونا' یعنی جوان عورتوں کو کیونکہ ان کی حاضری میں فتنہ کا خوف ہے اور کوئی مضائقہ نہیں کہ بوڑھی عورتیں فجر و مغرب اور عشاء میں نکلیں یہ امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک ہے صاحبین ؒ فرماتے ہیں کہ بوڑھی عورتیں تمام نمازوں میں نکل سکتی ہیں کیونکہ ان میں کم رغبتی کی وجہ سے فتنہ نہیں ہے اس لیے مکروہ نہ ہوگا جیسے عید میں ہے۔ امام ابوحنیفہ ؒ کی دلیل یہ ہے کہ شدت شہوت باعث جماع ہے اس لیے فتنہ واقع ہوگا صرف اتنی بات ہے کہ فاسق لوگ ظہر و عصر و جمعہ کے اوقات میں منتشر رہتے ہیں رہا فجر و عشاء کا وقت سو اس میں وہ سوتے رہتے ہیں اور مغرب کے وقت کھانے میں مشغول رہتے ہیں اور جنگل وسیع ہوتا ہے تو اس میں بوڑھی عورتوں کو مردوں سے علیحدہ ہونا ممکن ہے اس لیے ان کا عید میں جانا مکروہ نہیں۔ (غایۃ السعایہ جلد ۳ ص ۳۰۴ و ۳۰۵)

ناظرین کرام! ہم نے ہدایہ کی مکمل عبارت نقل کردی ہے تاکہ آپ کو صاحب شمع محمدی کی بددیانتی کا علم ہو سکے۔ صاحب شمع محمدی نے ہدایہ سے صرف یہ نقل کیا کہ عورتوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آنا مکروہ ہے۔

اس عبارت سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ہدایہ میں مطلقاً ہر قسم کی عورتوں کا مسجد میں آنا مکروہ لکھا ہے۔ حالانکہ ہدایہ میں اس طرح نہیں تھا اس عبارت کے آگے تخصیص موجود تھی۔

یعنی جوان عورتوں کو نکلنا مکروہ ہے کیونکہ بوڑھی عورتوں کے متعلق

اسی عبارت کے آگے موجود ہے اور کوئی مضائقہ نہیں کہ بوڑھی عورتیں فجر و مغرب اور عشاء میں نکلیں۔

اس مسئلہ کے متعلق احادیث و آثار مختلف وارد ہوئے ہیں مولانا جونا گڑھی نے اجازت والی روایت تو نقل کردی اور دوسری تمام روایات چھوڑ دی ہیں۔ ہم وہ روایات یہاں پر نقل کرتے ہیں جن کی وجہ سے فقہاء نے جوان عورتوں کے لیے مسجد میں جانا مکروہ کہا ہے۔

حدیث نمبر۱۔ عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المراۃ عورۃ وانھا اذا خرجت استشرفھا الشیطان وانھا اقرب ما تکون الی اللہ وھی فی قعر بیتھا رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ موثقون۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت واجب الستر ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے' وہ اپنے رب کی رحمت کے اس وقت زیادہ قریب ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کی کوٹھڑی میں ہو۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۵' ترمذی ص ۱۸۹)

اس مضمون کی حدیث حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔ دیکھیے الترغیب والترھیب ج ۱ ص ۱۳۵)

حدیث نمبر۲۔ عن ابی موسی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کل عین زانیۃ والمراۃ اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا وکذا یعنی زانیۃ وھذا حدیث حسن صحیح۔ (ترمذی ص ۳۹۶)

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر آنکھ زنا کار ہے اور جب کوئی عورت خوشبو لگا کر کسی مجلس سے گذرے تو وہ ایسی ایسی ہے یعنی زنا کار ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حدیث نمبر۳۔ عن الاشعری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ایما امراۃ استعطرت فمرت علی قوم لیجدوا من ریحھا فھی زانیۃ (نسائی جلد ۲ ص ۲۴۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۶)

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گذرے تاکہ انہیں اس کو خوشبو آئے وہ زانیہ ہے۔

حدیث نمبر ۴۔ عن عبد اللہ بن مسعود قال انما النساء عورۃ وان المراۃ لتخرج من بیتھا وما بھا من باس فیستشرفھا الشیطان فیقول انک لا تمرین باحداہ الا اعجبتیہ وان المراۃ لتلبس ثیابھا فیقال این تریدین فتقول اعود مریضا او اشھد جنازۃ او صلی فی مسجد وما عبدت امراۃ ربھا مثل ان تعبد فی بیتھا (رواہ الطبرانی فی الکبیر رجالہ ثقات (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۸۴)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عورتیں واجب الستر ہیں جو عورت اپنے گھر سے بلا حجاب نکلتی ہے شیطان اس کو تاکتا ہے اور یہ کہتا ہے تو جس شخص کے پاس سے بھی گزرے گی اس کے دل کو لبھائے گی اور عورت اپنے کپڑے پہن کر نکلتی ہے اس سے کہا جاتا ہے تم کہاں جارہی ہو؟ وہ کہتی ہے میں بیمار کی عیادت کرنے جارہی ہوں یا جنازہ پڑھنے جارہی ہوں یا مسجد میں نماز پڑھنے جارہی ہوں اور عورت کے گھر میں نماز پڑھنے کی مانند اس کی کوئی عبادت نہیں ہے اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(۱) اوائل اسلام میں زخمیوں کی تیمار داری اور بیماروں کو پانی پلانے کے لیے عورتیں حجاب کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتی تھیں لیکن بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو غزوات میں جانے سے منع کردیا۔

(۲) اس حدیث میں یہ بھی ہے عورت کے گھر میں نماز پڑھنے کی مانند

اس کی کوئی عبادت نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۵۔ عن ام کبشة انها قالت یا رسول اللّٰہ اتاذن انا اخرج فی جیش کذا وکذا قال لا قالت یا رسول اللّٰہ انہ لیس ارید ان اقاتل انما ارید اداوی الجرحی والمرضی او اسقی لمرضی قال لولا ان تکون سنة ویقال فلانة خرجت لاذنت لک ولکن اجلسی رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط ورجالها رجال الصحیح (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۲۴ و ۳۲۳)

حضرت ام کبشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں انہوں نے کہا یارسول اللہ! کیا آپ مجھے فلاں فلاں لشکر میں جانے کی اجازت دیتے ہیں آپ نے فرمایا نہیں انہوں نے کہا یارسول اللہ میرا لڑنے کا ارادہ نہیں ہے میں تو صرف زخمیوں اور بیماروں کو دوا دوں گی یا بیماروں کو پانی پلاؤں گی آپ نے فرمایا اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ آگے چل کر یہ چیز امر شرعی بن جائے گی اور اس سے یہ استدلال کیا جانے لگے گا کہ فلاں عورت جہاد میں گئی تھی تو میں تم کو اجازت دے دیتا لیکن (اپنے گھر میں) بیٹھو! اس حدیث کو امام طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح ہیں۔

حدیث نمبر ۶۔ عن ام سلمة عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال خیر مساجد النساء قعر بیوتهن رواہ احمد ابویعلی (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۳، مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۰۹)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کی بہترین مسجد ان کے گھروں کا اندرونی حصہ ہے۔

حدیث نمبر ۷۔ عن ام حمید قالت قلت یارسول اللّٰہ یمنعنا ازواجنا ان تصلی معک ونحب الصلوة معک فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلوتکن فی بیوتکن افضل من صلاتکن فی حجرکن وصلاتکن فی حجرکن افضل من صلاتکن فی دورکن

وصلاتکن فی دورکن افضل من صلاتکن فی الجماعة رواہ الطبرانی فی الکبیر

ام حمید بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے شوہر ہم کو آپ کے ساتھ نماز پڑھنے سے روکتے ہیں اور ہم آپ کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا گھروں میں نماز پڑھنا بیرونی کمروں میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور تمہارا بیرونی کمروں میں نماز پڑھنا حویلیوں میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور تمہارا حویلیوں میں نماز پڑھنا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۸۴)

حدیث نمبر۸۔ عن ام سلمة قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاة المراة فی بیتها خیر من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی بیتها خیر من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها خیر من صلاتها خارج۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط مجمع الزوائد ج۲ ص ۳۴)

حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کا اندر کمرے میں نماز پڑھنا برآمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور برآمدے میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۴)

حدیث نمبر۹۔ عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوة المراة فی بیتها افضل من صلوتها فی حجرتها وصلاتها فی مخدعها افضل من صلوتها فی بیتها۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا حویلی میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور کوٹھڑی میں نماز پڑھنا گھر میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

(ابوداؤد ج ۱ ص ۸۴)

حدیث نمبر۱۰۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا نسائکم المساجد وبیوتھن خیر لھن۔

حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی عورتوں کو مسجدوں سے مت روکو اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔

(فضل المعبود شرح ابی داؤد ج ۱ ص ۴۴۴' مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۰۹)

حدیث نمبر ۱۱۔ عن سلیمان ابن ابی حثمة عن امه قالت رایت النساء القواعد یصلین مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی المسجد۔

سلیمان بن ابی حثمہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا بوڑھی عورتیں مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں۔

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۴)

حدیث نمبر ۱۲۔ عن عائشة قالت لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ما احدثت النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل فقلت لعمرة او منعن قالت نعم۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا عورتوں نے جو (بناؤ سنگھار) اب ایجاد کیا ہے اگر اس کو رسول اللہ ﷺ دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے اس طرح روک دیتے جس طرح بنو اسرائیل کی عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا گیا تھا۔ راوی نے عمرہ سے پوچھا کیا ان کو روک دیا گیا تھا؟ فرمایا ہاں۔

(بخاری ج ۱ ص ۱۲۰' موطا امام مالک مترجم ص ۱۸۸' مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۱۵۰)

حدیث نمبر ۱۳۔ عن عائشة قالت بینما رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم جالس فی المسجد اذ دخلت امراة من مزینة ترفل فی زینة لها فی المسجد فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم یا ایها الناس انهوا

نسائکم عن لبس الزینة والتبختر فی المسجد فان بنی اسرائیل لم یلعنوا حتی لبس نسائهم الزینة ویتبخترن فی المساجد۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آنحضرت ﷺ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک عورت آئی مزینہ کی اور بڑے ناز سے زینت کئے ہوئے مسجد میں داخل ہوئی آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے لوگو اپنی عورتوں کو منع کرو زینت کا لباس پہن کر اور ناز کے ساتھ مسجد میں آنے سے اس لیے کہ بنی اسرائیل پر لعنت نہیں ہوئی (یعنی اللہ کا غصہ ان پر نہیں اترا) یہاں تک کہ ان کی عورتوں نے بناؤ کیا اور مسجدوں میں ناز سے داخل ہونے لگیں۔

(ابن ماجہ مترجم علامہ وحید الزمان جلد ۳ ص ۲۷۶)

حدیث نمبر ۱۲۔ عن مولی ابی رهم اسمه عبید ان ابا هریرة لقی امراة متطیبة ترید المسجد فقال یا امة الجبار این تریدین قالت المسجد قال وله تطیبت قالت نعم قال فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول ایما امراة تطیبت ثم خرجت الی المسجد لم تقبل لها صلوة حتی تغتسل۔

ابو رہم کے مولے (غلام آزاد) سے جس کا نام عبید ہے روایت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو مسجد میں جاتے دیکھا خوشبو لگائے ہوئے تھی۔ انہوں نے کہا اے خدا کی لونڈی تو کہاں جاتی ہے وہ بولی مسجد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا تو نے خوشبو لگائی ہے وہ بولی ہاں ابو ہریرہ نے کہا میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے جس عورت نے عطر لگایا اور مسجد میں گئی اس کی نماز قبول نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ غسل (یعنی خوشبو کو دھو ڈالے اور اپنے بدن اور کپڑے سے)

تشریح اب تک نصاری کا یہی حال ہے ان کی عورتیں گرجوں میں عمدہ عمدہ عطر لگا کر اور خوب بناؤ سنگھار کر کے عمدہ لباس کے ساتھ بڑے ناز وانداز سے

آتی ہیں اور صدہا فساق وفجار ان کی قوم کے اور نیز دوسری قوموں کے بھی عورتوں کو گھورنے کے لیے گرجا میں جاتے ہیں نہ نماز سے غرض ہے نہ دعا سے اور مسلمانوں میں چونکہ اکثر عورتیں پردے میں رہتی ہیں اس وجہ سے ایسے موقع مسجدوں میں تو کم ملتے ہیں مگر میلوں ٹھیلوں میں اور بزرگوں کے عرسوں میں اکثر مسلمانوں کی عورتیں بناؤ سنگار کرکے جاتی ہیں اور پردے ہی کے اندر سے اپنا جوبن دکھلاتی ہیں اور ان کے مرد جو دیوث سے کم نہیں ہیں ان عورتوں کو ایسے برے کام سے نہیں روکتے جب آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو بناؤ سنگار کرکے مسجد میں آنے سے منع کیا جہاں خدا کی عبادت کی جاتی ہے تو بازار یا میلہ یا عرس میں عورتوں کو اس طرح سے جانا سخت منع ہوگا البتہ اگر عورتیں موٹا لباس پہن کر بغیر زیب وزینت کے نماز کے لیے مسجد میں آویں یا ضرورت سے بازار میں جاویں تو درست ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کے عہد مبارک میں یہ شائع تھا اور بعضوں نے اس زمانہ میں مطلقاً عورتوں کو باہر نکلنا منع رکھا ہے بوجہ فتنہ کے اور بعضوں نے بوڑھی عورتوں کے لیے جائز رکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

(ابن ماجہ مترجم علامہ وحید الزماں جلد ۳ ص ۲۷۶)

حدیث نمبر ۱۵۔ عن ام حمید امراۃ ابی حمید الساعدی انہا جائت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یارسول اللہ انی احب الصلوۃ معک قال قد علمت انک تحبین الصلوۃ معی وصلاتک فی بیتک خیر من صلاتک فی حجرتک وصلاتک فی حجرتک خیر من صلاتک فی دارک وصلاتک فی دارک خیر من صلاتک فی مسجد قومک وصلاتک فی مسجد قومک خیر من صلاتک فی مسجد قالت فامرت فبنی لها مسجد فی اقصی بیت فی بیتها واظلمه فکانت تصلی فیه حتی لقیت اللہ عزوجل۔ رواہ احمد

(مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۴ و ۳۳)

ابوحمید الساعدیؓ کی زوجہ ام حمیدؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا یارسول اللہ! مجھے آپ کے ساتھ (مسجد میں) نماز پڑھنا اچھا لگتا ہے آپؐ نے فرمایا مجھے علم ہے کہ تمہیں میرے ساتھ نماز پڑھنا اچھا لگتا ہے (لیکن) تمہارا اپنے گھر کے (کسی اندرونی) کمرے میں نماز پڑھنا (بیرونی) کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور گھر (کے صحن) میں نماز پڑھنا میری مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ (یہ سن کر) ام حمید نے (اپنے گھر والوں کو) حکم دیا کہ میرے لیے گھر کے تاریک ترین کمرے میں میری نماز کی جگہ بنادو (پھر ان کے لیے نماز کی جگہ بنائی گئی) اور وہ وفات تک وہیں نماز پڑھتی رہیں۔

حدیث نمبر۱۶۔ عن ابی عمرو الشیبانی انه رای عبد اللّٰہ یخرج النساء من المسجد یوم الجمعة ویقول اخرجن الی بیوتکن خیرلکن۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجاله موثقون' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۵)

ابوعمرو شیبانی کہتے ہیں کہ انہوں نے عبد اللہ بن مسعودؓ کو دیکھا کہ جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکالتے تھے اور کہتے ہیں اپنے گھروں کو چلی جاؤ یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔

حدیث نمبر۱۷۔ ولعمر عند احمد عن سالم قال کان عمر رجلا غیورا فکان اذا خرج الی الصلوۃ تبعته عاتکة بنت زید فکان یکرہ خروجها ویکرہ منعها وکان یحدث ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال اذا استاذنکم نسائکم الی الصلوۃ فلا تمنعوھن۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۳)

سالم کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک غیرت مند آدمی تھے اور وہ جب نماز کے لیے نکلتے تو (ان کی اہلیہ) عاتکہ بنت زید بھی ان کے پیچھے چلی آتیں اور حضرت عمرؓ کو ان کا نکلنا ناپسند تھا لیکن وہ انہیں روکنے کو بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے وہ بیان کیا کرتے تھے کہ رسولؐ نے فرمایا جب تمہاری عورتیں تم

سے نماز کے لیے جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں مت روکو۔

حدیث نمبر ۱۸۔ عن ابی عمرو الشیبانی قال رایت ابن مسعود یحصب النساء یخرجهن من المسجد یوم الجمعة۔ مصنف ابن ابی شیبة ج ۲ ص ۳۸۴)

ابو عمرو الشیبانی کہتے ہیں میں نے ابن مسعودؓ کو دیکھا کہ وہ کنکر مار مار کر جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکالتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۹۔ عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لولا ما فی البیوت من النساء والذرية اقمت صلوة العشاء وامرت فتیانی یحرقون ما فی البیوت بالنار۔ (مشکوۃ مترجم جلد ۱ ص ۲۲۸)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ نقل کرتے ہیں نبی ﷺ سے اگر گھر میں عورتیں نہ ہوتیں اور اولاد (بچے) حکم کرتا میں عشاء کی نماز کو قائم کرنے کا اور حکم کرتا اپنے خادموں کو کہ جلاتے اس چیز کو جو گھروں میں ہے آگ کے ساتھ۔

حدیث نمبر ۲۰۔ عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا استاذنکم نسائکم باللیل الی المسجد فاذنوا لهن۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۱۹)

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تمہاری عورتیں رات کو مسجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو ان کو اجازت دے دو۔

اس حدیث میں رات کو اجازت دینے کا حکم دیا ہے اس سے علی الاطلاق عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دینے کا ثبوت لازم نہیں آتا۔

حدیث نمبر ۲۱۔ عن زیدبن خالد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولیخرجن وهو تفلات۔ (کشف الستار ج ۱ ص ۲۲۲)

حضرت زید بن خالد ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد میں جانے سے منع نہ کرو عورتوں کو چاہیے کہ

وہ بغیر خوشبو لگائے جائیں۔

حدیث نمبر ۲۲۔ عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا تمنعوا اماء الله مساجد الله ولكن يخرجن وهن تفلات۔

(فضل المعبود ج ا ص ۲۴۳)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو لیکن وہ جب گھروں سے نکلیں تو زیب و زینت کے بغیر آئیں۔

اس حدیث میں اجازت کے باوجود ایک سخت قسم کی قید بھی حضور اکرم ﷺ نے لگادی ہے جس پر آج کل عمل بہت کم ہوتا ہے۔ اکثر عورتیں زیب و زینت کے ساتھ ہی مسجدوں میں آتی ہیں۔

حدیث نمبر ۲۳۔ عن عبد الله ابن عباس ان امراة سالته عن الصلوة فى المسجد يوم الجمعه فقال صلاتک فى مخدعک افضل من صلاتک فى بيتک وصلاتک فى بيتک افضل من صلاتک فى حجرتک وصلاتک فى حجرتک افضل من صلاتک فى مسجد قومک۔ (مصنف ابن ابى شيبه ج ۲ ص ۳۸۴)

حضرت ابن عباسؓ سے ایک عورت نے مسجد میں جمعہ پڑھنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا تمہارا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

ان احادیث کے علاوہ قرآن پاک کا حکم بھی موجود ہے۔

وقرن فى بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى۔ (احزاب ۳۳)

اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور پرانی جاہلیت کی بے پردگی کے ساتھ نہ رہو۔

مندرجہ بالا احادیث کے پیش نظر فقہاء کا کہنا ہے کہ مردوں کو مسجد میں

باجماعت نماز ادا کرنے کا حکم تاکیدی تھا لیکن عورت کے لیے یہ حکم نہ استجاب کے لیے تھا نہ تاکید کے لیے۔ الغرض فقہاء نے فتنہ کی وجہ سے عورتوں کو مساجد میں آنے سے روکا ہے فتنے کا احساس جب خیر القرون میں ہی ہوگیا تھا تو اس دور میں فتنے کا انکار کون کر سکتا ہے اور کس آیت اور حدیث میں ہے کہ فتنہ کی حالت میں ہی عورتوں کو مسجد میں جانے کی تاکید ہے؟

(۳۱) سحری کی اذان کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بلالا ینادی بلیل الخ (متفق علیہ مشکوۃ شریف باب فیہ فصلان ص ٦٦ جلد اول)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں حضرت بلال رات رہتے ہوئے اذان دیتے ہیں الخ یہ حدیث صاف ہے کہ صبح صادق ہونے سے پہلے حضور ﷺ کے زمانہ میں ایک اذان کہی جاتی تھی اور حدیث میں ہے کہ یہ اس لیے ہوتی تھی کہ تہجد گذار لوٹ جائیں اور سحری کے بندوبست میں لگ جائیں اور سوئے ہوئے لوگ بھی جاگ جائیں۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا۔ ہدایہ جیسی فقہ حنفی کی معتبر کتاب کے ص ۷۴ جلد اول باب الاذان میں ہے ولا یؤذن لصلوۃ قبل دخول وقتہا یعنی کسی وقت کی نماز کے لیے اس کے وقت سے پہلے اذان نہ کہے۔ کہو حنفی بھائیو! اب حدیث مانو گے؟ یا فقہ؟ اس مسئلہ کی پوری تفصیل مع تردید مخالفین ہماری کتاب اذان محمدی میں ہے۔

(شمع محمدی ص ٦٦، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۱۳۴)

جواب

صاحب شمع محمدی نے عنوان تو قائم کیا ہے سحری کی اذان کا مگر ہدایہ

سے جو عبارت تعارض میں پیش کی ہے اس میں یہ ہے کہ وقت سے پہلے اذان نہ دے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں پر اصل مسئلہ یہ ہے کہ نماز کا ٹائم شروع ہونے سے پہلے اذان دینی جائز ہے یا نہیں غیر مقلدین کہتے ہیں کہ جائز ہے۔ اور حنفی مسلک میں ٹائم سے پہلے اذان دینا جائز نہیں اور یہی بات ہدایہ میں لکھی گئی ہے۔

ہم یہاں پر وہ احادیث نقل کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وقت سے پہلے اذان نہیں دینی چاہیے۔

حدیث نمبرا۔ عن عائشة ان بلالا کان یؤذن بلیل فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم کلوا واشربوا حتی یؤذن ابن ام مکتوم فانه لا یؤذن حتی یطلع الفجر قال القاسم ولم یکن بین اذانهما الا ان یرقی ذا وینزل ذا (بخاری ج ۱ ص ۲۵۷، تیسر الباری ج ۲ ص ۲۹۱)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ بلالؓ رات رہے سے اذان دے دیا کرتے تھے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم کھاتے پیتے رہا کرو یہاں تک کہ عبد اللہ ابن ام مکتوم اذان دے وہ اس وقت اذان نہیں دیتے جب تک صبح نہیں ہوتی۔ قاسم نے کہا بلال اور ابن ام مکتوم دونوں کی اذان میں اتنا فرق ہوتا کہ ایک اترتا اور ایک چڑھتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان فجر طلوع فجر کے بعد ہی ہوتی تھی۔

البتہ اس پر ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں کی اذان میں اتنا فرق ہوتا کہ ایک اترتا اور ایک چڑھتا یعنی صرف اتنا سا فرق ہوتا۔

اس اشکال کا جواب علامہ نووی کے کلام سے ملتا ہے انہوں نے نقل کیا ہے کہ در اصل حضرت بلالؓ اذان دینے کے بعد دیر تک وہیں بیٹھ کر دعائیں کرتے تھے۔ پھر جب طلوع فجر کا وقت قریب ہوجاتا تو اترتے اور حضرت عبداللہ ابن امّ مکتومؓ کو جگاتے پھر وہ اذان کے لیے چڑھتے لہٰذا دونوں کے اترنے اور چڑھنے میں اگرچہ زیادہ فاصلہ نہیں تھا لیکن دونوں اذانوں کے درمیان اتنا فاصلہ ضرور تھا کہ اس میں سحری کھائی جاسکے۔

بالخصوص اس تکلف سے پاک اور سادہ زندگی میں سحری کھانے میں زیادہ وقت صرف نہیں ہوتا تھا۔ (بحوالہ درس ترمذی جلد اول ص ۲۷۱)

حدیث نمبر۲۔ عن ابن عمرؓ عن حفصةؓ بنت عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اذن المؤذن بالفجر قام فصلی رکعتی الفجر ثم خرج الی المسجد وحرم الطعام وکان لا یؤذن حتی یصبح۔ (طحاوی ج ۱ ص ۹۷، السنن الکبری ج ۱ ص ۳۸۴)

حضرت ابن عمرؓ ام المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب موذن فجر کی اذان دیتا تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کر فجر کی دو رکعتیں (سنتیں) پڑھتے پھر مسجد کی طرف تشریف لے جاتے اور کھانا بند کر دیتے اور اذان نہیں کہی جاتی تھی۔ مگر صبح ہوئے۔ (اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ اذان طلوع فجر کے بعد ہوتی تھی)

حدیث نمبر۳۔ عن عروة بن الزبیر عن المراة من بنی النجار قالت کان بیتی من اطول بیت کان حول المسجد کان بلالؓ یوذن علیہ الفجر فیاتی بسحر فیجلس علی البیت فینظر الی الفجر فاذا راہ تمطی ثم قال اللھم انی احمدک واستعینک علی قریش ان یقیموا دینک قالت ثم یوذن قالت واللہ ماعلمتہ کان ترکھا لیلة واحدة یعنی ھذہ الکلمات (ابوداؤد جلد ۱ ص ۷۷)

حضرت عروہ ابن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ بنی نجار کی ایک عورت (ام زید بن ثابت) نے کہا مسجد نبوی کے ماحول (قریب) میں میرا گھر سب سے اونچا تھا پس بلالؓ اس کے اوپر فجر کی اذان دیتا تھا وہ بوقت سحر آتا تھا اور مکان پر فجر کے انتظار میں بیٹھتا تھا۔ جب طلوع فجر کو دیکھ لیتا تو انگڑائی لیتا پھر کہتا۔ اے اللہ میں تیری تعریف کرتا ہوں اور قریش پر تجھ سے مدد مانگتا ہوں تاکہ وہ تیرے دین کو قائم کریں۔ صحابیہؓ نے کہا کہ پھر وہ اذان دیتا۔ صحابیہؓ نے کہا کہ واللہ میں نہیں جانتی کہ اس نے اسے ایک رات بھی چھوڑا ہو یعنی ان کلمات

کو۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت بلالؓ کا بھی عام معمول یہی تھا کہ وہ طلوع فجر کے بعد اذان دیتے تھے۔

حدیث نمبر ۴۔ عن ابن عمرؓ ان بلالاؓ اذان قبل طلوع الفجر فامره النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یرجع فینادی الا ان العبد قد نام۔ زاد موسی فرجع فنادی الا ان العبد قد نام۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۸۹، ترمذی ج ۱ ص ۲۸)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت بلالؓ نے ایک بار طلوع فجر سے قبل ہی اذان دیدی تو نبی کریم ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ واپس جائے اور پکار کر کہے کہ الا ان العبد قد نام (بھائیو بندہ سوگیا تھا) جس کی وجہ سے نیند کے غلبہ کی وجہ سے غلطی سے اذان ہوگئی ہے۔ موسی نے یہ اضافہ کیا کہ بلالؓ واپس گیا اور پکار کر کہا الا ان العبد قد نام۔

حدیث نمبر ۵۔ عن بلالؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لا توذن حتی یستیقن لک الفجر هکذا ومد یدیه عرضا۔

حضرت بلالؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے کہا کہ جب تک فجر یوں واضح نہ ہو جائے اذان مت دے اور آپؐ نے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر دکھایا۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۸۹)

حدیث نمبر ۶۔ عن عائشة قالت ماکانوا یؤذنون حتی ینفجر الفجر۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۴، الدرایہ ج ۱ ص ۱۲۰، التمہید

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا صحابہ اذان نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی۔

حدیث نمبر ۷۔ عن عبد العزیز بن ابی رواد عن نافع عن ابن عمر ان بلالا اذن قبل الفجر فقال له النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ما حملک علی ذلک فقال استیقظت وانا وسنان فظننت ان الفجر طلع فامره النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ان ینادی بالمدینة ثلثا ان العبد قد نام ثم

اقعده الی جنبه حتی طلع الفجر (سنن الکبری بیہقی ج ۱ ص ۳۸۳)

عبد العزیز بن ابی رواد نے بواسطہ نافع ابن عمرؓ سے بیان کیا کہ بلالؓ نے طلوع فجر سے پہلے اذان کہہ دی تو نبی کریم ﷺ نے ان سے کہا تمہیں کس چیز نے اس پر آمادہ کیا؟ انہوں نے کہا میں بیدار ہوا اور لیکن میں اونگھ رہا تھا۔ میں نے سمجھا کہ طلوع فجر ہو چکی ہے تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا مدینہ منورہ میں تین دفع اعلان کرو کہ اذان دینے والا بندہ نیند میں تھا۔ پھر انہیں اپنے پہلو میں بٹھالیا یہاں تک کہ فجر طلوع ہو گئی۔

حدیث نمبر ۸۔ عن نافع عن مؤذن لعمر رضی اللہ عنه یقال له مسروح اذن قبل الصبح فامره عمر ان یرجع فینادی (دار قطنی ج ۱ ص ۲۴۴، ابوداؤد ج ۱ ص ۷۹)

نافعؒ نے حضرت عمرؓ کے موذن (جنہیں مسروح کہا جاتا تھا) سے بیان کیا کہ میں نے صبح (صادق) سے پہلے اذان کہہ دی تو حضرت عمرؓ نے مجھے حکم دیا کہ لوٹ کر دوبارہ اذان کہو۔

حدیث نمبر ۹۔ سمرة بن جندب رضی اللہ تعالی عنه یقول سمعت محمدا صلی اللہ علیه وسلم یقول لا یغرن احدکم نداء بلال من السحور ولا هذا البیاض حتی یستطیر (مسلم ج ۱ ص ۳۵۰)

حضرت سمرہ بن جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص سحری کے وقت بلال کی اذان سے دھوکہ نہ کھائے اور نہ اس سفیدی سے (یعنی صبح کاذب) جب تک وہ پھیل نہ جائے۔

حدیث نمبر ۱۰۔ عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال ان ابن ام مکتوم یؤذن بلیل فکلوا و اشربوا حتی یؤذن بلالؓ وکان بلال لا یؤذن حتی یری الفجر (موارد الظمان ص ۲۲۴ حدیث نمبر ۸۸۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عبداللہ ابن ام مکتومؓ رات کو اذان دیتا ہے پس تم کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ حضرت بلالؓ اذان دے اور حضرت بلالؓ اس وقت تک اذان نہیں دیتے تھے جب تک کہ فجر (صادق) کو نہ دیکھتے۔

حدیث نمبر ۱۱۔ عن انس ؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یغرنکم اذان بلال فان فی بصرہ شیئا (طحاوی ج ۱ ص ۹۷)

حضرت انس ؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہیں بلال کی اذان دھوکہ میں نہ ڈالے بلاشبہ اس کی نگاہ میں کچھ کمزوری ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۔ عن شیبان رضی اللہ عنہ قال تسحرت ثم اتیت المسجد فاستندت الی حجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرایتہ یسحر فقال ابو یحی؟ قلت نعم قال ھلم الی الغداء قلت انی ارید الصیام قال وانا ارید الصیام ولکن مؤذننا ھذا فی بصرہ سوء او قال شی وانہ اذن قبل طلوع الفجر ثم خرج الی المسجد فحرم الطعام وکان لا یؤذن حتی یصبح (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۷ ص ۲۱۲ رقم الحدیث ۷۲۲۸)

حضرت شیبان ؓ نے کہا میں نے سحری کھائی پھر مسجد میں آکر نبی کریم ﷺ کے حجرہ مبارک سے ٹیک لگادی میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ سحری کھارہے ہیں آپ نے فرمایا ابو یحیٰ میں نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا آؤ صبح کا کھانا کھالو میں نے عرض کیا میں نے تو روزے کا ارادہ کیا ہے آپ نے فرمایا لو میں نے بھی روزے کا ارادہ کیا ہے اور لیکن ہمارے موذن کی نظر میں کچھ خرابی ہے اور اس نے طلوع فجر سے پہلے اذان دے دی ہے پھر آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور کھانا بند کردیا اور آپ ؓ اذان کہتے نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ صبح صادق ہوجائے۔

حدیث نمبر ۱۳۔ عن حمید بن ھلال ان بلالا اذن لیلۃ بسوادٍ فامرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ ان یرجع الی مقامہ فینادی ان العبد نام فرجع (دار قطنی ج ۱ ص ۲۴۴)

حمید بن ہلال سے روایت ہے کہ بلال ؓ نے ایک رات اندھیرے میں اذان کہہ دی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اذان کی جگہ جاکر اعلان

کرو کہ بندہ نیند میں تھا تو وہ لوٹ گئے۔

رہی وہ روایت جو صاحب شمع محمدی نے نقل کی ہے اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ حنفی مسلک میں سحری کے لیے اگر کوئی اذان دے تو جائز ہے۔ ہاں اگر کوئی اس روایت سے قبل از وقت اذان پر استدلال کرے تو درست نہیں ہوگا۔

(۱) علامہ نیموی آثار السنن ص ۱۴۹ میں لکھتے ہیں۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی اذان فجر کا وقت داخل ہونے پر ہی کہی جائے مگر بلال رضی اللہ عنہ کی اذان طلوع فجر سے پہلے تو وہ (صرف) رمضان میں ہوتی تھی تاکہ سونے والا بیدار ہو جائے اور تہجد پڑھنے والا لوٹ آئے (وہ اذان) نماز کے لیے نہیں ہوتی تھی مگر رمضان کے علاوہ تو یہ ان سے غلطی سے ہوا کیونکہ انہوں نے سمجھا فجر طلوع ہو چکی ہے۔

(۲) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر خزائن السنن ج ۲ ص ۵۰ میں لکھتے ہیں۔

یہ وہ اذان تھی جو سحری کی خاطر ہوتی تھی تاکہ نماز میں مصروف لوگ سحری کر سکیں اور سوئے ہوئے بیدار ہو جائیں بخاری ج ۱ ص ۸۷ میں ہے لا یمنعن احدکم او احدا منکم اذان بلال من سحورہ فانہ یوذن او ینادی بلیل لیرجع قائمکم ولینبہ نائمکم (ترجمہ عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کو سحری کھانے سے بلال رضی اللہ عنہ کی اذان نہ روکے کیونکہ وہ رات رہے سے اذان یا بانگ دیتا ہے اس لیے کہ عبادت کرنیوالا (آرام کے لیے) لوٹ جائے اور جو سوتا ہو اس کو جگاوے ــــــــ اس اذان کا اذان فجر سے کیا تعلق؟ اذان فجر اس کے علاوہ مستقل ہوتی تھی محل بحث وہ ہے صحیح روایات سے اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ اس پہلی اذان پر اکتفاء کی گئی ہو اور طلوع فجر کے بعد اذان نہ ہوئی ہو۔

(۳) شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی درس ترمذی جلد ۱ ص

۴۷۰ میں لکھتے ہیں۔

تیسری بحث یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں رات کے وقت اذان کیوں دی جاتی تھی اس کے جواب میں بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ تہجد کی اذان تھی یہ جواب ان لوگوں کے مسلک پر درست بیٹھ سکتا ہے جو تہجد کی اذان کو مشروع کہتے ہیں لیکن جمہور حنفیہ نوافل کے لیے اذان کو مشروع نہیں مانتے ان کے مسلک پر یہ جواب درست نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ عام حنفیہ یہ جواب دیتے ہیں کہ دو مرتبہ اذان صرف رمضان میں ہوا کرتی تھی اور اس کا مقصد سحری کے لیے بیدار کرنا ہوتا تھا۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مزید فرماتے ہیں۔

آئمہ ثلاثہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضرت بلالؓ کا رات میں اذان دینا بیان کیا گیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس سے استدلال تام نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا استدلال اس وقت درست ہوتا جبکہ عہد رسالتؐ میں اذان باللیل پر اکتفاء کیا گیا ہوتا۔ حالانکہ جن روایات میں اذان باللیل مذکور ہے انہی میں یہ بھی مذکور ہے کہ فجر کا وقت ہونے کے بعد پھر دوسری اذان بھی دی گئی۔ (درس ترمذی ج ۱ ص ۴۶۷)

صاحب شمع محمدی کی خیانت

صاحب شمع محمدی نے جو حدیث نقل کی ہے وہ بھی پوری نقل نہیں کی اس کے آگے یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔

فکلوا واشربوا حتی ینادی ابن ام مکتوم قال وکان ابن ام مکتوم رجلا اعمی لا ینادی حتی یقال له اصبحت اصبحت (مشکوۃ شریف باب فیہ فصلین)

پس کھاؤ اور پیو حتی کہ ابن ام مکتوم اذان کہے اور ابن ام مکتوم نابینا تھے اس وقت تک اذان نہیں کہتے تھے جب تک کہ اسے کہا جاتا تونے صبح کردی تونے صبح کردی۔

اس روایت سے بھی یہ ہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت بلال کی اذان پر اکتفاء نہیں کیا جاتا تھا۔ دوبارہ حضرت ام مکتوم اذان دیتے تھے یہ ہی حنفی مسلک ہے کہ وقت سے پہلے اذان نہیں ہوتی۔

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ صاحب شمع محمدی کتنا دجل سے کام لیتے ہیں ساری کتاب ہی دجل اور تلبیس سے بھری پڑھی ہے۔

(۳۲) غلاموں پر حنفی مذہب کا ظلم

(یعنی آقا نے اگر اپنے غلام کو قتل کردیا تو اسے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن سمرة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قتل عبده قتلناه ومن جدع عبده جدعناه (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی الخ مشکوۃ ص ۳۰۱ جلد دوم کتاب القصاص)

یعنی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے غلام کو قتل کردے ہم اسے اس کے بدلے قتل کریں گے اور جو اپنے غلام کی ناک کاٹ لے ہم بھی اس کی ناک کاٹ لیں گے۔ یہ حدیث صریح ہے کہ غلام کے قتل کا قصاص آزاد سے لیا جائے گا۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا ان کے مذہب کی اعلی تر کتاب ہدایہ ص ۵۴۷ جلد ۴ باب مایوجب القصاص میں ہے ولا يقتل الرجل بعبده یعنی کسی نے اپنے غلام کو قتل کردیا تو اس کے قصاص میں اسے قتل نہ کیا جائے گا۔ کہو حنفی بھائیو! قانون محمدی کو سر چڑھاؤ گے؟ یا قانون حکومت حنفیہ کو؟

(شمع محمدی ص ۶۷، ظفر المبین حصہ اول ص ۲۰۵)

جواب

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک خود آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے طرز عمل کے عین مطابق ہے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ا۔ عن ابن عباس قال جاءت جارية الى عمربن الخطاب رضی اللہ عنه فقالت ان سيدى اتهضى فاقعدنى على النار حتى احترق فرجى فقال لها عمر رضی اللہ عنه هل راى ذلک علیک قالت لا قال فهل اعترفت له بشى قالت لا فقال عمر رضی اللہ عنه على به فلما راى عمر الرجل قال اتعذب بعذاب الله قال يا امير المومنين اتهمتها فى نفسها قال رايت ذلک عليها قال الرجل لا' قال فاعترفت لک به فقال لا' قال والذى نفسى بيده لو لم اسمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يقاد مملوک من مالكه ولا ولد من والده لاقدتها منک فبرذه وضربه مائة سوط وقال للجارية انهبى فانت حرة لوجه الله وانت مولاة الله ورسوله۔ قال ابوصالح وقال الليث وهذا القول معمول به (سنن الکبری جلد ۸ ص ۳۶)

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک لونڈی سیدنا عمربن الخطابؓ کے پاس آئی اور کہا کہ میرے مالک نے مجھ پر (بدکاری کا) الزام لگایا۔ اور مجھے آگ کے اوپر بٹھادیا جس سے میری شرمگاہ جل گئی۔ سیدنا عمرؓ نے اس سے کہا' کیا اس نے تمہیں (بدکاری کرتے ہوئے) دیکھا۔ اس نے کہا نہیں۔ آپؓ نے کہا' کیا تو نے اس کے سامنے کسی بات کا اقرار کیا؟ اس نے کہا نہیں' سیدنا عمرؓ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ۔ جب حضرت عمرؓ نے اس آدمی کو دیکھا تو کہا کیا تم (اپنی لونڈی کو) اللہ تعالیٰ کے عذاب میں عذاب دیتے ہو؟ اس نے کہا' اے امیر المومنین مجھے اس کے متعلق بدکاری کرنے کا گمان ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کیا تم نے اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھا؟ اس نے کہا نہیں آپؓ نے کہا' کیا اس نے تمہارے سامنے اعتراف کیا؟ اس نے کہا نہیں سیدنا عمرؓ نے کہا' خدا کی

قسم اگر میں نے رسول اللہؐ سے یہ نہ سنا ہوتا کہ غلام کے بدلے میں آقا سے اور بیٹے کے بدلے میں باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ تو میں اس کو تجھ سے بدلہ دلواتا۔ پھر سیدنا عمرؓ نے اس آدمی کے کپڑے اتروا کر اسے سو کوڑے لگوائے اور لونڈی سے کہا جاؤ، تم اللہ کے لیے آزاد ہو اور تم اللہ اور اس کے رسول کی لونڈی ہو۔ ابو صالح نے کہا کہ لیث کہتے ہیں کہ اسی بات پر عمل چلا آرہا ہے۔

حدیث نمبر ۲۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رجلا قتل عبده متعمدا فجلده النبی صلی اللہ علیه وسلم مائة جلدة ونفاه سنة ومحاسهمه من المسلمین ولم یقده به وامره ان یعتق رقبة (سنن الکبری ج ۸ ص ۳۶، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۴۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۳۰۴)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنے غلام کو عمداً قتل کردیا تو حضور اکرم ﷺ نے اس کو سو کوڑے لگائے اس کو ایک سال کے لیے جلا وطن کردیا اور غنیمت میں سے اس کا حصہ ختم کردیا۔ آپؐ نے اسے قصاص میں قتل نہیں کیا بلکہ اسے حکم دیا کہ ایک غلام کو آزاد کرے۔

حدیث نمبر ۳۔ عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنه قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم برجل قتل عبده متعمدا فجلده رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مائة جلدة ونفاه سنة ومحاسهمه من المسلمین ولم یقده به (سنن الکبری ج ۸ ص ۳۶، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۴۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۳۰۴)

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا جس نے اپنے غلام کو عمداً قتل کردیا تھا۔ آپؐ نے اس کو سو کوڑے لگوائے۔ ایک سال کے لیے اسے جلا وطن کردیا اور مال غنیمت میں سے اس کا حصہ ختم

کردیا (لیکن) اسے بدلے میں قتل نہیں کیا۔

حدیث نمبر۴۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن عبد اللہ بن عمرو قال کان ابوبکر وعمر لا یقتلان الرجل بعبدہ کانا یضربانہ مئۃ ویسجنانہ سنۃ ویحرمانہ سھمہ مع المسلمین سنۃ اذا قتلہ عمدا قال واخبرنی ابی عن عبد الکریم ابی امیۃ مثلہ قال ویؤمر بعتق رقبۃ (مصنف عبد الرزاق ج ۹ ص ۴۹۱)

عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کسی آدمی کو اپنے غلام کو قتل کرنے کے جرم میں قتل نہیں کرتے تھے بلکہ اسے سو کوڑے لگاتے۔ اسے ایک سال کے لیے قید کردیتے اور ایک سال کے لیے مال غنیمت میں سے اس کا حصہ ختم کردیتے تھے۔ جبکہ اس نے عمداً قتل کا ارتکاب کیا ہوتا۔ اور اسے ایک غلام آزاد کرنے کا حکم دیتے۔

اسی مفہوم کی روایت سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۷ اور مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۳۰۵ میں مذکور ہے۔

حدیث نمبر۵۔ عن قتادۃ عن الحسن قال لا یقاد الحر بالعبد۔

قتادہ حضرت حسن بصری سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آزاد قتل نہ کیا جاوے غلام کے بدلے میں۔ (ابوداؤد مترجم علامہ وحید الزماں ج ۳ ص ۴۱۷)

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اس طرز عمل کی روشنی میں صاحب شمع محمدی کی نقل کردہ روایت کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ بات محض آقاؤں کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے فرمائی تھی، تاکہ وہ اپنے غلاموں کو قتل کرنے کے معاملے میں بے لگام نہ ہو جائیں۔ اس کا مقصد اس جرم کی سزا بیان کرنا نہیں تھا۔ جیسا کہ چوتھی بار شراب پینے والے کے لیے حدیث جابرؓ میں آتا ہے فاقتلوہ اس کو قتل کردو۔ مگر جب آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک آدمی پکڑ کر لایا گیا جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تھی آپ ؐ نے اس کا دماء اور قتل نہیں کیا۔ مشکوۃ ص

۳۱۵ آپ ﷺ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے صرف ڈرانے اور دھمکانے کے لیے یہ بات فرمائی تھی۔ ورنہ خود حضور اکرم ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین یہ سزا دینے سے گریز نہ کرتے۔

علاوہ ازیں اس روایت کی سند بھی کمزور ہے کیونکہ یہ روایت حسن بصری نے حضرت سمرہؓ سے نقل کی ہے اور محدثین کی ایک بڑی جماعت نے ان کی حضرت سمرہؓ سے نقل کردہ روایات کو ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔ امام بیہقی اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

قال قتادہ ثم ان الحسن نسی هذا الحدیث قال لا یقتل حر بعبد (قال الشیخ) یشبه ان یکون الحسن لم ینس الحدیث لکن رغب عنه لضعفه واکثر اهل العلم بالحدیث رغبوا عن روایة الحسن عن سمرة وذهب بعضهم الی انه لم یسمع منه غیر حدیث العقیقة۔

قتادہ کہتے ہیں کہ حسن بصریؒ یہ روایت بیان کرنے کے بعد بھول گئے اور کہنے لگے کہ آزاد آدمی کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ شیخ کہتے ہیں کہ غالبا حسن بصری روایت کو بھولے نہیں تھے بلکہ انہوں نے اس حدیث کے ضعف کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کیا۔ اور اکثر ائمہ حدیث نے ان حضرت سمرہؓ سے نقل کردہ روایتوں سے اعراض کیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے سمرہؓ سے سوائے ایک حدیث عقیقہ کے اور کوئی روایت نہیں سنی۔

امام بیہقیؒ آگے تحریر فرماتے ہیں۔

عن شعبة قال لم یسمع الحسن من سمرة قال وسمعت یحییٰ بن معین یقول لم یسمع الحسن من سمرة شیئا هو کتاب، قال یحی فی حدیث الحسن سمرة من قتل عبده۔

شعبہ کہتے ہیں کہ حسن نے سمرہ سے سماع نہیں کیا۔ اور میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے سنا کہ حسن نے سمرہ سے سماع نہیں کیا، بلکہ وہ ایک کتاب

سے نقل کرتے ہیں۔ اور اس حدیث (یعنی مالک کو غلام کے بدلے میں قتل کرنے کی حدیث) کے بارے میں یحیٰی نے فرمایا کہ حسن نے سمرہؓ سے یہ نہیں سنی۔ (سنن الکبریٰ بیہقی ج ۸ ص ۳۵)

اور امام بیہقی باب بیع الحیوان بالحیوان میں فرماتے ہیں۔

عن قتادة الا ان اکثر الحفاظ لا یثبتون سماع الحسن البصری من سمره فی غیر حدیث العقیقة۔

قتادہ کہتے ہیں کہ اکثر حفاظ حدیث عقیقہ کی حدیث کے علاوہ سمرہؓ سے حسن بصری کے سماع کو ثابت نہیں مانتے۔ (سنن الکبریٰ جلد ۵ ص ۲۸۸)

صاحب شمع محمدی نے جو حدیث نقل کی ہے وہ عقیقہ کے علاوہ ہے۔

صاحب شمع محمدی کی بددیانتی

صاحب شمع محمدی کا یہ نقل کرنا کہ فقہ حنفی حدیث کے خلاف ہے۔ بالکل جھوٹ ثابت ہوا اور یہ کیسی بددیانتی ہے کہ حنفی مسلک کے دلائل کا ذکر نہ کرنا بلکہ ان کا انکار کرنا صاحب شمع محمدی نے اس کتاب میں بے شمار احادیث کا انکار کردیا ہے۔

(۳۳) خون مسلم کی بے قدری
(مسلمان ذمی کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا)

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن علی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ---- الا لا یقتل مسلم بکافر (رواہ ابوداؤد والنسائی مشکوۃ جلد دوم ۳۰۱ کتاب القصاص)

یعنی خبردار مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ یہ حدیث صاف ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اب اے حنفی بھائیو! بتلاؤ قانون مدنی مانو گے؟ یا قانون کوفی؟ جو کہتا ہے

والمسلم بالذمی یعنی ذمی کافر کے قتل کے بدلے مسلمان کو قتل کردیا جائے گا۔ (ہدایہ باب مایوجب القصاص ص ۵۴۷ جلد ۴)
(شمع محمدی ص ۶۸، ظفرالمبین حصہ دوم ص ۱۴۸)

جواب

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان حربی کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا اور ذمی کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ اور حدیث میں جو آیا ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ اس سے مراد حربی کافر ہے نہ کہ ذمی۔ امام اعظم کے اس نظریہ کی تائید اسی حدیث میں موجود ہے۔

صاحب شمع محمدی کی بدیانتی

صاحب شمع محمدی نے مکمل حدیث نقل نہیں کی۔ اس حدیث میں بکافر کے بعد ولا ذو عھد فی عھدہ کے الفاظ بھی تھے (مشکوٰۃ سنن الکبری ج ۸ ص ۲۹) جو صاحب شمع محمدی نے نقل نہیں کیے۔ کیونکہ ان الفاظ سے امام اعظم کے نظریہ کی کھلی تائید ہوتی ہے۔ اب روایت کا صحیح مفہوم اس طرح بنتا ہے۔

اور خبردار کافر (حربی) کے بدلے میں مسلمان نہ مارا جائے اور نہ عہد والے (یعنی ذمی) کو مارا جائے جب تک کہ وہ عہد وضمان میں ہے۔

اس روایت میں ذمی کا ذکر الگ سے کیا گیا ہے کہ اگر کسی ذمی نے کسی حربی کافر کو ماردیا تو اسے بھی مسلمان کی طرح بدلے میں نہیں مارا جائے گا۔ اس سے امام اعظم کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ اس حدیث میں کافر سے مراد حربی ہے نہ کہ ذمی کیونکہ ذمی کا حکم مسلمان کی طرح آپ نے فرمایا ہے۔ حضرت علی کی اس روایت کے علاوہ اور روایات میں بھی یہ الفاظ آئے ہیں مثلاً

(۱) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے

لا یقتل مومن بکافر ولا ذو عھد فی عھدہ

نہ کسی مومن کو کافر کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور نہ کسی ذمی کو جو عہد ذمہ میں ہو۔ (سنن الکبری ج ۸ ص ۳۹)

(۲) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے

لا يقتل مسلم بكافر ولا ذوعهد في عهده سنن الکبری ج ۸ ص ۳۰
نہ کسی مومن کو کافر کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور نہ کسی ذمی کو جو عہد وذمہ میں ہو۔

(۳) حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے۔

لا يقتل مومن بكافر ولا ذوعهد في عهده والمسلمون سنن الکبری ج ۸ ص ۳۰
نہ کسی مومن کو کافر کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور نہ کسی ذمی کو جو عہد ذمہ میں ہو۔

(۴) حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے۔

لا يقتل مومن بكافر ولا ذوعهد في عهده سنن الکبری ج ۸ ص ۳۰
نہ کسی مومن کو کافر کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور نہ کسی ذمی کو جو عہد ذمہ میں ہو (ابن ماجہ مترجم جلد ۲ ص ۱۳۶)

ان چار روایات سے بھی امام اعظم کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ حدیث میں کافر سے مراد حربی کافر ہے اگر اس حدیث میں کافر حربی مراد لیا جائے تو امام صاحب کا مذہب حدیث کے مطابق خود ہی ثابت ہو جاتا ہے۔ جونا گڑھی نے ہدایہ سے جو عبارت تعارض میں نقل کی ہے اس میں ذمی کا ذکر ہے۔ خاص ذمہ کافر کے بدلے قتل کیا جائے ذکر بھی حدیث میں موجود ہے مثلاً

(الف) عن ابن البيلمانى عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قتل مسلما بمعاهد وقال انا اكرم من وفى بذمته (سنن الکبری ج ۸ ص ۳۰)

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کو ایک ذمی کے بدلے میں قتل کیا اور کہا جو شخص اپنا ذمہ پورا کرے میں اس کا (بدلہ لینے کا) زیادہ حق دار ہوں۔

عن محمد بن المنکدر عن عبد الرحمن بن البیلمانی ان رجلا من المسلمین قتل رجلا من اھل الکتاب فرفع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا احق من وفی بذمتہ ثم امر بہ فقتل (سنن الکبری جلد ۸ ص ۳۰)

مسلمانوں کے ایک آدمی نے اہل کتاب کے ایک آدمی کو قتل کیا مقدمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ نے فرمایا جو آدمی اپنا ذمہ پورا کرے میں اس کا (بدلہ لینے کا) زیادہ حق رکھتا ہوں پھر آپ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

اس حدیث سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تائید ہوتی ہے کہ اگر کسی مسلمان نے ذمی کو قتل کیا تو اس کے بدلے میں مسلمان قتل کیا جائے گا۔

صاحب شمع محمدی کا یہ کہنا کہ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے سو فیصد جھوٹ ہے۔

(۳۴) قصاص میں برابری کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن انس ان یھودیا رض راس جاریۃ بین حجرین فقیل لھا من فعل بک ھذا افلان حتی سمی الیھودی فاومت براسھا فجی بالیھودی فاعترف وامر بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض راسہ بالحجارۃ (متفق علیہ مشکوۃ ص ۳۰۰ جلد دوم کتاب القصاص)

یعنی ایک یہودی نے ایک لونڈی کے سر کو پتھر سے کچل دیا اس سے دریافت کیا گیا کہ تیرے ساتھ یہ کس نے کیا؟ کیا فلاں نے؟ کیا فلاں نے؟ یہاں تک کہ اسی یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے سر کے اشارے سے اقرار کیا

پھر یہودی کو بلوایا گیا اس سے پوچھا گیا اس نے بھی اقرار کیا۔ پس حضور ﷺ کے حکم سے اس یہودی کا سر بھی اسی طرح پتھر سے کچل دیا گیا۔ یہ حدیث صاف ہے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر کسی نے پتھر سے سر کچل کر کسی کو مار ڈالا ہو تو اس کا قصاص اور بدلہ بھی اسی طرح اس کا سر کچل کر لیا جائے گا۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا ان کی معتبر کتاب ہدایہ نے اس حدیث کو رد کر دیا ہے اس کے ص ۵۴۷ باب مایوجب القصاص جلد چہارم میں ہے ولا یستوفي القصاص الا بالسیف یعنی قصاص صرف تلوار سے ہی لیا جائے۔ کہو حنفی بھائیو! کیا سوچا؟ حنفی فوجداری کا حکم بحال رہا؟ یا محمدی قانون بحال رہا؟

(شمع محمدی ص ۶۸، ظفر المبین حصہ دوم ص ۱۵۹)

جواب

فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث سے ثابت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱۔ عن ابی بکرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا قود الا بالسیف سنن ابن ماجہ باب لا قود الا بالسیف باب نمبر ۱۹۴ حدیث نمبر ۲۶۴۴) سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۰۶

حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تلوار کے علاوہ کسی اور چیز سے قصاص نہ لیا جائے۔

حدیث نمبر ۲۔ عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکل شی خطا الا السیف ولکل خطا ارش (مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۳۴۲، طحاوی مترجم جلد ۳ ص ۲۶۳، ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۶۴۳ باب لا قود الا بالسیف، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۰۷، سنن الکبری بیہقی ج ۸ ص ۴۲)

ترجمہ۔ حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تلوار کے سوا ہر شے میں خطا ہے اور خطا میں دیت ہے۔

حدیث نمبر۳۔ عن علی علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا قود الا بحدیدۃ ولا قود فی النسف وغیرھا الا بحدیدۃ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۸۸)

حدیث نمبر۴۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا قود الا بالسیف (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۸۸ و ص ۸۷)

حدیث نمبر۵۔ عن عبد اللہ ابن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا قود الا بسلاح (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۸۸)

حدیث نمبر۶۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا قود فی شلل ولا عرج (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۹۱)

ہم نے یہاں کچھ چند روایات نقل کردی ہیں ان کے علاوہ اور روایات اور آثار بھی اس کے متعلق موجود ہیں جن سے حنفی مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

رہی وہ روایات جو صاحب شمع محمدی نے نقل کی اس کے علماء نے کئی جواب دیئے ہیں جن میں سے دو جواب ہم یہاں پر نقل کرتے ہیں۔

جواب نمبر۱۔ نبی کریم ﷺ نے اس یہودی کو قاطع الطریق اور ڈاکو کے حکم میں قرار دیا اور ڈاکو کو امام (یعنی امیر مملکت) جس طرح چاہے قتل کرسکتا ہے۔

جواب نمبر۲۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب مثلہ کرنا مباح تھا جس طرح نبی کریم ﷺ نے عرینیین کو سزادی تھی بعد میں اس سے منع کردیا گیا اور یہ منسوخ ہوگیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۵۴)

(۳۵) حنفی مذہب میں کتوں کی تجارت

جوناگڑھی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ابی مسعود الانصاری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن ثمن الکلب ومھر البغی وحلوان الکاھن (متفق علیہ مشکوۃ ص ۲۴۱ جلد اول کتاب البیوع)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت سے اور زانیہ کی اجرت زنا سے اور کاھن کے حلوے مانڈے سے منع فرمایا ہے۔ یہ حدیث صاف ہے کہ کتے کی خرید وفروخت حرام ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے ثمن الکلب خبیث الخ کتے کی قیمت خبیث ہے یعنی حرام۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ جائز ہے چنانچہ ہدایہ جلد سوم کتاب البیوع ص ۸۵ میں ہے یجوز بیع الکلب والفھد والسباع یعنی کتے کی، بھیڑیے کی اور درندوں کی خرید وفروخت جائز ہے۔ کہو حنفی بھائیو! کتے کی خرید وفروخت کو حدیث کی ماتحتی میں حرام کہو گے؟ یا فقہ کی تقلید میں حلال کہوگے؟ دونوں چیزیں اور دونوں کے علیحدہ علیحدہ حکم آپ کے سامنے ہیں اب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کا میلان کدھر ہوتا ہے۔

(شمع محمدی ص ۶۹، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۶۵، فتح المبین علی رد مذاہب المقلدین ص ۵۲ و ص ۱۳۵، اختلاف امت کا المیہ ص ۶۵، سبیل الرسول ص ۲۵۵، احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۴۸، مقلدین آئمہ کی عدالت میں ص ۲۱۸، نتائج التقلید ص ۱۲۰)

جواب

امام ابوحنیفہ ؒ کا موقف یہ ہے کہ احادیث میں مذکور نہی اس زمانے سے

متعلق ہے جب کتوں کے بارے میں شریعت کے احکام بہت سخت تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل عرب میں کتوں کے ساتھ غیر معمولی انس اور محبت پائی جاتی تھی اور ان کے گھروں میں کتوں کو شوقیہ پالنے کا بکثرت رواج تھا۔ یہ انس و محبت اور تعلق ان کے دل سے نکالنے کے لیے ابتداء میں بہت سخت احکام دیے گئے جو کہ بعد میں بتدریج نرم ہوتے گئے اور آخر میں یہ حکم ٹھہر گیا کہ کسی ضرورت کی غرض سے تو کتے کو پال لینے کی اجازت ہے لیکن شوقیہ طور پر کتا رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ احادیث ملاحظہ فرمائیں ۔

(۱) عبد اللہ عن ابن المغفل قال امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقتل الکلاب ثم قال ما بالھم وبال الکلاب ثم رخص فی کلب الصید وکلب الغنم (مسلم شریف جلد ۲ ص ۲۵)

حضرت ابن مغفل ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (ابتدا میں) کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا پھر فرمایا کتے لوگوں کو کیا تکلیف دیتے ہیں پھر آپ نے شکاری کتے اور بکریوں (کی حفاظت) کے (لیے) کتوں کو پالنے کی اجازت دے دی۔ (کتوں کو قتل کرنے کی روایات بہت زیادہ ہیں دیکھئے مسلم کتاب المساقات والمزارعہ)

اس حدیث میں تین باتوں کا ذکر ہے۔

(۱) پہلے کتے کو (دیکھتے ہی) قتل کرنے کا حکم تھا۔

(۲) پھر قتل کرنے کا حکم تو منسوخ ہوگیا مگر کتوں کو پالنا پھر بھی ممنوع ہی رہا۔

(۳) پھر شکاری کتے اور بکریوں کی حفاظت کے لیے پالنے کی اجازت بھی دے دی گئی چنانچہ شکار اور کھیتی اور ریوڑ کی حفاظت کے لیے کتے کو پالنے کی اجازت کی صریح روایات حضرت عبد اللہ ؓ بن عمر ‘ حضرت ابو ہریرہ ؓ اور سفیان بن زبیر ؓ سے مروی ہیں۔ (دیکھئے صحیح مسلم کتاب المساقات والمزارعہ ۔ باب الامر بقتل الکلاب وبیان نسخہ وبیان تحریم اقتنائھا الا لصید او

زرع او ماشیه ونحو ذلک)

(۲) عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اقتنی کلبا لیس بکلب صید ولا ماشیۃ ولا ارض فانہ ینقص من اجرہ قیراطان کل یوم (مسلم شریف مترجم جلد ۴ ص ۳۰۶ حدیث نمبر ۸۱۹۳)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے شکار مویشی اور زمین کے علاوہ کتا پالا (یا رکھا) اس کے اجر میں سے ہر روز دو قیراط کم ہوتے رہیں گے۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ ان تین وجہوں سے کتا پالنے کی اجازت ہے۔ یہ اجازت بعد کے زمانے ہی کی ہے۔ جس وقت کتوں کو قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا تھا۔

(۳) قرآن پاک میں بھی کتے کے شکار کا ذکر ملتا ہے۔

آیت :۔ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ تو کھاؤ اس شکار میں سے جو وہ (شکاری کتے وغیرہ) مار کر تمہارے لیے رہنے دیں اور اس پر اللہ کا نام لو (رکوع ا المائدہ)

(۴) آنحضرت ﷺ نے عدی بن حاتم ؓ سے فرمایا کہ اذا ارسلت الکلب المعلم وذکرت اسم اللہ علیہ فاخذ فکل جب تو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سدھایا ہوا کتا شکار پر چھوڑے اور کتا اسے پکڑ لے تو ایسے شکار کا کھانا تیرے لیے جائز ہے (نسائی جلد ۲ ص ۱۹۲)

ان روایات کہ پیش نظر امام ابو حنیفہ ؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی جائز ضروریات کے لیے کتے کو پالنا اور اس سے فائدہ اٹھانا درست ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس کی خرید وفروخت کرنا بھی درست۔ اسی وجہ سے جن بعض روایات میں کتوں کی خرید وفروخت سے ممانعت آئی ہے۔ خود انہی روایات میں یہ استثناء بھی ثابت ہے چنانچہ دیکھئے مندرجہ ذیل روایات۔

(۱) عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن ثمن السنور والکلب الا کلب صید (نسائی کتاب الصید ج ۲ ص ۱۹۵' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۷۳' سنن الکبری بیہقی ج ٦ ص ٦' مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۷)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے بلی اور کتے کی بیع سے منع فرمایا۔ مگر شکاری کتے کی بیع سے۔

(۲) عن ابی ہریرة قال نهی عن ثمن الکلب الا کلب الصید (ترمذی ج ۱ ص ۱۵۴' سنن دار قطنی ج ۳ ص ۷۳' سنن الکبری بیہقی ج ۲ ص ٦)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا انہوں نے منع کیا (حضور اکرمؐ نے) کتے کی قیمت سے۔ مگر شکاری کتے کی قیمت کو یعنی اس کو منع نہیں کیا۔

(۳) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ثمن کلب الصید حضور ﷺ نے شکاری کتے کی قیمت لینے کی اجازت دی (مسند امام اعظم ص ۱۶۹' نصب الرایہ ج ۴ ص ۵۴)

اس کے علاوہ طحاوی اور سنن الکبری بیہقی میں عبد اللہ بن عمرو اور سنن بیہقی میں حضرت عثمانؓ کے بارے میں مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے کسی کے شکاری کتے کو قتل کردیا تو حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے قضی فی کلب صید قتله ؟ رجل باربعین درهما فیصلہ فرمایا کہ کتے کا قاتل اس کے مالک کو چالیس درہم اور بیس اونٹوں کا تاوان ادا کرے (بیہقی ص ۸ جلد ٦' طحاوی جلد ۲ ص ۲۲۸) اگر شکاری کتے کی کوئی قدر وقیمت نہ ہوتی تو مندرجہ بالا فیصلہ ہرگز نہ فرمایا جاتا۔

ان روایات میں شکاری کتے کی بیع کی اجازت مذکور ہے جبکہ کھیتی اور ریوڑ کے محافظ کتے کی خرید و فروخت کی اجازت اس پر قیاس کرنے سے ثابت ہوگی۔ اور جو روایت جونا گڑھی نے نقل کی ہے۔ وہ پہلے زمانے کی ہے۔ جب کتوں کو قتل کرنے کا حکم تھا جب شکار اور کھیتی اور ریوڑ کی حفاظت کے

لیے کتا رکھنے کی اجازت ہوگئی تو شکاری کتے کی بیع کی اجازت بھی بعد میں ہوگئی تھی۔

(۳۶) مسجد میں نماز جنازہ کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ابی سلمة بن عبد الرحمن ان عائشة توفی سعد ابن ابی وقاص قالت ادخلوا به المسجد حتی اصلی علیه فانکر ذالک علیها فقالت واللہ لقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی ابنی بیضاء فی المسجد سهیل واخیه (رواہ مسلم ۔ مشکوۃ ص ۱۴۵ جلد اول باب المشی بالجنازۃ الخ)

یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے انتقال پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کا جنازہ مسجد میں لانے کو فرمایا۔ تاکہ آپ بھی نماز جنازہ میں شرکت کریں۔ اس پر جب انکار کیا گیا تو آپ نے حدیث بیان کی کہ بیضا کے دونوں لڑکے یعنی سہیل اور ان کے بھائی کے جنازے کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ہی پڑھائی تھی۔ یہ حدیث صاف ہے کہ مسجد میں جنازے کی نماز باجماعت ادا ہو سکتی ہے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے چنانچہ فقہ کی معتبر کتاب ہدایہ ص ۱۶۱ فصل فی الصلوۃ علی المیت جلد اول میں لکھا ہے ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعة یعنی جنازے کی نماز باجماعت مسجد میں ادا نہ کرنی چاہیئے۔ کہو حنفی بھائیو! اب مدینے کی راہ چلو گے؟ یا کوفے کی؟ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانو گے؟ یا ہدایہ والے کی؟ (شمع محمدی ص ۶۹، ظفر المبین حصہ اول ص ۱۴۸، فتح المبین علی رد مذاہب

المقلدین ص ۵۵ و ص ۱۳۵)

جواب

ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں شروع دور میں یہ دستور تھا کہ جب کسی صحابی کی وفات ہوجاتی تھی تو آنحضرت ﷺ اس کے گھر تشریف لے جاکر بموقع دفن نماز جنازہ پڑھا دیتے تھے۔ لیکن جب صحابہ کرام نے اس میں آپ ﷺ کی مشقت اور تکلیف کا احساس کیا تو انہوں نے میت آپ کے در دولت پر لانی شروع کردی۔ اور آپ کے گھر کے قریب ایک جگہ تجویز کرلی جہاں میت کو رکھ کر آپ ﷺ کو اطلاع کی جاتی۔ آپ ﷺ تشریف لاکر اس متعین جگہ پر نماز جنازہ پڑھاتے تھے۔ یہ متعین جگہ (جنازہ گاہ) مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام کی مشرقی دیوار کی طرف مسجد نبوی سے باہر تھی اسی جگہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام مستقل نماز جائز پڑھاتے تھے اس جگہ کا نام موضع جنائز اور مصلی جنائز تھا۔ اسی جگہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے شاہ حبشہ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ اور اسی جگہ کے قریب دو زنا کار یہودی مرد و عورت کو سنگسار کیا گیا تھا۔

اسی موضع جنائز میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد صحابہ کرام بھی اسی جگہ جنازے پڑھاتے تھے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور صحابہ کرام کے عمل کے علاوہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان بھی موجود ہے۔ کہ جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھتا ہے اسے کوئی اجر نہیں ملتا۔ حنفی مسلک کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) عن ابن شهاب قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا هلک الهالک شهده يصلى عليه حيث يدفن فلما ثقل رسول الله صلى الله عليه وسلم وبدن نقل اليه المؤمنون موتاهم فصلى عليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم على الجنائز عند بيته فى موضع

الجنائز الیوم ولم یزل ذالک جاریا۔ (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی ج ۲ ص ۵۳۲)

حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کسی کی وفات ہوجاتی تھی تو رسول اللہ ﷺ بموقع دفن نماز پڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کا وجود بھاری ہوگیا (اور آپ کے لیے جانا دشوار ہوگیا) تو صحابہ کرام نے میت کو آپ کے مکان کے قریب ہی لے جانا شروع کردیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے مکان کے قریب موضع جنائز میں نماز جنازہ پڑھاتے۔ یہی دستور آج تک چلا آرہا ہے۔

(۲) عن ابن شہاب قال حدثنی سعید ابن المسیب ان ابا ھریرۃ قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صف بھم بالمصلی فکبر علیہ اربعا (بخاری ج ۱ ص ۱۷۷)

حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت سعید ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے مصلی جنائز میں لوگوں کی صف بندی کی اور نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔

(۳) عن عبد اللہ بن عمر ان الیھود جاؤا الی النبی صلی اللی علیہ وسلم برجل منھم وامراۃ زنیا فامر بھما فرجما قریبا من موضع الجنائز عند المسجد (بخاری ج ۱ ص ۱۷۷)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہودی نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس اپنے ایک ایسے مرد و عورت کو لائے جنہوں نے زنا کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں سنگسار کرنے کا حکم دیا چنانچہ انہیں موضع جنائز کے قریب مسجد نبوی سے متصل سنگسار کیا گیا۔

(۴) قال محمد لا یصلی علی جنازۃ فی المسجد وکذالک بلغنا عن ابی ھریرۃ وموضع الجنازۃ بالمدینۃ خارج من ال...

الموضع الذی کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی علی الجنازة فیہ (موطا امام محمد ص ۱۶۵)

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ ایسے ہی پہنچا ہے ہمیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔ مدینہ طیبہ میں موضع جنائز مسجد نبی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام سے باہر ہے اور یہ وہی جگہ ہے جہاں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے۔

(۵) عن وائل بن داؤد قال سمعت قال لما مات ابراھیم بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المقاعد (ابوداؤد ج ۲ ص ۹۸)

حضرت وائل بن داؤد فرماتے ہیں کہ میں ــــــ نےــــــ سنا انہوں نے فرمایا کہ جب نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے صاحبزادے ابراہیم کی وفات ہوئی تو آپ نے ان کی نماز جنازہ مقاعد (مصلی جنائز) میں پڑھی۔

(۶) انبا ابن جریج قال قلت لنافع اکان ابن عمر یکرہ ان یصلی وسط القبور قال لقد صلینا علی عائشة وام سلمة رضی اللہ عنھا وسط البقیع والامام یوم صلینا علی عائشة رضی اللہ عنھما ابوھریرة رضی اللہ عنہ وحضر ذالک عبد اللہ بن عمر (سنن کبری بیہقی ج ۲ ص ۴۳۵' مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۵۲۵)

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ کیا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قبروں کے درمیان نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا ہم نے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ بقیع کے درمیان میں پڑھی تھی۔ جب ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نماز پڑھی تو امام حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔

ان چھ روایات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جنازہ کے

لیے ایک جگہ مقرر تھی (یعنی جنازہ گاہ) اس میں جنازہ پڑھا جاتا تھا۔

(۷) عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى على جنازة في المسجد فلا شي له (ابوداؤد ج ۲ ص ۹۸، ابن ماجہ ص ۱۱۰، مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۵۲۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔

(۸) عن صالح مولى التوامة عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى على جنازة في المسجد فلا شي له۔ قال صالح وادركت رجالا ممن ادركوا النبي صلى الله عليه وسلم وابابكر اذا جاؤا فلم يجدوا الا ان يصلوا في المسجد رجعوا فلم يصلوا (منحۃ المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی ابی داؤد ج ۱ ص ۱۶۵)

حضرت صالح مولی توامتہ" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔ حضرت صالح" فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے ایسے لوگوں کو جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پایا ہے۔ دیکھا کہ وہ جب نماز جنازہ کے لیے آتے اور انہیں نماز جنازہ کے لیے مسجد کے سوا کوئی جگہ نہ ملتی تو وہ واپس ہوجاتے اور مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھتے۔

(۹) عن صالح مولى التوامة عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى على جنازة في المسجد فلا شي له قال وكان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا تضايق بهم المكان رجعوا ولم يصلوا (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۳۶۴)

حضرت صالح مولی توامتہ" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے مسجد میں نماز پڑھی

اس کے لیے کوئی اجر نہیں۔ حضرت صالحؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام جب نماز جنازہ کے لیے جگہ تنگ ہو جاتی تو واپس چلے جاتے تھے۔ مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔

(۱۰) عن صالح مولی التوامة عمن ادرک ابابکر وعمر انهم کانوا اذا تضایق بهم المصلی انصرفوا ولم یصلوا علی الجنازة فی المسجد (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۶۵)

حضرت صالح مولی توامتہؒ ان صحابہ و تابعین سے روایت کرتے ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو پایا ہے کہ جب نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ تنگ ہوجاتی تو وہ واپس چلے جاتے تھے۔ مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔

(۱۱) عن کثیر بن عباس قال لاعرفن ما صلیت علی جنازة فی المسجد (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۶۵، مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۵۲۷)

حضرت کثیر بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ (عہد نبوی میں) کسی بھی جنازہ کی نماز مسجد نبوی میں نہیں پڑھی گئی۔

(۱۲) عن ابن ابی ذئب عن المقبری انه رای حرس مروان بن الحکم یخرجون الناس من المسجد یمنعونهم ان یصلوا فیه علی الجنائز (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی ج ۲ ص ۵۳۱)

حضرت ابن ابی ذئب رحمہ اللہ سعید بن ابی سعید مقبری (متوفی ۱۲۵) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے مروان بن حکم کے سپاہیوں کو لوگوں کو مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے سے روکتے اور نکالتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۱۳) عن کثیر بن زید قال نظرت الی حرس عمر بن عبد العزیز یطردون الناس من المسجد ان یصلی علی الجنائز فیه (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی ج ۲ ص ۵۳۱)

حضرت کثیر بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سپاہیوں کو نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے سے روکتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۱۴) قال وقال مالک واکرہ ان توضع الجنازۃ فی المسجد فان وضعت قرب المسجد للصلوۃ علیھا فلا باس ان یصلی من فی المسجد علیھا بصلوۃ الامام الذی یصلی علیھا اذا ضاق خارج المسجد باھلہ (المدونۃ الکبری ج ۱ ص ۱۷۷)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جنازہ کے مسجد میں رکھے جانے کو مکروہ سمجھتا ہوں ہاں اگر نماز جنازہ کے لیے مسجد کے قریب جنازہ رکھا جائے تو پھر اس شخص کے لیے نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جو مسجد میں ہو اور جنازہ پڑھانے والے امام کی اتباع میں جنازہ پڑھے یہ بھی اس وقت ہے جب کہ مسجد کے باہر کی جگہ جنازہ پڑھنے والوں کی وجہ سے تنگ ہو جائے۔

(۱۵) علامہ ابن قیم ؒ کی تحقیق

حافظ ابن قیم ؒ مسجد میں نماز جنازہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں

والصواب ماذکرناہ اولا وان سنۃ وھدیہ الصلوۃ علی الجنازۃ خارج المسجد الا لعذر وکلا الامرین جائز والا فضل الصلوۃ علیھا خارج المسجد (زاد المعاد فی ھدی خیر العباد ج ۱ ص ۱۴۰)

درست بات وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے۔ اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت اور آپ کا طریقہ نماز جنازہ مسجد سے باہر ہی پڑھنا ہے الا یہ کہ کوئی عذر پیش آجائے اور دونوں امر جائز ہیں لیکن افضل یہی ہے کہ نماز جنازہ مسجد سے باہر پڑھی جائے۔

مذکورہ دلائل سے حنفی مسلک اچھی طرح ثابت ہو جاتا ہے۔ مولانا جونا گڑھی کا یہ کہنا کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے جھوٹ ہے۔

رہی وہ روایت جو انہوں نے نقل کی ہے اس کا جواب یہ ہے۔

کہ ابن بیضاءؓ کی نماز جنازہ تو معمول کے مطابق موضع جنائز میں ہی خارج المسجد ہی ہوئی تھی البتہ اس موقع پر جمع ہونے والے لوگ زیادہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں آگئے تھے۔ اس سے حضرت عائشہؓ یہ سمجھیں کہ نماز جنازہ مسجد میں ہوئی تھی شائد یہی وجہ ہے کہ کسی بھی صحابی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کی تصدیق منقول نہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اشتباہ ہوا ہے ورنہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک واقعہ جو صحابہ کرامؓ کے درمیان پیش آیا ہو وہ صحابہ کرام میں سے کسی ایک کو بھی یاد نہ رہے سارے کے سارے ہی بھول جائیں۔ صرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کو یاد رہے۔ دوسرے حضرت کثیر بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ "مجھے خوب معلوم ہے کہ دور رسالت میں مسجد نبوی میں کسی کی بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی" یہ بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اشتباہ ہی ہوا ہے۔

ماخوذ حدیث اور اہل حدیث' تفصیل کے لیے دیکھئے نماز جنازہ خارج از مسجد عہد رسالت میں۔

(۳۷) حرام عورت کو فقہ حنفی نے حلال کردیا

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ام سلمة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انما انا بشر وانکم تختصمون الی ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی لہ علی نحوما اسمع منہ فمن قضیت لہ بشی من حق اخیہ فلا یاخذنہ فانما اقطع لہ قطعة من النار (متفق علیہ مشکوۃ ص ۳۲۷ جلد دوم باب الاقضیہ)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں انسان ہی ہوں تم میرے پاس اپنے جھگڑے لاتے ہو بہت ممکن ہے کہ کوئی شخص چرب زبان ہو اور میں اس کی سن کر اس کے حق مین فیصلہ دیدوں پس اگر میں اپنے فیصلے میں غلطی کرکے

کسی کو اس کے کسی اور مسلمان بھائی کا حق دلوادوں تو وہ اسے ہرگز نہ لے سنو یہ تو جہنم کا ایک ٹکڑا ہے جس کا فیصلہ میں اس کے حق میں دے رہا ہوں۔ بخاری مسلم کی یہ بہت صحیح حدیث کس وضاحت سے بتلارہی ہے کہ خلاف واقعہ کوئی فیصلہ خود رسول اللہ ﷺ بھی کردیں تو حرام حلال نہیں ہونے کا۔ اس فیصلے کی رو سے بھی ایک کی چیز دوسرے کی فی الواقع نہیں ہونے کی۔ اس فیصلے کے بعد بھی کسی کو حق نہیں کہ دوسرے کی چیز اپنی کرلے۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حنفی مذہب اتنے صاف مسئلے کو بھی نہیں مانتا اور بالکل اس کا خلاف کرتا ہے۔ چنانچہ مذہب حنفیہ کی سب سے اول نمبر کی کتاب ہدایہ ص ۲۹۳ جلد دوم فصل فی بیان المحرمات میں لکھا ہے۔ ومن ادعت علیه امراة انه تزوجها واقامت بینة فجعلها القاضی امراته ولم یکن تزوجها وسعها القام معه وان تدعه یجامعها۔

یعنی کسی شخص پر کسی عورت نے (جھوٹا) دعوی کیا کہ اس نے مجھ سے نکاح کیا ہے اس پر اس نے گواہی (جھوٹی) بھی گذار دی اور قاضی نے فیصلہ کردیا کہ یہ اس کی بیوی ہے لیکن درحقیقت نکاح نہیں ہوا۔ تاہم اس عورت کو اس مرد کے ساتھ رہنا بسنا اور اس سے ہمبستری اور صحبت کرنا سب جائز ہے۔ کہو حنفی بھائیو! حدیث مانو گے یا فقہ؟ میں اس پر کچھ تفصیل نہیں لکھتا۔ صورت آپ کے سامنے ہے حدیث و فقہ کا جداگانہ فیصلہ آپ کے سامنے ہے اب آپ کو اختیار ہے کہ حدیث رسول کو مان کر اس مرد پر اس عورت کو اور اس عورت پر اس مرد کو اس صورت میں حرام کہیں یا فقہ مان کر دونوں کو بغیر واقعی نکاح کے میاں بیوی مان لیں؟ حلال حرام کا معاملہ ہے خدا لگتی کہنا۔

(شمع محمدی ص ۷۵، ظفر المبین حصہ دوم ص ۱۱، ظفر المبین حصہ اول ص ۲۰۸)

جواب

امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک عقود، نسوخ، طلاق اور عتاق میں چند شرائط کے ساتھ جھوٹے گواہوں سے بھی قاضی کا فیصلہ ظاہرا اور باطنا نافذ ہو جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ ؒ کے مسلک کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

دلیل نمبر ا۔ علامہ شامی امام محمد کی کتاب الاصل کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔

قال محمد فی الاصل بلغنا عن علی کرم اللہ وجہہ ان رجلا اقام عندہ بینۃ علی امراۃ انہ تزوجھا فانکرت، فقضی لہ بالبینۃ فقالت انہ لم یتزوجنی فاما اذا قضیت علی فجدد نکاحی فقال لا اجدد نکاحک الشاھدان زوجاک وقال وبھذا ناخذ (رد المحتار ج ۴ ص ۵۲۶)

امام محمد نے مبسوط (الاصل) میں ذکر کیا ہے۔

حضرت علی ؓ سے انہیں یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک شخص نے ان کے پاس ایک عورت کے نکاح پر (جھوٹے) گواہ پیش کردیئے۔ مگر عورت نے اپنے ساتھ اس کا نکاح تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ اس پر حضرت علی نے عورت کو مرد کے پاس جانے کا حکم دے دیا۔ عورت بولی اس مرد نے مجھ سے نکاح نہیں کیا اب اگر آپ نے یہ حکم دے ہی دیا ہے تو پھر اس سے میرا نکاح تو پڑھوا دیجئے حضرت علی نے فرمایا میں تجدید نکاح نہیں کرتا تیرا نکاح تو دونوں گواہوں نے پڑھایا ہوا ہے۔

دلیل نمبر ۲۔ علامہ ابوبکر جصاص حنفی (المتوفی ۳۷۰ھ) حنفی لکھتے ہیں۔

حضرت علی حضرت ابن عمر اور امام شعبی کا بھی اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کی طرح موقف ہے۔ امام ابویوسف نے عمرو بن مقدام سے روایت کیا ہے کہ ایک قبیلہ کے ایک شخص نے ایک ایسی عورت کو نکاح کا پیغام دیا جو شرف اور مرتبہ میں اس سے زیادہ تھی اس عورت نے اس شخص سے نکاح

کرنے سے انکار کردیا۔ اس شخص نے یہ دعوی کردیا کہ اس کا عورت سے نکاح ہو چکا ہے۔ اور حضرت علیؓ کی عدالت میں اس پر دو گواہ پیش کردیے۔ اس عورت نے کہا میرا اس شخص سے نکاح نہیں ہوا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ان دو گواہوں نے تمہارا نکاح کردیا۔

دلیل نمبر ۳۔ امام ابویوسف کہتے ہیں کہ شعبہ بن حجاج ؒ زید سے روایت کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے ایک شخص کے خلاف جھوٹی گواہی دی کہ اس نے اپنی عورت کو طلاق دے دی ہے۔ قاضی نے ان کے درمیان تفریق کردی پھر ان گواہوں میں سے ایک شخص نے اس عورت سے نکاح کرلیا شعبی نے کہا یہ جائز ہے۔

دلیل نمبر ۴۔ حضرت ابن عمرؓ نے ایک غلام کو عیب سے مبرا قرار دے کر فروخت کردیا۔ خریدار اس غلام کو حضرت عثمانؓ کی عدالت میں لے گیا' حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا کیا تم اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ سکتے ہو کہ جب تم نے اس کو فروخت کیا تھا تو تم نے اس کی بیماری کو نہیں چھپایا تھا' حضرت ابن عمرؓ نے قسم کھانے سے انکار کیا' حضرت عثمانؓ نے وہ غلام ان کو واپس کردیا اور بعد میں حضرت ابن عمرؓ نے وہ غلام زیادہ نفع کے ساتھ فروخت کردیا۔ (یہ روایت موطا امام مالک مترجم ص ۵۳۴ میں بھی موجود ہے۔ (مشتاق)

اس مسئلہ میں حضرت ابن عمرؓ نے غلام کی بیع کو جائز قرار دیا حالانکہ ان کو علم تھا کہ باطن میں ایسا نہیں ہے اور باطن کا حکم ظاہر کے خلاف ہے (کیونکہ انہوں نے بری الذمہ ہوکر غلام کو فروخت کیا تھا اس وجہ سے باطن میں اس غلام کو واپس کرنا صحیح نہیں تھا) اگر حضرت عثمانؓ کو بھی حضرت ابن عمرؓ کی طرح اس بات کا علم ہوتا تو وہ بیع کو رد نہ کرتے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمر کا بھی یہ مذہب تھا کہ اگر حاکم کسی عقد کو فسخ کردے تو وہ بائع کی ملک میں آجاتا ہے۔ اگرچہ باطن میں حقیقت اس کے برعکس ہو۔

دلیل نمبر۵۔ امام ابوحنیفہ کے قول کی صحت پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی دلیل ہے کہ

نبی ﷺ نے ھلال بن امیہ اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرلیا پھر فرمایا اگر اس عورت کے ہاں اس اس طرح کا بچہ ہوا تو وہ ھلال بن امیہ کا ہے اور اگر دوسری شکل و صورت کا ہو تو وہ شریک بن سمحاء کا ہوگا جس کے ساتھ ھلال بن امیہ کی بیوی کو متہم کیا گیا تھا' پھر اس عورت کے ہاں ناپسندیدہ صفت پر بچہ پیدا ہوا تو نبی ﷺ نے فرمایا اگر ان کے درمیان لعان نہ ہو چکا ہوتا تو پھر میں اس عورت کو دیکھتا (یہ روایت مظاہر حق شرح مشکوۃ ج ۳ ص ۲۱۵ پر موجود ہے ۔ مشتاق) ھلال ابن امیہ کا صدق اور اس کی بیوی کا کذب ظاہر ہوگیا۔ اس کے باوجود نبی ﷺ نے اس تفریق کو باطل نہیں کیا جو لعان کی وجہ سے ہوئی تھی اور یہ اس کی دلیل ہے کہ حاکم جب کسی عقد کو فسخ کردے تو وہ ظاہراً" وباطنا نافذ ہو جاتا ہے۔

دلیل نمبر۶۔ امام ابوحنیفہ کے قول پر اس سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ جب حاکم کے پاس ایسے گواہ گواہی دیں جن کا ظاہر حال صدق ہو تو حاکم پر واجب ہے کہ ان کی گواہی کے اعتبار سے فیصلہ کرے اور اگر اس نے گواہی کے بعد فیصلہ کرنے میں توقف کیا تو وہ اللہ تعالی کے حکم کا تارک اور گناہ گار ہوگا کیونکہ اس کو ظاہر کا مکلف کیا گیا ہے اور اس کو اس علم باطن کا مکلف نہیں کیا گیا جو اللہ تعالی کا غیب ہے (ترجمہ شرح صحیح مسلم جلد ۳ ص ۱۲۳ و ۱۲۴ سے ماخوذ ہے)

دلیل نمبر۷۔ عن سعید بن جبیر قال قلت لابن عمر رجل قذف امراتہ فقال فرق نبی صلی اللہ علیہ وسلم بین اخوی بنی العجلان وقال اللہ یعلم ان احد کما کاذب فھل منکما تائب فابیا فقال اللہ یعلم ان احد کما کاذب فھل منکما تائب فابیا ففرق بینھما۔(بخاری مع شرح تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۵۸)

سعید بن جبیر سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے ابن عمر سے یہ مسئلہ پوچھا اگر مرد نے اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگایا (تو کیا حکم ہے) انہوں نے کہا آنحضرت ﷺ نے بنی عجلان کے خاوند بیوی کو جدا کردیا اور فرمایا اللہ خوب جانتا ہے جو تم دونوں میں جھوٹا ہے پھر کوئی تم میں سے جو جھوٹا ہے وہ توبہ کرتا ہے لیکن دونوں نے (توبہ سے) انکار کیا اور فرمایا اللہ خوب جانتا ہے جو تم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ توبہ کرتا ہے یا نہیں لیکن دونوں نے (توبہ سے) انکار کیا آخر آپؐ نے ان دونوں کو جدا کردیا۔

اس اعتراض کا جو جواب مولانا منصور علی خان مراد آبادی نے دیا تھا وہ ہم مکمل یہاں پر عوام کے فائدہ کے لیے نقل کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

قال ایک مسئلہ امام اعظمؒ کا مخالف حدیث کے یہ ہے کہ حکم قاضی کا تمام عقود اور نسوق مثل نکاح اور طلاق اور بیع اور اقالہ میں امام اعظم کے نزدیک نافذ ہے ظاہرا" وباطنا الخ

اقول آپ کو بھی خوب غتر بود اور خلط کلام آتا ہے عام کو خاص اور خاص کو عام کرنا آپ ہی کا کام ہے یہ حدیث کہ جس کے مخالف قول امام صاحب کا آپ سمجھتے ہیں خاص اموال میں ہے چنانچہ خاتم المحدثین جناب حافظ الحدیث مولانا مولوی احمد علی صاحب لکھتے ہیں واحتجوا ای الحنفیۃ بان الحاکم قضی بحجۃ شرعیۃ فیمالہ ولایۃ الانشاء فیہ فیجعل انشاء تحرزا" عن الحرام والحدیث صریح فی المال ولیس النزاع فیہ فان القاضی لایملک دفع مال احد الی اخر ویملک انشاء القعود والفسوخ یعنی اور حجت لائے حنفیہ بایں طور کہ حاکم حکم کرتا ہے حجت شرعیہ سے اس چیز میں کہ اس کو ولایت انشاء کی اس میں ہے پس گردانا جاوے گا حکم اس کا انشا واسطے بچنے کے حرام سے اور یہ حدیث مال میں صریح ہے اور نہیں ہے گفتگو مال میں اس واسطے کہ قاضی نہیں مالک ہوتا ایک کے مال دینے کا دوسرے کو اور مالک ہوتا ہے انشا سے عقد نکاح وغیرہ وفسخ نکاح

وغیرہ کا انتھی اور امام طحاوی لکھتے ہیں وذھب اخرون الی ان الحکم ان کان فی مال وکان الامر فی الباطن بخلاف ماستند الیه الحاکم من الظاھر لم یکن ذلک موجبا لحله للمحکوم له وان کان فی نکاح او طلاق فانه ینفذ ظاھرا وباطنا وحملوا حدیث الباب الذی قبل ھذا الباب علیٰ ماورد فیه وھو المال یعنی اور گئے ہیں دوسرے فقہاء طرف اس کے کہ حکم اگر مال میں ہو اور واقع میں امر خلاف ہو اس کے کہ حکم دیا ہے حاکم نے ظاہر کو تو نہ ہوگا یہ حکم واجب کرنے والا اس کے حلال ہونے کا واسطے اس شخص کے کہ حکم کیا گیا ہے اس کے لیے اور اگر ہوگا حکم نکاح میں یا طلاق میں تو تحقیق جاری ہوگا ظاہر اور باطن میں اور حمل کیا انہوں نے حدیث باب کو جو کہ پہلے اس باب کے ہے اوپر اس کے وارد ہوئی ہے اس میں یہ حدیث اور وہ مال ہے انتھی اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ حدیث خاص مال میں وارد ہوئی ہے چنانچہ لفظ من حق اخیه اور اقطع له قطعة من النار اس پر دلالت کرتا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ ظاہر اس حدیث کا دلالت کرتا ہے اس پر کہ یہ حدیث خاص ہے اس حکم میں کہ متعلق ہوتا ہے کلام خصم کے سننے سے اور گواہ اور قسم وہاں نہ ہوں سو اس میں نزاع نہیں کیونکہ نزاع تو اس حکم میں ہے جو گواہی پر مرتب ہو انتھی کیونکہ الحن لحجته جس کے معنی خوب گفتگو کرنے والے کے ہیں جھوٹی بات کو بھی سچی کردے اس میں گواہ اور قسم کا کہیں ذکر نہیں جس میں اختلاف ہے البتہ اگر فقط ان کی گفتگو پر کفایت کی جائے گی جیسا کہ ظاہر الفاظ حدیث کے اس پر دال ہیں تو اس وقت ظاہرا قضا واقع ہوگی اور امام صاحب بھی اس کے خلاف نہیں کہتے البتہ جس میں گواہ اور قسم ہو اس میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ قضا قاضی کی ظاہر اور باطن میں نافذ ہوگی سو یہ بیان ہرگز حدیث سے نہیں نکلتا جو مخالفت ہو علاوہ اس کے اگر اس حدیث کو عام رکھا جاوے تو پھر جمہور کی مخالفت لازم آتی ہے اس لیے کہ اس پر سب متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے احکام میں

خطا نہیں ہو سکتی اور اگر ایسا ہوا تو خدا کی طرف سے اطلاع ہو گئی چنانچہ امام نووی جو محدثین میں سے ہیں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ اس کو خاص کرتے ہیں ساتھ غیر اجتہاد کے یعنی جس میں گواہ اور قسم ہو پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث جمہور کے نزدیک خاص ہے عام نہیں البتہ فرق اتنا ہے کہ محدثین بینہ اور یمین غیر اجتہاد کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور امام صاحب اموال میں خاص کرتے ہیں غرض کہ طرفین یعنی امام اعظمؒ اور امام محمدؒ اس کو مقید کرتے ہیں اب ظاہر الفاظ حدیث سے اہل انصاف خود سمجھ لیں گے کہ قرینہ اموال کا ہے یا غیر اجتہاد کا علاوہ اس کے حدیث حضرت علیؓ کی جس کو آپ موقوف بتلاتے ہیں اور قابل حجت نہیں کہتے اس قول کی موئید ہے اور حدیث موقوف امام شافعی کی یہاں حجت نہیں چنانچہ خلاصتہ الخلاصہ میں لکھا ہے وھو لیس بحجة عند الشافعی یعنی اور موقوف نہیں ہے حجت نزدیک شافعی کے انتہی اور حنفیہ کے یہاں بے شک حجت ہے چنانچہ لمعات میں ہے ومن مذهب ابی حنیفة وجوب تقلید الصحابی فیما قال یعنی اور مذہب امام صاحب کا واجب ہونا تقلید کا ہے اس چیز میں کہ کیا انہوں نے انتہی اور اتقانی میں لکھا ہے اعلم ان تقلید الصحابی واجب یعنی جان تو کہ تحقیق تقلید صحابی کی واجب ہے انتہی اور یہ جو آپ لکھتے ہیں کہ حدیث معلق ضعیف اور مردود شمار کی جاتی ہے سو جناب من ہر معلق کا یہ حکم نہیں ہے بعضے اقسام معلق کے مقبول ہوتے ہیں چنانچہ تصریح اس کی نخبتہ الفکر میں آپ کی عبارت منقول کے بعد موجود ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو تعلیقات بخاری میں قبل تصریح ابن حجر وغیرہ کے ضرور ضعف ہوتا حالانکہ تعلیقات بخاری حکم میں اتصال کے ہیں کچھ ان کی تصریح پر اس کی صحت موقوف نہیں البتہ بعضوں نے یہ فرق کیا ہے کہ جس میں امام بخاری صیغہ معروف لائے ہیں جیسے قال فلان یا اذکر فلان وہ تو صحیح ہے اور جس میں صیغہ مجہول لائے ہیں جیسے قیل یا یقال اس کی صحت میں البتہ کلام ہے لیکن چونکہ اس کتاب میں

مروی ہے لہٰذا کوئی اصل اس کی ضرور ہوگی پس ایسے شخصوں کے تعلیقات کو ضعیف کہنا خالی از تعصب نہیں حالانکہ عادت مصنفین کی کبھی یہ بھی رہی ہے کہ کل سند کو حذف کردیتے ہیں اور فقط قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں چنانچہ تصریح اس کی مقدمہ مشکوۃ میں موجود ہے خصوصا متقدمین کا تو یہی دستور تھا کہ وہ سند بیان نہیں کرتے تھے اور وجہ اس کی یہ تھی کہ جب تک کذب نہ تھا سچے لوگ تھے موافق اس حدیث کے خیر القرون قرنی الی ما قال ثم یفشوالکذب یعنی فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ سب قرنوں سے بہتر میرا قرن ہے پھر جو اس کے متصل ہے پھر جو اس کے متصل ہے پھر پھیل جائے گا جھوٹ انتہی اور ظاہر ہے کہ آپ کا زمانہ اور صحابہ کا ایک تھا اس کے بعد تابعین کا زمانہ ہوا پھر تبع تابعین کا پھر ان کے بعد ایسا جھوٹ پھیلا کہ لوگوں نے حدیثیں وضع کرنی شروع کیں اسی لیے امام بخاری نے شروط لگائے ورنہ حدیث سے کہیں ان شروط کی تصریح نہیں یہ شروط فقط احتیاطا" تھے اور اس غرض سے کہ اب جو کوئی حدیث نقل کرے اس میں اتنی باتیں دیکھ لی جائیں جب اس سے اخذ کیا جائے اس کے یہ معنی نہ تھے کہ پہلے استاذ الاستاذ امام بخاری کی جو حدیثیں بیان کرگئے ہیں ان میں بھی سند اتصال ضرور ہے حاشا وکلا یہ فقط فرقہ ظاہریہ کی ایجاد تازہ سے ہے بیشک امام محمد کے تعلیقات حکم میں اتصال کے ہیں مثل امام بخاری کے چنانچہ اتفاق جمہور علمائے حنفیہ و مصنفین شافعیہ کا اس پر دلیل بدیہی ہے اور تنقیح الاصول میں بحث شرائط راوی میں مرسلات امام محمد کو حجت لکھا ہے اور جو قواعد بعد اس کے کسی مصلحت کے واسطے جاری کیے گئے وہ پہلوں پر کیونکر حجت ہو سکتے ہیں یا پچھلے لوگ اس کے پابند ہو کر تحقیقات سابق کس طرح ترک کر سکتے ہیں البتہ اتنی بات ہم کو ضروری ہے کہ اگر کہیں مخالفت دیکھیں تو اس میں تطبیق کردیں اس لیے کہ جب صحابہ ہی نعوذ باللہ مخالفت کریں گے تو پھر موافقت کرنے والا کون آئے گا پس ضرور ہوا کہ افعال صحابہ میں اور

احادیث مرفوعہ میں حتی الامکان تطبیق دیں خصوصاً خلفائے راشدینؓ کے فعل اور قول میں جن کے حق میں حدیث علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین یعنی لازم پکڑو تم طریقہ میرے خلفائے راشدین کا انتہی وارد ہے کیونکہ ان کا قول تو ضرور ہی سند ہوگا علی الخصوص حضرت علیؓ کے حق میں اقضاھم علی وارد ہے یعنی سب صحابہ میں زیادہ اور عمدہ فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں پھر یہ فرمانا حضرت علیؓ کا کہ تیرے گواہوں نے تیرا نکاح کرادیا صاف دلالت کرتا ہے کہ ایسے معاملات میں جو عقود سے تعلق رکھتے ہیں ظاہر اور باطن میں قضا نافذ ہوجاتی ہے اور حدیث صحیحین کی جس کا سیاق دلالت کرتا ہے کہ اموال میں وارد ہوئی ہے چنانچہ سند بھی اس کی ہم بیان کرچکے مطابق ہے پھر باوجود ایسی ظاہر تطبیق کے انکار کرنا آپ کو یوں سمجھنا ہے کہ جیسے فرقہ ظاہریہ سمجھے ایسا حدیث کو حضرت علیؓ بھی نہیں سمجھے اللہ ایسے عقیدہ فاسد سے محفوظ رکھے یہ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ قول پیغمبرؐ کے معنی جو ہم کہتے ہیں وہی مراد ہیں اور مرغے کی ایک ہی ٹانگ کہے جاتے ہیں ان کے اعتقاد میں صحابہ مرفوع حدیث کے بالکل مخالف تھے اسی لیے صحابہ کا قول نہیں مانتے نومن ببعض ونکفر ببعض یعنی بعض کے ساتھ ایمان لاتے ہیں ہم اور بعض سے ہم انکار کرتے ہیں انہیں کے حق میں صادق ہے چونکہ صاف صاف سب وشتم صحابہ پر کرتے ہوئے ڈرتے ہیں اس لیے حدیث مرفوع کے پردے میں بہت کچھ بے ادبی صحابہ کی شان میں کرجاتے ہیں فی الواقع ان کو صحابہ سے عداوت ہے جو صحابہ کے خلاف قرآن وحدیث کے عمل کرنے پر قائل ہیں اور انصاف مطلق نہیں کرتے اپنی رائے کو مقدم سمجھتے ہیں یوں نہیں تصور کرتے کہ ہم ہی سے کچھ حدیث کے معنی سمجھنے میں قصور ہوا ہوگا صحابہ نے جو کچھ کیا موافق کیا اس میں تطبیق دیں کیا امکان ہے یا دوسرے کی بات مانیں یہ تو دور تک پہونچتے ہیں اور ہم کوئی بات الزاما بھی کہیں تو کہتے ہیں توبہ توبہ ایسی بات نہ کہنا کیوں نہ کہیں کہ ہم کو بھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا کہ

اس فرقے کے معنی حدیث اور قرآن کے لیے ہوئے پر عمل کرنا بلکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ اگر امام صاحب سے قرآن اور حدیث کے معنی لینے میں ایک ہزار میں سو غلطیاں ہوں گی تو دوسروں سے ہزار میں نو سو غلطیاں ہوں گی اور چند احادیث معین جو بعض صحابہ کو معلوم نہ تھے انکو سندا ہر جگہ پیش کردیتے ہیں اب جو حدیث آئی اپنی طرف سے معنی معین کردیے اور یوں سمجھے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے یوں ہی سمجھا ہے پھر جواب دینے کو مستعد ہوگئے کہ اس حدیث کے مخالف دوسری حدیث صحابہ کی اس وجہ سے ہوئی کہ ان کو بہت حدیثیں نہیں پہونچی تھیں یا صحابہ کا قول قرآن اور حدیث کے مخالف نہیں ماننا چاہیے قرآن اور حدیث ان لوگوں نے نام اپنے فہم کا رکھا ہے۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

☆ بلکہ امام اعظم کا مسلک تطبیق نہایت درست معلوم ہوتا ہے ہم کو کہیں خدا اور رسول نے حکم نہیں دیا کہ قرآن اور احادیث میں باوجود تطبیق اور موافقت عقل کے خواہ مخواہ خلاف عقل کرناہاں جہاں تطبیق نہ ہو سکتی ہو گو خلاف عقل ہو ہم اس کو قبول کرلیں گے اور اس میں اپنا قصور سمجھیں گے اور فقط ایک لفظ کو لے لینا اور دوسرے لفظ پر غور نہ کرنا بلکہ اپنی عقل کو محض معطل سمجھنا فرقہ ظاہریہ کا کام ہے عمدہ معنی موافق عقل کے چھوڑ کر خلاف عقل جاننا انہیں کا شیوہ ہے عقل کو یوں سمجھتے ہیں کہ محض دنیا کے واسطے عنایت ہوئی ہے دین میں اس سے مطلق کوئی کام لینا نہ چاہیے بلکہ دوسرا کہے تو اس پر طعن کرتے ہیں چنانچہ ایک ظاہری کی نقل ہے کہ معقولیوں پر بہت طعن کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کم بختوں نے قرآن اور حدیث کے بالکل خلاف کیا ہے اکثر باتیں خلاف بیان کر گئے ہیں ایک روز ایک شخص نے دریافت کیا کہ جناب وہ کونسا قول ہے جو مخالف ہے کہا ایک ہو تو بتاؤں سینکڑوں ہیں مگر خیر مشتے نمونہ از خروارے ایک بتلائے دیتا ہوں دیکھیے یہ سب منطقی متفق ہیں کہ اجتماع نقیضین محال ہے اور اثبات اور نفی

جمع نہیں ہوسکتی حالانکہ صریح مخالف ہے قرآن اور حدیث کے کیونکر دیکھئے لا
الہ نفی ہوئی اور الا اللہ اثبات ہے ان کو کلمہ بھی تو یاد نہیں ورنہ ایسی صریح
مخالفت نہ کرتے حاصل کلام یہ ہے کہ آدمی کو یوں سمجھنا کہ جو میں سمجھا ہوں
دوسرا نہیں سمجھا بلکہ صریح مخالف قرآن اور حدیث کے سمجھا ہے عین خطا
ہے تمام کتابیں آئمہ اربعہ کے اختلافیات کی مع دلائل موجود ہیں دیکھ لیجئے اور
یہ نہ کیجئے کہ آنکھ پر پٹی باندھ کے ایک طرف کی بات لکھدی اور دوسری
طرف کو چھوڑ گئے اور بے سمجھے بوجھے حکم لگادیا کہ دیکھو یہ مخالف حدیث کے
ہے اور قول قاضی شوکانی کا کہ جنکے اقوال جمہور کے مخالف نیل الاوطار میں
موجود ہیں پیش کردینا اور ہی اقوال ان کے مقلدین کے نقل کردینا سراسر ہٹ
دھرمی اور کج بحثی ہے بلکہ اس میں قول انکا چاہیے تھا کہ جنکو طرفین تسلیم
کرتے ہیں جیسے شاہ ولی اللہ صاحب چنانچہ وہ عقد الجید اور انصاف فی بیان
سببُ الاختلاف میں لکھتے ہیں جان تو کہ تحقیق امت نے اجماع کیا ہے اس پر
کہ اعتماد کریں وہ سلف پر شریعت کے پہچاننے میں پس تابعین نے اعتماد کیا اس
میں صحابہ پر اور تبع تابعین نے تابعین پر اور اسی طرح ہر طبقے میں پچھلے علما
نے اگلے علما پر اعتماد کیا اور عقل اس کی خوبی پر دلالت کرتی ہے اس لیے کہ
شریعت نہیں پہچانی جاتی مگر ساتھ نقل اور استنباط کے اور نقل نہیں معتبر ہوتی
مگر بایں طور کہ اخذ کرے ہر طبقہ اپنے پہلوں سے بالاتصال اور استنباط کرنے
میں یہ ضرور ہے کہ مذاہب متقدمین کے معلوم کرے تاکہ خارج نہ ہو جاوے
ان کے اقوال سے والا خارق اجماع ہو جاوے گا اور چاہیے کہ بنا کریں اس پر
اور استعانت کرے اس میں ان سے جو پہلے اس کے ہیں اور جبکہ اعتماد سلف
پر متعین ہوگیا تو ضرور ہے اس سے کہ ہوں اقوال ان کے کہ جن پر اعتماد کیا
جاتا ہے روایت کی گئی اسناد صحیح سے یا ان کی مشہور کتابوں میں مجتمع ہوں اور
یہ کہ ہوں مخدومہ یعنی بیان کیا جائے راجح ان کے محتملات سے اور خاص کیا
جائے عموم انکا بعض مواقع میں اور مقید کیا جاوے مطلق ان کا بعض جاپس

جمع کیا جائے مختلف اور بیان کیے جائیں سبب ان کے احکام کے اور نہیں تو صحیح نہ ہوگا ان پر نہیں ہے کوئی مذہب اس زمانہ اخیر میں اس صفت کا مگر یہ چار مذہب یا اللہ مگر مذہب امامیہ اور زیدیہ کہ وہ اہل بدعت ہیں نہیں جائز ہے اعتماد اس پر انتہی مختصرا باقی تحقیق اس کتاب کے اول میں گذر چکی اگر جی چاہے ملاحظہ فرما لیجئے اب امام صاحب کی طرف سے بعض دلائل اس کے کہ قضا ظاہر اور باطن میں سوامال کے جاری ہو جاتی ہے شروع کرتے ہیں فتح القدیر میں ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ظاہر اور باطن میں قضا نافذ ہوگی کہ جس میں قاضی کو انشالے عقد ممکن ہو پس اگر دوسرے کی عدت میں ہوگی یا مطلقة الثلث غیر کی ہوگی تو اس صورت میں قاضی کو انشای عقد کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ قاضی دوسرے کے مال کی تملیک کا بغیر عوض کے مالک نہیں ہوتا اور مقصود قضا سے قطع منازعت ہے اور اس صورت میں جھگڑا طے نہیں ہوسکتا مگر جب قضا باطن میں نافذ ہو اسواسطے کہ اگر حرمت باقی رہے گی تو پھر منازعت وطی کی طلب میں مکرر ہوگی اور دوسرا منع کرے گا کیونکہ حقیقت حال جانتا ہے پس ضرور ہوا پہلے ہونا انشا کا پس گویا قاضی نے کہہ دیا کہ میں نے تمہارا نکاح کیا اور اس کے ساتھ حکم دیا اس کے بعد لکھا ہے وقول ابی حنیفة اوجه یعنی اور قول امام صاحب کا زیادہ مدلل ہے انتہی اور امام طحاوی لکھتے ہیں فیثبت الحل عند اللہ تعالی وان اثم المدعی اثم اقدامه علی الدعوی الکاذبة یعنی پس ثابت ہوگی حلت نزدیک اللہ تعالی کے اگرچہ گناہگار ہوگا مدعی گناہ پیش قدمی کرنے اپنے کا اوپر جھوٹے دعوے کے انتہی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ گناہ اس کو بیشک ہوگا ایسے ہی بحر الرائق کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے لا یلزم من القول بحل الوطی عدم اثمه فانه اثم بسبب اقدامه علی الدعوی الباطلة وان کان لا اسم علیه بسبب الوطی یعنی نہیں لازم آتا قائل ہونے حلت وطی سے نہ گنہگار ہونا اس کا اس لیے کہ وہ گنہگار ہے بسبب پیش قدمی کرنے اس کے کے اوپر دعوی باطل کے

اگرچہ نہیں گناہ ہے اس پر بسبب وطی کے انتہی اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ گناہ اس کے ذمے پر رہیگا پر اس کے واسطے جو کچھ وعید آئی ہے اسی کذب کا بدلہ ہوگا اسوجہ سے بھی قول امام صاحب کا حدیث کے مخالف نہ ہوا بلکہ عین موافق ہوگیا اور طحطاوی میں لکھا ہے کہ امام صاحب کی ایک یہ بھی دلیل ہے کہ اس میں سب کا اجماع ہے کہ جو شخص کسی لونڈی کو خریدے پھر جھوٹا دعوا کرے فسخ بیع کا اور گواہ لاوے پس قاضی حکم کردے تو بائع کو وطی اس کنیز کی حلال ہوگی اور اس سے خدمت لینا بھی حلال ہوگا باوجود جاننے اس کے کہ دعوی مشتری کا جھوٹا ہے حالانکہ اس میں تو آزاد کرکے بھی خلاصی پاسکتا ہے گو اس کے مال کا تلف ہے انتہی اسی طرح امام صاحب کہتے ہیں یہاں مابہ الفرق کونسی شی ہے جس سے یہاں وطی جائز ہو اور وہاں جائز نہ ہو اور بہت دلائل امام صاحب کے بوجہ اختصار کے یہاں بیان نہیں ہوئے ورنہ اس بحث کو ایک دفتر چاہیے مگر حیف ہے کہ باوجود ایسے عمدہ دلائل اور براہین کے آپ کا مخالف قرآن وحدیث کے بتلانا دو حال سے خالی نہیں یا تو حدیث کا مطلب آپ خود نہیں سمجھے یا دانستہ یہ شیوہ اختیار کیا ہے مگر یہ احتمال تو ہم نہیں لے سکتے کیونکہ کونسا مسلمان ہے جو ایسی باتیں دانستہ کرکے اپنے تئیں گنہگار بنائے گا ہاں آپ کے فہم میں خطا واقع ہوئی خیر یہ خطائے اجتہادی ہے اس میں آپ معذور ہیں خدائے تعالی آپ کو ذہن رسا اور طبع سلیم عنایت فرماوے آمین ثم آمین۔

(۳۸) تین طلاق والی کا نان ونفقہ نہیں

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ابی سلمة عن فاطمة بنت قیس ان زوجها طلقها ثلثا فاتت النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال لانفقة لک الا ان تکونی حاملا

(رواہ مسلم، مشکوۃ ص ۲۸۸ جلد دوم باب العقدۃ)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالی عنہا کو

جنہیں ان کے خاوند نے تیسری طلاق دیدی تھی فرمایا کہ تم عدت تک کے کھانے پینے کا خرچ کی مستحق نہیں ہو بجز اس صورت کے کہ تم حمل سے ہو۔ یہ حدیث صاف ہے کہ جسے تیسری طلاق ہوگئی وہ نان نفقہ کی حقدار نہیں۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا وہ حکم دیتا ہے کہ اس صورت میں بھی عورت نان نفقہ کی حقدار ہے۔ چنانچہ حنفی مذہب کی اسی معتبر کتاب ہدایہ کے ص ۴۲۳ جلد دوم کتاب الطلاق کی فصل میں ہے واذا طلق الرجل امراته فلها النفقة والسکنی فی عدتها رجعیا کان اوبائنا یعنی جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دے خواہ رجعی طلاق ہو یعنی پہلی یا دوسری خواہ بائن طلاق ہو یعنی تیسری پھر بھی اس کے ذمے اس کا نان نفقہ اور رہنے سہنے کی جگہ ہے۔ کہو حنفی دوستو! وہ ہے حکم رسولؐ یہ ہے حکم فقیہ وہ ہے حدیث یہ ہے فقہ کسے مانو گے؟ اور کس پر عمل عقیدہ رکھو گے؟ (شمع محمدی ص ۷۱)

جواب

مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنی کے وجوب پر فقہاء احناف کے قرآن مجید سے دلائل

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو اس کے لیے نفقہ اور سکنی واجب ہے اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ مطلقہ ثلاثہ حاملہ کے لیے بھی نفقہ اور سکنی واجب ہے' اختلاف اس مطلقہ ثلاثہ میں ہے جو غیر حاملہ ہو' امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اس کے لیے سکنی واجب ہے نفقہ واجب نہیں ہے' امام احمد بن حنبل اور غیر مقلدین کے نزدیک اس کے لیے نفقہ واجب ہے نہ سکنی' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے لیے نفقہ اور سکنی دونوں واجب ہیں' فقہاء احناف قرآن مجید کی حسب

ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں۔

(۱) وللمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین (بقرہ ۲۴۱)

اور مطلقہ عورتوں کے لیے (اختتام عدت تک) دستور کے مطابق نان ونفقہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے۔

امام فخرالدین رازی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

(والقول الثانی) ان المراد بهذه المتعة النفقة' والنفقة قد تسمی متاعا واذا حملنا هذه المتاع علی النفقة اندفع التکرار (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۸۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں متعہ سے مراد نفقہ ہے اور نفقہ کو متاع بھی کہاجاتا ہے اور جب ہم متاع کو نفقہ پر محمول کریں گے تو تکرار نہیں رہے گا۔

ایک آیت میں ہے ومتعوهن علی الموسع قدره وعلی المقتر قدره متاعا بالمعروف حقا علی المحسنین (بقرہ ۲۳۶)

اور مطلقہ عورتوں کو کچھ برتنے کے لیے دو (یعنی کم از کم کپڑوں کا ایک جوڑا) خوشحال اپنی حیثیت کے مطابق دے اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق دے یہ نیکی کرنے والوں پر واجب ہے۔

سورہ بقرہ کی آیت نمبر۲۳۶ میں مطلقہ عورتوں کے لیے اپنی حیثیت کے مطابق متاع دینے کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے اور یہاں متاع سے مراد بالاتفاق ایسی چیز ہے جس سے وقتی طور پر نفع اٹھایا جا سکے جیسے کپڑوں کا جوڑا' خادم یا کچھ نقد رقم وغیرہ پس اگر بقرہ کی آیت نمبر۲۴۱ میں بھی متاع سے مراد یہی ہو (جیسا کہ ائمہ ثلاثہ نے سمجھا ہے) تو تکرار لازم آئے گا اس تکرار سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ دوسری آیت میں متاع کو نفقہ پر محمول کیا جائے جبکہ از روئے لغت متاع کا اطلاق نفقہ پر بھی ہوتا ہے اور قران مجید میں بھی متاع کا اطلاق نفقہ پر کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیة الازواجهم متاعا

الی الحول غیر اخراج (بقرہ ۲۴۰)

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں' وہ اپنی بیویوں کو ایک سال تک نان اور نفقہ ادا کرنے کی وصیت کریں اور اس مدت میں ان عورتوں کو گھر سے نہ نکالا جائے۔

اس آیت میں متاع سے بالاتفاق اور بالاجماع نفقہ مراد ہے خلاصہ یہ ہے کہ مطلقہ عورتوں کے لیے آیت نمبر۲۳۶ میں متاع دینے کا حکم کیا ہے اور اس سے بالاتفاق وقتی نفع کی چیز مثلا جوڑا وغیرہ مراد ہے۔ اس کے بعد آیت نمبر۲۴۱ میں پھر مطلقہ عورتوں کے لیے متاع دینے کا حکم کیا گیا ہے اب اگر اس سے پھر وہی وقتی نفع کی چیز مراد لی جائے تو تکرار ہوگا اس لیے امام رازی فرماتے ہیں کہ تکرار سے بچنے کے لیے ضروری ہے اس میں متاع سے مراد نفقہ لیا جائے جبکہ لغت اور قرآن مجید سے متاع پر نفقہ کا اطلاق ثابت ہے۔ امام رازی کی تفسیر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ان دونوں آیتوں میں متاع کا لفظ نکرہ ہے اور اصول عرب یہ ہے نکرہ جب مکرر ہو تو ثانی تو ثانی پہلے کا غیر ہوتا ہے اور جب پہلے متاع سے مراد وقتی نفع کی چیز ہے تو ضروری ہوا کہ دوسرے متاع سے مراد نان ونفقہ ہو اور اس آیت میں مطلقات کا لفظ عام ہے اور تمام مطلقات کو شامل ہے وہ حاملہ ہوں یا غیر حاملہ' اور امام رزای کی تفسیر اور اس اصول عرب سے ثابت ہوا کہ ہر مطلقہ عورت کے لیے دوران عدت نفقہ واجب ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ اور یہی احناف کا موقف ہے۔

فقہاء احناف کی دوسری دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔

اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن (الطلاق ـ ٦)

ان مطلقہ عورتوں کو اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو'

اور ان پر تنگی کرنے کے لیے ان کو ضرر نہ پہنچاؤ' اور اگر یہ مطلقہ عورتیں حاملہ ہوں تو وضع حمل ہونے تک ان پر خرچ کرو۔

علامہ ابوبکر الجصاص اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ کے وجوب پر اس آیت میں تین دلیلیں ہیں (۱) سکنی مالیات میں سے ہے اور اللہ تعالی نے اس آیت میں مطلقہ کے لیے مال میں حق واجب کیا ہے خواہ مطلقہ رجعیہ ہو یا مطلقہ ثلاثہ ہو اور سکنی بھی نفقہ کا ایک حصہ ہے (۲) اللہ تعالی نے مطلقہ کو ضرر پہنچانے سے منع کیا (ولا تضاروھن) اور مطلقہ عورت کو نان ونفقہ نہ دینا بھی ضرر ہے (۳) اللہ تعالی نے مطلقہ عورت پر تنگی کرنے سے منع کیا ہے (لتضیقوا علیھن) یعنی نہ سکنی میں تنگی کرو نہ نان ونفقہ میں تنگی کرو۔ یہ نہی دونوں کو شامل ہے اس کے بعد علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں اللہ تعالی کا ارشاد ہے وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن اگر وہ مطلقہ عورتیں حاملہ ہیں تو ان پر خرچ کرو اس میں مطلقہ سے مراد ہے عام خواہ مطلقہ رجعیہ ہو یا مطلقہ ثلاثہ' کیوں کہ اس پر اتفاق ہے کہ اگر مطلقہ ثلاثہ حاملہ ہو تو اس کا نفقہ بھی واجب ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ نفقہ کا وجوب حاملہ ہونے کی وجہ سے ہے یا اس وجہ سے ہے کہ وہ دوران عدت اس کے گھر رہے گی اور جب کہ اس پر اتفاق ہے کہ رجعیہ کا نفقہ بھی اس آیت سے ثابت ہے اور وہ حمل کی وجہ سے نہیں بلکہ دوران عدت اس کے گھر رہنے کی وجہ سے ہے کیونکہ رجعیہ اگر غیر حاملہ ہو پھر بھی اس کا نفقہ واجب ہے تو پھر مطلقہ ثلاثہ کا نفقہ بھی اس وجہ سے واجب ہوگا کہ وہ دوران عدت خاوند کے گھر رہے گی۔ (علامہ ابوبکر احمد بن علی الجصاص متوفی ۳۷۰ھ ' احکام القرآن ج ۳ ص ۴۶۰' ۴۵۹' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

اور یہ بھی واضح رہے کہ جب مطلقہ ثلاثہ کے لیے امام شافعی اور امام مالک اس آیت سے سکنی کا وجوب مانتے ہیں تو نفقہ کا وجوب بطریق اولی ثابت ہوگا کیونکہ نان ونفقہ سکنی سے زیادہ اہم ہے۔

مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنی کے وجوب پر احادیث سے دلائل

عن حرب بن ابی العالیۃ عن ابی الزبیر عن جابر عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم المطلقۃ ثلاثا لھا السکنی والنفقۃ (امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۱، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنی بھی ہے اور نفقہ بھی۔

علامہ زیلعی لکھتے ہیں عبد الحق نے احکام میں لکھا ہے کہ ابوالزبیر عن جابر کی روایت اس وقت صحیح ہوتی ہے جب اس میں سماع کی تصریح ہو یا عن اللیث عن ابی الزبیر ہو (یعنی لیث کے علاوہ کوئی اور راوی عن ابی الزبیر عن جابر روایت کرے تو صحیح نہیں ہے) اور حرب بن ابی العالیہ سے بھی استدلال نہیں ہوتا کیونکہ یحی بن معین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اس لیے اقرب یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت جابر پر موقوف ہے۔ (علامہ ابو محمد عبد اللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۷۴، مجلس علمی سورت ہند، الطبقہ الاولی ۱۳۵۷)

عبد الحق کے پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم نے صحیح مسلم میں متعدد احادیث عن ابی الزبیر عن جابر کی سند سے بیان کی ہیں اور اس سند میں لیث نہیں ہے مثلا کتاب الحج کے باب جواز دخول مکہ بغیر احرام میں ہے نا معاویہ بن عمار الدھنی عن ابی الزبیر عن جابر، نیز اسی باب میں ہے فی روایۃ قتیبۃ قال نا ابوالزبیر عن جابر (مسلم ج ۱ ص ۴۳۹) ان اسانید میں نہ لیث ہے نہ حضرت جابر سے ابوالزبیر کے سماع کی تصریح ہے پس واضح ہوگیا کہ عبد الحق کا بیان کردہ قاعدہ امام مسلم کے نزدیک مسلم نہیں ہے ورنہ امام مسلم ان اسانید کے ساتھ روایات کو اپنی صحیح میں درج نہ کرتے۔ اور جب یہ سند حدیث کی صحت کے منافی نہیں تو دار قطنی کی مذکور

روایت کی صحت کے لیے بھی موجب طعن نہیں ہے۔

اور دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ حرب بن ابی العالیہ کو یحیی بن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ تاہم ان کی ثقاہت کی بھی تصریح ہے حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ حرب بن ابی العالیہ کا امام حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور امام مسلم اور امام نسائی ان کی روایات سے استدلال کرتے ہیں (حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۲۵، مطبوعہ دائرۃ المعارف ہند الطبعۃ الاولی ۱۳۲۵ھ) پس ثابت ہوگیا کہ حرب بن ابی العالیہ رجال صحیح میں سے ہیں۔

فقہاء احناف کی دوسری دلیل صحیح مسلم کی حسب ذیل روایت ہے۔

قال عمر لا نترک کتاب اللّٰہ وسنۃ رسولہ لقول امراۃ لا ندری لعلہا حفظت او نسیت لہا السکنی والنفقۃ قال اللّٰہ عزوجل لا تخرجوھن من بیوتہن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ (امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۷۵ھ)

حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت سن کر حضرت عمر نے فرمایا ہم اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے پتا نہیں اس نے حدیث کو یاد رکھا یا بھول گئی۔ مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنی بھی ہے اور نفقہ بھی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو الا یہ کہ وہ کھلی بدکاری کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے واضح ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یہ تھی کہ مطلقہ ثلاثہ کا سکنی اور نفقہ واجب ہے، باقی اس پر علامہ نووی نے جو یہ اعتراض کیا ہے کہ دار قطنی کے نزدیک "نہ سنت رسول کو ترک کریں گے" یہ زیادتی غیر محفوظ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ زیادتی امام مسلم کے نزدیک ثابت ہے اور امام مسلم کی تصحیح اور ان کی روایت دار قطنی کی

جرح سے زیادہ قوی ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ اس زیادتی کے متعدد متابع ہیں نیز امام مسلم نے متعدد اسانید سے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت پر حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا انکار بھی روایت کیا ہے۔ ان کے شوہر حضرت اسامہ بھی اس روایت کا انکار کرتے تھے۔

(۳۹) عورتوں کا عید گاہ میں آنا

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ام عطية قالت امرنا ان نخرج الحيض يوم العيدين وذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم وتعتزل الحيض عن مصلاهن قالت امراة يارسول الله احدنا ليس لها جلباب قال لتلبسها صاحبتها من جلبابها (متفق علیہ مشکوۃ ص ۱۲۶ جلد اول باب صلوۃ العیدین)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ عید کی نماز کے لیے حائضہ عورتوں اور پردہ نشین جوان عورتوں کو بھی عید گاہ بھیجا جائے کہ وہ مسلمانوں کی جماعت میں اور ان کی دعا میں موجود رہیں۔ ہاں حیض والی عورتیں نماز کی جگہ سے الگ رہیں۔ ایک عورت نے کہا کہ اگر کسی کے پاس چادر نہ ہو تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا اسے اس کی کوئی ساتھ والی عورت اپنی چادر میں لیجائے آپ نے خیال فرمایا کہ بخاری مسلم کی اس اول درجے کی صحیح حدیث میں عورتوں کو عید گاہ جانے کی کس قدر تاکید ہے؟

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا اس کا مسئلہ ہے کہ عورتیں عید گاہ نہ جائیں چنانچہ ہدایہ ص ۱۰۵ جلد اول باب الامامہ میں ہے ويكره لهن حضور الجماعات یعنی جوان عورتوں کو جماعت میں آنا مکروہ ہے۔ حدیث مانو گے؟ یا حنفی مذہب کو مان کر انہیں نہ جانے کی کہو گے؟ (شمع محمد ص ۷۲)

جواب

اس اعتراض کا جواب مسئلہ نمبر ۳۰ عورتوں کا مسجد میں جانا میں گذر چکا ہے وہاں پر ہی ملاحظہ فرمائیں۔

(۴۰) عید کی تکبیریں

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن کثیربن عبد اللہ عن ابیہ عن جدۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کبر فی العیدین فی الاولی سبعا قبل القراۃ وفی الاخرۃ خمسا قبل القراۃ (رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی' مشکوۃ ص ۱۲۶ جلد اول باب صلوۃ العیدین)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے نماز عید کی پہلی رکعت میں قرات سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں قرات سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔

اعتراض

پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حنفی مذہب اس حدیث کو بھی نہیں مانتا وہ کہتا ہے یکبر فی الاولی للافتتاح وثلثا بعدھا ثم یقرا الفاتحۃ وسورۃ ویکبر تکبیرۃ یرکع بھا ثم یبتدی فی الرکعۃ الثانیۃ بالقراۃ ثم یکبر ثلثا بعدھا ویکبر رابعۃ یرکع بھا (ہدایہ جلد اول ص ۱۵۳ باب العیدین) یعنی پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد قرات سے پہلے تین تکبیریں کہے نور دوسری میں قرات کے بعد تین تکبیریں کہے۔ پس حدیث میں تو سات تکبیریں پہلی رکعت میں تھیں اور پانچ دوسری میں حنفی مذہب میں تین پہلی میں رہیں تین ہی دوسری میں رہ گئیں۔ اب حنفی بھائیوں سے سوال ہے کہ آیا آپ رسول اللہ ﷺ کی مقرر کردہ بارہ رکھیں گے یا حنفی مذہب کی مقرر کردہ چھ رکھیں گے چھ اور بارہ کا فرق لور حنفی محمدی کا فرق اور فقہ و حدیث کا فرق اور نبی امتی کا فرق اور وحی وقیاس کا فرق سامنے رکھ کر جواب دینا۔ (شمع محمدی ص ۷۳' ظفر المبین

حصہ دوم ص ۶۷)

جواب

اس مسئلہ میں احادیث مختلف آتی ہیں احناف کا مسلک مندرجہ ذیل حدیث سے ثابت ہے۔

حدیث نمبر ۱۔ عن القاسم ابی عبد الرحمن انه قال حدثنی بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال صلی بنا النبی صلی اللہ علیه وسلم یوم عید فکبر اربعا واربعا ثم اقبل علینا بوجهه حین انصرف فقال لا تنسوا کتکبیر الجنائز واشار باصابعه وقبض ابهامه (طحاوی شریف ج ۲ ص ۴۳۸)

ابوعبد الرحمن قاسم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عید کی نماز پڑھائی تو (بشمول تکبیر رکوع کے) چار چار تکبیریں کہیں جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا بھول نہ جانا عید کی تکبیریں جنازہ کی طرح چار ہیں۔ آپ نے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ فرمایا اور انگوٹھا بند کرلیا۔

حدیث نمبر ۲۔ عن مکحول قال اخبرنی ابو عائشة جلیس لابی هریرة ان سعید بن العاص سال ابا موسی الاشعری وحذیفة بن الیمان کیف کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یکبر فی الاضحی والفطر فقال ابو موسی کان یکبر اربعا تکبیره علی الجنائز فقال حذیفة صدق فقال ابو موسی کذالک کنت اکبر فی البصرة حیث کنت علیهم قال ابو عائشة وانا حاضر سعید بن العاص (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۶۳، طحاوی ج ۲ ص ۴۳۹، مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۶)

حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوہریرہؓ کے ہم نشین ابو عائشہ نے بتلایا کہ حضرت سعید بن عاصؓ نے حضرت ابوموسی اشعری اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحی اور عید

الفطر کی نماز میں کتنی تکبیریں کہا کرتے تھے حضرت ابو موسی اشعریؓ نے فرمایا (بشمول تکبیر رکوع کے) چار چار تکبیریں کہا کرتے تھے جیسا کہ آپ جنازہ میں کہتے تھے حضرت حذیفہؓ نے فرمایا ٹھیک کہتے ہیں۔ حضرت ابوموسی اشعریؓ نے فرمایا جب میں بصرہ کا حاکم تھا تو اسی طرح تکبیریں کہا کرتا تھا' حضرت ابوعائشہ کہتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن عاصؓ کے سوال کے وقت خود موجود تھا۔

ان دونوں احادیث سے حنفی مسلک ثابت ہوتا ہے۔ حنفی مسلک کی تائید میں اور بھی بہت سی احادیث و آثار پیش کیے جا سکتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں سرور العینین فی تکبیرات العیدین) رہی وہ روایت جو صاحب شمع محمدی نے نقل فرمائی وہ ضعیف ہے۔

۱۴۱۔ تکبیرات عید کا موقعہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث کا ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

بھائیو! مندرجہ بالا حدیث جو ابھی آپ پڑھ کر آئے ہیں اسی کو پھر پڑھ جایئے کیا اس میں صاف صاف موجود نہیں؟ کہ نماز عید کی دونوں رکعتوں میں رسول اللہ ﷺ نے زائد تکبیریں قرأت سے پہلے کہیں؟ لفظ ہیں قَبْلَ الْقِرَأَة

اعتراض: پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

پھر ہدایہ کی وہ عبارت بھی پڑھ جایئے جو ابھی اس کے اوپر کے نمبر میں گزری ہے کیا اس میں صاف نہیں کہ ثُمَّ یُکَبِّرُ ثَلٰثًا بَعْدَھَا دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تکبیریں کہے۔ پھر کیا کسی پر فقہ و حدیث کا یہ مقابلہ پوشیدہ رہا؟ اب فرمایئے کہ آپ اس مقابلہ میں کس طرف ہیں؟ محمدی لشکر میں یا فقہی فوج میں؟

(شمع محمدی ص ۴۷ ظفر المبین دوم حصہ ص ٦٧)

جواب: جونا گڑھی کا اعتراض صرف دوسری رکعت کے متعلق ہے پہلی رکعت میں یہ بھی مانتے ہیں کہ حنفیوں کا طریقہ ٹھیک ہے یعنی قبل القرأۃ تکبیرات کہنے والا۔ جونا گڑھی کا اصل اعتراض یہ ہے کہ حنفی جو دوسری رکعت میں تکبیرات، قرأۃ کے بعد کہتے ہیں وہ خلاف حدیث ہے۔ ہم یہاں پر وہ احادیث پیش کرتے ہیں جن میں دوسری رکعت میں قرأۃ کے بعد تکبیرات کہنے کا ثبوت موجود ہے۔

حدیث نمبر ۱: " عن علقمة والاسود بن یزید قال کان ابن مسعود جالسا وعنده حذیفه وابو موسی الاشعری فسالهما سعید بن العاص عن التکبیر فی الصلة یوم الفطر والاضحی فجعل هذا یقول سئل هذا وهذا یقول سل هذا فقال له حذیفه سل هذا لعبد الله بن مسعود فساله فقال ابن مسعود

یکبر اربعا ثم یقرأ ثم یکبر فیرکع ثم یقوم فی الثانیۃ فیقرأ ثم یکبر اربعا بعد القرأۃ‘‘ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۹۳، معجم طبرانی کبیر ج ۹ ص ۳۰۳)

حضرت علقمہ اور حضرت اسود بن یزید فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے پاس حضرت حذیفہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی تھے حضرت سعید بن عاص نے ان دونوں بزرگوں سے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں تکبیر کے متعلق سوال کیا۔ یہ کہنے لگے کہ ان سے پوچھو اور وہ کہنے لگے کہ ان سے پوچھو، حضرت حذیفہ نے ان سے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے پوچھو چنانچہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے پوچھا تو آپ نے فرمایا چار تکبیریں کہے (بشمول تکبیر تحریمہ کے) پھر قرأت کرے پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو اور قرأت کرے پھر چار تکبیریں (بشمول تکبیر رکوع کے) کہے قرأۃ کے بعد۔

اس حدیث میں صاف موجود ہے کہ دوسری رکعت میں تکبیرات قرأۃ کے بعد کہے رہی وہ روایت جس کا ذکر جوناگڑھی نے کیا ہے وہ حدیث ضعیف ہے اس کا جواب مسئلہ نمبر ۴۰ میں گذر چکا ہے۔

۴۲۔ قربانی کے دنوں کی گنتی

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

’’عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعَمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ کُلُّھَا اَیَّامُ ذِبْحٍ‘‘ (مسند امام احمد)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ (یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ سے تیرہویں تاریخ تک) سب دن قربانی کے دن ہیں اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ بقرہ عید کے مہینے میں قربانی تیرہویں تاریخ پوری تک ہے۔

اعتراض: پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لیکن حنفی مذہب اس کا منکر ہے وہ کہتا ہے کہ صرف بارہویں تک ہی ہے چنانچہ ہدایہ ص ۴۳۰ جلد چہارم کتاب الاضحیہ میں ہے: ''وَهِیَ جَآئِزَةٌ فِیْ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ یَوْمُ النَّحْرِ وَیَوْمَانِ بَعْدَهُ ''یعنی قربانی کے تین دن ہیں دس گیارہ اور بارہ تاریخ ذی الحجہ کی۔ کہو حنفی بھائیو! اب تمہیں کس پر اعتماد ہے؟ قول محمد ﷺ پر یا قول امتی پر؟ (شمع محمدی ۴۷)

جواب: صرف تین دن تک قربانی کرنے کا ثبوت احادیث میں موجود ہے ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱: ''مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ الْاَضْحٰی یَوْمَانِ بَعْدَ یَوْمِ الْاَضْحٰی '' (مؤطا امام مالک مترجم ص ۴۱۰ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

امام مالکؒ نافعؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ قربانی کے دو دن ہیں دس ذالحجہ کے بعد۔

حدیث نمبر ۲: ''مَالِكٌ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ مِثْلُ ذٰلِكَ ''(مؤطا امام مالک مترجم ص ۴۱۰)

امام مالک فرماتے ہیں کہ انہیں حضرت علی سے بھی یہی بات پہنچی ہے (یعنی تین دن قربانی والی)

حدیث نمبر ۳: ''من طریق ابن ابی شیبة نازید بن الحباب عن معاویه ابن صالح حدثنی ابو مریم سمعت اباهریره یقول الاضحی ثلثة ایام ''(محلی ابن حزم ج ۷ ص ۳۷۷)

ابن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ ہم سے زید بن حباب نے بیان کیا وہ معاویہ بن صالح سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے ابو مریم نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرۃ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ قربانی کے صرف تین دن ہیں۔

حدیث نمبر ۴: ''من طریق وکیع عن شعبة عن قتادة عن انس قال الاضحی یوم النحر ویومان بعده ''(محلی ابن حزم ج ۷ ص ۳۷۷)

ابن ابی شیبہ وکیع سے روایت کرتے ہیں وہ شعبہ اور قتادہ سے اور وہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ قربانی کے دن عید کے بعد صرف دو دن ہیں۔

حدیث نمبر ۵: ''من طریق ابن ابی لیلی عن المنهال بن عمر وعن سعید بن جبیر عن ابن عباس النحر ثلثة ایام ''(محلی ابن حزم ج ۷ ص ۳۷۷)

ابن ابی لیلیٰ منہال بن عمرو سے وہ سعید بن جبیر سے وہ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ قربانی تین دن ہے۔

حدیث نمبر ۶: ''من طریق ابن ابی لیلی عن المنهال بن عمرو عن ذر عن علی قال النحر ثلاثة ایام افضلها اولها ''(محلی ابن حزم ج ۷ ص ۳۷۷)

ابن ابی لیلیٰ منہال بن عمرو سے وہ ذر سے وہ حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ قربانی تین دن تک جائز ہے ان میں سے پہلا دن افضل ہے۔

حدیث نمبر ۷: ''من طریق ابن ابی شبیة ناهیثم عن ابی حمزه عن حزب ابن ناجیه عن ابن عباس قال ایام النحر ثلاثة ایام ''(محلی ابن حزم ج ۷ ص ۳۷۷)

ابن ابی شیبہ سے روایت ہے کہ ہم سے ہیثم نے بیان کیا وہ حزب بن ناجیہ سے وہ حضرت ابن عباس سے ابن عباس نے فرمایا قربانی تین دن ہے۔

حدیث نمبر ۸: ''من طریق وکیع عن عبداللّٰه بن نافع عن ابیه عن ابن عمر قال ما ذبحت یوم النحر والثانی والثالث فهی الضحایا ''(محلی ابن حزم ج ۷ ص ۳۷۷)

وکیع عبداللہ بن نافع سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ یوم النحر (۱۰ ذوالحجہ) گیارہویں اور بارہویں تاریخ

میں میرا ذبیحہ قربانی ہے۔

حدیث نمبر ۹: ''من طریق ابن ابی شیبة ناجریر عن منصور عن مجاهد عن مالك بن ماعزا وماعز بن مالك الثقفی ان اباه سمع عمر یقول انما النحر فی هذه الثلاثة الایام'' (محلی ابن ج ۷ ص ۳۷۷)

ابن ابی شیبہ کہتے ہیں ہمیں جریر نے خبر دی وہ منصور سے وہ مجاہد سے وہ مالک بن ماعز یا ماعز یا بن مالک ثقفی سے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے والد نے حضرت عمر سے سنا ہے کہ قربانی صرف ان تین دنوں میں ہے۔

حدیث نمبر ۱۰: ''من طریق ابن ابی شیبة عن اسماعیل بن عیاش عن عبیداللّٰه ابن عمر عن نافع عن ابن عمر قال الاضحی یوم النحر ویومان بعده'' (محلی ابن حزم ج ۷ ص ۳۷۷)

ابن ابی شیبہ حضرت اسماعیل بن عیاش سے وہ عبید اللہ بن عمر سے انہوں نے نافع سے انہوں نے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ قربانی دسویں تاریخ اور گیارہویں اور بارہویں تک ہے۔

حدیث نمبر ۱۱: ''رواه ابن ابی لیلی عن المنهال عن ذر عن علی قال المعدودات یوم النحر ویومان بعده اذبح فی ایها شئت وقد قبل ان هذا وهم والصحیح عن علی انه قال ذالك فی المعلومات وظاهر الایة ینفی ذالك ایضا لانه قال فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیه وذلك یتعلق بالنحر وانما یتعلق برمی الجمار المفعول فی ایام التشریق واما المعلومات فقد روی عن علی وابن عمر ان المعلومات یوم النحر ویومان بعده واذبح فی ایها شئت'' (احکام القرآن جصاص ج ۱ ص ۳۱۵۔۳۱۶)

ابن ابی لیلیٰ منہال اور ذر کے واسطہ سے حضرت علی ؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا معدودات سے مراد یوم النحر اور اس کے بعد کے دو دن ہیں لہٰذا میں ان میں سے جب چاہوں قربانی کرتا ہوں۔ لیکن اس کے بارے میں یہ

کہا گیا ہے کہ اس میں وہم ہے۔ بلکہ آپ سے صحیح روایت یہ ہے کہ آپ نے یہ ارشاد ایام معلومات کے بارے میں فرمایا ہے اور آیت طیبہ کا ظاہر بھی اس کی نفی کرتا ہے کیونکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ جو شخص دو دنوں میں جلدی کرے اس پر کوئی گناہ نہیں تو معلومات کا تعلق قربانی سے ہے اور معدودات کا تعلق رمی جمار سے ہے جو ایام التشریق میں کی جاتی ہے اور معلومات کے بارے میں حضرت علی اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے مراد یوم النحر اور اس کے بعد کے دو دن ہیں ان میں سے جب میں چاہوں قربانی کرتا ہوں۔

رہی وہ روایت جو جونا گڑھی نے پیش کی ہے وہ نہایت ضعیف ہے۔ یہ حدیث جونا گڑھی نے مسند احمد کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ مسند احمد میں اس کی سند اس طرح ہے۔

"سعید بن عبدالعزیز قال حدثنی سلیمان بن موسی عن جبیر بن مطعم ﷺ"

دیکھئے اس سند میں سلیمان بن موسیٰ خود حضرت جبیر بن مطعم سے روایت نقل کر رہے ہیں جب کہ سلیمان بن موسیٰ کی ملاقات حضرت جبیر بن مطعم سے ثابت نہیں جس کی وجہ سے یہ روایت منقطع ہے اور منقطع روایت غیر مقلدین کے ہاں قابل عمل نہیں ہوتی۔

اور سلیمان بن موسیٰ متکلم فی راوی ہے۔ بہت سے محدثین نے اس پر سخت قسم کی جرح کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ امام بخاری فرماتے ہیں عِنْدَہٗ مَنَاکِیْرُ سلیمان بن موسیٰ کے پاس ضعیف قسم کی حدیثیں ہیں (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۷ و کتاب الضعفاء الصغیر للبخاری مع التاریخ الصغیر ص ۲۶۲)

۲۔ امام نسائی فرماتے ہیں لیس بالقوی فی الحدیث حدیث میں قوی نہیں ہے نیز فرماتے ہیں فی حدیثہ شئی اس کی حدیث میں کچھ خرابی ہے (تہذیب

التہذیب ج ۴ ص ۲۲۷) اس لئے روایت قابل استدلال نہیں ہے (ہم نے یہاں پر مختصر بیان کر دیا ہے تفصیل ہماری کتاب قربانی صرف تین دن تک جائز ہے میں ملاحظہ فرمائیں)

۴۳۔ پیشاب کپڑے پر لگا ہے اور نماز پڑھ رہا ہے

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ ﷺ عَامَّةُ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنَ الْبَوْلِ" (مستدرک حاکم جلد اول ص ۱۸۴) قبر کے عذاب کا سبب عموماً پیشاب کی وجہ سے ہے) آپ نے سن لیا کہ پیشاب کی چھینٹوں سے بچنے کا رسول ﷺ حکم دیتے ہیں اور اس سے پرہیز نہ کرنے والے کو عذاب قبر سے ڈرا رہے ہیں۔ سب مسلمان جانتے ہیں کہ پیشاب ناپاک ہے۔

اعتراض: پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب کی معتبر کتاب ہدایہ ص ۶۰ جلد اول باب الانجاس میں ہے "فَاِنِ انْتَضَحَ عَلَیْهِ الْبَوْلُ مِثْلَ رُؤُسِ الْاِبَرِ فَذَالِكَ لَیْسَ بِشَیْءٍ" یعنی اگر کسی پر سوئی کے ناکے کے برابر کی چھوٹی چھوٹی چھینٹیں پیشاب کی پڑ جائیں تو یہ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ اس سے پہلے ص ۵۸ پر اسی کتاب میں اسی باب میں لکھتے ہیں وَقَدْرُ الدِّرْهَمِ وَمَا دُوْنَهٗ مِنَ النَّجَسِ الْمُغَلَّظِ كَالدَّمِ وَالْبَوْلِ وَالْخَمْرِ وَخُرْءِ الدُّجَاجِ وَبَوْلِ الْحِمَارِ جَازَتِ الصَّلٰوةُ مَعَهٗ" یعنی ہتھیلی کی چوڑائی کے برابر سخت ناپاک چیز لگ گئی ہو (کپڑے پر یا بدن پر) تو بھی اس کے ہوتے ہوئے نماز ہو جائے گی مثلاً کپڑے پر یا بدن پر ناپاک خون یا پیشاب یا مرغ کی بیٹ یا گدھے کا موت لگ گیا اس کے ہوتے ہوئے بھی نماز کا پڑھ لینا جائز ہے۔ کہو حنفی بھائیو! پیشاب کی چھینٹوں اور ہتھیلی کے برابر کے پیشاب لگے ہوئے سمیت حنفی مذہب کے مطابق نماز جائز جان کر پڑھ لو گے؟ یا حدیث کے مطابق اس سے

پرہیز فرض جانو گے؟ (شمع محمدی ص ۷۵)

جواب: جو حدیث جونا گڑھی نے نقل کی ہے اسے احناف مانتے ہیں اور احناف پیشاب کو ناپاک کہتے ہیں لیکن یہ حدیث تو غیر مقلدین کے خلاف ہے۔ کیونکہ غیر مقلدین کا مذہب ہے کہ حلال جانور ہوں یا حرام سب کا پیشاب پاک ہے حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

نواب علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں:

"والمنی طاهر و كذالك الدم غير دم **الحيضة** وكذالك رطوبة الفرج وكذالك الخمر وبول ما يؤكل لحمه وما لا يؤكل لحمه من الحيوانات" (نزل الابرار ج۱ ص ۴۹)

یعنی منی پاک ہے ایسے ہی حیض کے خون، شرمگاہ کی رطوبت شراب اور حلال و حرام جانوروں کا پیشاب سب پاک ہیں۔

ناظرین حدیث کی مخالفت احناف نے کی یا خود غیر مقلدین نے۔

حنفی مسلک میں پیشاب ناپاک ہے

حنفی مسلک کی اصول فقہ کی مشہور کتاب نور الانوار ص ۶۸ میں ہے:

"روى انه عليه السلام لما فرغ من دفن صحابى صالح ابتلى بعذاب القبر جاء الى امرأة فسالها عن اعماله فقالت يرعى الغنم ولا يتنزه من بوله فحينئذ قال عليه السلام استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه"

مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک نیک صالح صحابی کی تدفین سے فارغ ہوئے تو آپ کو احساس ہوا کہ وہ عذاب قبر میں مبتلا ہوئے ہیں آپ ان کی اہلیہ کے پاس تشریف لائے اور ان صحابی کے اعمال کے متعلق دریافت فرمایا انہوں نے عرض کیا کہ یہ بکریاں چرایا کرتے تھے اور ان کے پیشاب سے نہیں بچتے تھے اس موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا پیشاب سے بچو کیونکہ قبر کا عذاب عام طور پر اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

جونا گڑھی نے یہ ثابت کیا ہے کہ حنفی مسلک میں ناپاک بدن اور ناپاک کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے۔ حالانکہ یہ بھی بالکل جھوٹ ہے ہم یہاں پر دونوں چیزوں کا حکم فقہ حنفی سے بیان کرتے ہیں۔

فقہ حنفی میں بدن اور کپڑوں کا پاک ہونا

۱۔ نمازی کے بدن کا نجاست حقیقی سے پاک ہونا ضروری ہے یعنی بول وبراز خون، پیپ، شراب وغیرہ (ہدایہ ج۱ ص۵۸ شرح نقایہ ج۱ ص ۶۳ کبیریٰ ص۷۷ اخلاصہ)

۲۔ نمازی کے کپڑوں کا بھی نجاست سے پاک ہونا ضروری ہے۔ (شرح نقایہ ج۱ ص ۶۳ کبیریٰ ص۵۸)

۳۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب قدوری میں ہے۔

نمازی پر واجب ہے کہ ناپاکیوں اور پلیدیوں سے اول اپنے بدن وغیرہ کو پاک کرے (قدوری مترجم ص ۳۴ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

۴۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب شرح وقایہ میں ہے۔

"یطھر بدن المصلی وثوبہ ومکانہ عن نجس مرئی بزوال" پاک کیا جائے نمازی کا بدن اور کپڑے اور پڑھنے کی جگہ ایسی نجاست سے جو دیکھائی دے (شرح وقایہ مترجم ص ۱۱۲۔۱۱۳ مطبوعہ میر محمد کراچی)

۵۔ مفتی کفایت اللہ دہلوی حنفی لکھتے ہیں۔

نماز کی پہلی شرط کا بیان:

سوال: بدن پاک ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: بدن پاک ہونے سے یہ مراد ہے کہ بدن پر کسی قسم کی نجاست پلیدی نہ ہو۔ (تعلیم الاسلام حصہ دوم ص ۲۲ مطبوعہ تاج کمپنی کراچی)

مفتی کفایت اللہ دہلوی حنفی مزید لکھتے ہیں:

نماز کی دوسری شرط (کپڑے پاک ہونے) کا بیان

سوال: کپڑوں کے پاک ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: جو کپڑے کہ نماز پڑھنے والے بدن پر ہوں جیسے کرتہ، پائجامہ، ٹوپی، عمامہ، اچکن وغیرہ ان سب کا پاک ہونا ضروری ہے (تعلیم الاسلام حصہ سوم ص ۱۷)

ناظرین آپ نے دیکھ لیا کہ فقہ حنفی میں نماز پڑھنے کے لئے بدن اور کپڑوں کا پاک ہونا شرائط نماز میں سے ہے۔ غیر مقلدین اس مسئلہ پر اکثر اعتراض کرتے ہیں اس لئے ہم یہاں پر اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں

مولانا محمد شریف صاحب اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

بے شک فقہاء علیہم الرحمۃ نے ایسا لکھا ہے لیکن یہ معافی بہ نسبت صحت نماز ہے نہ بہ نسبت گناہ کے۔ یعنی اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسا کرنے والے کو گناہ بھی نہیں۔ خود فقہاء علیہم الرحمۃ نے تصریح فرمائی ہے کہ ایسا کرنا مکروہ تحریمہ ہے۔

درّ مختار میں ہے:

"عفا الشارع عن قدر درهم وان كره تحريما فيجب غسله" (درّ مختار)

شارع نے قدر درہم معاف کیا ہے اگرچہ مکروہ تحریمہ ہے پس اس کا دھونا واجب ہے۔

معلوم ہوا کہ جس کپڑے کو بقدر درہم نجاست لگی ہو گی اس میں نماز پڑھنا ہمارے نزدیک مکروہ تحریمہ ہے۔ اس کا دھونا واجب اور نماز کا اعادہ واجب ہے۔

کما قال الشیخ عبدالحی لکھنوی فی عمدۃ الرعایۃ ص ۱۵۰ ج ۱۔

"اشار الى العفو عنه بالنسبة الى صحة الصلوة به فلا ينافى الاثم"

کہ یہ معافی بہ نسبت صحت نماز ہے نہ یہ کہ اس کو گناہ نہیں۔

اور یہ اجازت ہی اس صورت میں ہے کہ دھونے کے لئے پانی یا دوسرا پاک کپڑا نہ ملے۔ اگر پانی میسر ہے اور وقت کی گنجائش بھی ہے تو اسے دھو لینا چاہیے۔

چنانچہ فتاویٰ غیاثیہ ص ۱۳ میں ہے:

''دخل فی الصلوۃ فری فی ثوبہ نجاسۃ اقل من قدر الدرھم و کان فی الوقت سعۃ فالافضل ان یقطع اویغسل الثوب ویستقبلھا فی جماعۃ اخری وان فاتتہ ھذا لیکون مؤریا فرضہ علی الجواز بیقین فان کان عادما للماء اولم یکن فی الوقت سعۃ اولا برج اخری جماعۃ اخری مضی علیھا وھو الصحیح''

یعنی نماز شروع کی تو دیکھا کہ کپڑے میں قدرے درہم سے کم نجاست ہے اور وقت میں فراخی ہے تو افضل یہ ہے کہ نماز قطع کر کے کپڑا دھو ڈالے اور دوسری جماعت میں نئے سرے سے شروع کرے اگرچہ یہ جماعت اس کی فوت بھی کیوں نہ ہو جائے تا کہ اس کے فرض یقیناً ادا ہو جائیں اور اگر پانی نہیں یا وقت میں وسعت نہیں یا دوسری جماعت ملنے کی امید نہیں تو اسی کے ساتھ نماز پڑھ لے۔

طحطاوی فرماتے ہیں:

''المراد عفا عن الفساد بہ والانکراۃ التحریم باقیۃ اجماعا ان بلغت الدرھم و ننزیھا ان لم تبلغ'' (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۹۰)

یعنی عفو سے مراد ہے کہ نماز فاسد نہیں ورنہ کراہت تحریمی اجماعاً باقی رہتی ہے اگر درہم کو نجاست پہنچے اگر درہم سے کم ہو تو کراہت تنزیہی رہتی ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر بقدر درہم نجاست کے ساتھ نماز پڑھے گا تو نماز مکروہ تحریمی ہو گی جس کا اعادہ واجب اور کپڑے کا دھونا واجب ہے۔

پس دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ معترض ان تمام باتوں کو بھی لکھتا پھر اعتراض کرتا تا کہ ناظرین کو اصل مذہب کا پتہ لگ جاتا۔ مگر یہاں تو عوام کو صرف مغالطہ میں ڈال کر مذہب حنفی سے بیگانہ کرنا مقصود تھا دیانت سے کیا کام؟ جب اصل مسئلہ معلوم کر چکے تو اس معافی کا ماخذ بھی معلوم کر لینا چاہیے ۔ یہ معافی فقہاء نے استنجاء بالاحجار سے اخذ کی ہے کیونکہ ظاہر ہے پتھر ڈھیلے مزیل نجاست نہیں ہیں بلکہ مجفف اور منشف ہیں تو موضع غائط کا نجس ہونا شریعت نے نماز کے لئے معاف کیا ہے اور وہ قدر درہم ہوتا ہے اس لئے فقہاء نے نماز کے لئے بقدر درہم معاف لکھا ہے۔

نووی شرح صحیح مسلم میں حدیث اذا استیقظ احدکم من منامه کے بعض فوائد بھی لکھتے ہیں:

"منها ان موضع الاستنجاء لایطهر بالاحجار بل یبقی نجسا معفوا عنه فی حق الصلوة" (نووی ص ۱۳۶)

یعنی بعض فوائد میں سے یہ ہے کہ استنجاء کی جگہ پتھروں سے پاک نہیں ہوتی بلکہ نجس رہتی ہے جو نماز کے حق میں معاف ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر الباری پ امیں لکھتے ہیں: ہدایہ شریف میں ہے:

"قدرناه بقدر الدرهم اخذا عن موضع الاستنجاء" (ص ۵۸)

کہ وہ قلیل نجاست جو کہ عفو ہے ہم نے اس کا اندازہ بقدر درہم رکھا اور اس کا ماخذ استنجاء کی جگہ (کا معاف ہونا ہے)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

"قال فی شرح المنیة ان القلیل عفو اجماعا اذا الاستنجاء بالحجر کان بالاجماع وهو لایستامل النجاسة والتقدیر بالدرهم مروی عن عمر وعلی وابن مسعود وهو مما لایعرف بالرائے فیحمل علی السماع ۱ هـ وفی الحلیة القدیر بالدرهم وقع علی سبیل الکنایة عن موضع خروج الحدث من

الدبر کما افاده ابراهیم النخعی بقوله انهم استنکرهوا ذکر المقاعد فی مجالسهم فکنوا بالدرهم ویعضده ما ذکره المشائخ عن عمر انه سئل عن القلیل من النجاسة فی الثوب فقال اذ کان مثل ظفری هذا یمنع جواز الصلوة قالوا وظفر وکان قریبا من کفنا ۱ھ‘‘(شامی ص۲۳۱ج اوّل)

شرح منیۃ میں کہا ہے کہ نجاست قلیل اجماعاً معاف ہے کیوں کہ پتھروں سے استنجاء کرنا بالاجماع کافی ہے اور وہ نجاست کو بالکل ختم نہیں کرتا اور درہم کا اندازہ حضرت عمر و علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے چونکہ اس میں رائے کا دخل نہیں اس لئے سماع پر محمول ہوگا اور حلیۃ میں ہے کہ درہم کا اندازہ بطور کنایہ ہے دبر سے جیسے کہ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اپنی مجالس میں مقاعد کا ذکر برا سمجھا تو کنایہ درہم سے تعبیر کیا اور اسی کی تائید کرتا ہے جو مشائخ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر سے جب قلیل نجاست کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا جب میرے ناخن کے مثل ہو تو نماز کے جواز کو منع نہیں کرتا۔ کہتے ہیں کہ آپ کا ناخن ہماری ہتھیلی (کے مقر) کے برابر تھا۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ قدر درہم بھی صحابہ سے مروی ہے۔ وللہ الحمد۔

۴۴۔ نابینا کی امامت کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

’’عَنْ اَنَسٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِبْنِ اُمِّ مَکْتُوْمٍ یَوْمُ النَّاسَ وَھُوَ اَعْمٰی‘‘(رواہ ابوداود مشکوٰۃ ص ۱۰۰ جلد اول باب الامامہ) یعنی رسول اللہ ﷺ نے اپنا خلیفہ حضرت ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو بنایا اور یہ نابینا تھے اور یہی صحابہ کی امامت کراتے تھے۔ یہ حدیث کس قدر صاف ہے کہ اندھا آدمی امام بن سکتا

ہے۔

اعتراض: پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ اندھے کی امامت مکروہ ہے چنانچہ حنفی مذہب کی بڑی آن بان شوکت شان والی کتاب ہدایہ جلد اول باب الامامت ص ۱۰۱ میں ہے "وَیُکْرَہُ تَقْدِیْمُ الْاَعْمٰی "یعنی جن کی امامت مکروہ ہے ان میں ایک اندھا آدمی بھی ہے۔ کہو حنفی دوستو! ایمان کا تقاضا اس وقت جب کہ حدیث اندھے کی امامت کو مکروہ نہیں بتلاتی اور فقہ مکروہ بتلاتی ہے؟ حدیث کو ماننا یا حنفی مذہب کو ماننا؟ (شمع محمدی ص ۴۷ ظفر المبین حصہ اول ص ۱۰۰)

جواب: جونا گڑھی نے فقہ حنفی کا مسئلہ پورا نہیں بتایا پورا مسئلہ اس طرح ہے۔

۱۔ مسئلہ اندھے کے پیچھے بھی نماز مکروہ ہوتی ہے اگر استقبال قبلہ نہ کر سکتا ہو اور نجاست سے نہ بچ سکتا ہو اگر سمجھ دار اور متقی ہو تو پھر اس کے پیچھے نماز مکروہ نہیں۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۷۷ شرح نقایہ ج ۱ ص ۸۶ کبیری ص ۵۱۴ خلاصہ)

۲۔ قدوری اردو ص ۱۴۱ میں ہے:

غلام، گنوار، فاسق، نابینا، حرامی بچہ کو امام بنانا مکروہ ہے اور اگر یہ امام ہو جائیں تو نماز ہو جائے گی۔

۳۔ حضرت عطاء تابعی کا فتویٰ: "عَنْ ابن جریج قال سئال عطاء عن الاعمی ایؤم القوم فقال ماله اذا کان افقههم "(مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۳۹۵)

ابن جریج سے روایت ہے حضرت عطاء سے پوچھا گیا نابینا کے بارہ میں کیا وہ امامت کرا سکتا ہے لوگوں کو تو انہوں نے کہا کیا حرج ہے اگر وہ ان میں

سے زیادہ فقیہ ہو۔

۴۔ حضرت ابرہیم نخعی تابعی کا فتوٰی: ''عن حماد قال سألت ابرهیم عن الاعمی هل یؤم فقال نعم اذا اقام الصلوة '' (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۳۹۵)

حضرت حماد نے کہا میں نے حضرت ابرہیم نخعی۔ سے دریافت کیا نابینا شخص کے بارہ میں کہ آیا وہ امامت کرا سکتا ہے تو انہوں نے کہا ہاں کرا سکتا ہے بشرطیکہ نماز اچھی طرح ادا کرتا ہو۔۔

۵۔ حضرت ابن عباسؓ کا نابینا کی امامت سے احتراز فرمانا: مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۱۹ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان میں ہے۔

''حدثنا وکیع عن سفیان عن عبدالاعمی عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال کیف أؤمهم وهم یعدلونی إلی القبلة ''

۶۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۱۴ جلد ۲ میں ہے:

''حدثنا الفضل بن دکین عن ابی الحسناء عن زیاد النمری قال سألت انساً عن الأعمی یؤم فقال ما أفقرکم إلی ذالك ''

۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۱۱۹ میں ہے:

''حدثنا وکیع قال حدثنا سفیان عن واصل الاحدب عن قبیصة بن برمة الاسدی قال قال عبدالله ما أحب ان یکون مؤزنوکم عمیانکم قال أحسبه قال ولا قراء کم ''

۸۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۱۹ میں ہے:

''حدثنا زید بن حباب عن اسرائیل عن مرزوق عن سعید بن جبیر أنه قال الأعمی لا یؤم ''

تفصیلی جواب: مولانا منصور خان مرادآبادی لکھتے ہیں:

اقول: حنفیہ کے نزدیک اس اندھے کی امامت مکروہ ہے جو احتیاط نہ کرتا

ہو اور کوچہ گرو ہو اور اگر عالم اور محتاط ہو یا سب میں افضل ہو اس وقت حنفیہ ہر گز مکروہ نہیں کہتے بلکہ حجت میں یہی حدیث عبد اللہ بن ام مکتوم کی لکھتے ہیں کتاب الاشباہ والنظائر احکام الاعمیٰ میں ہے ''وَتُكْرَهُ اِمَامَتُهُ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ اَعْلَمَ الْقَوْمِ ''یعنی مکروہ ہے امامت اندھے کی مگر جب کہ مقتدیوں سے زیادہ جاننے والا ہو۔ اور بحر الرائق کتاب الامامۃ میں ہے ''فَاِنْ كَانَ اَفْضَلَهُمْ فَاَوْلٰى وَعَلٰى هٰذَا حُمِلَ تَقْدِيْمُ ابْنِ اُمِّ مَكْتُوْمٍ لِاَنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنَ الرِّجَالِ الصَّالِحِيْنَ لِلْاِمَامَةِ فِي الْمَدِيْنَةِ اَحَدٌ اَفْضَلُ مِنْهُ حِيْنَئِذٍ''

یعنی اگر نابینا افضل قوم ہو تو واسطے امامت کے وہی بہتر ہے اور اسی پر محمول ہے امام کرنا ابن ام مکتوم کا اس لئے کہ مدینے میں کوئی شخص قابل امامت کے ان سے بہتر نہیں رہا تھا اور فتح المنان فی تائید مذہب النعمان باب الامامۃ تالیف شیخ عبد الحق محدث دہلوی میں ہے ''اِنْ كَانَ مُقْتَدِي الْقَوْمِ وَعَالِماً وَّقَارِئاً لَا يُكْرَهُ وَقَدْ كَانَ شَيْخُنَا الْاَجَلُّ الْاَكْرَمُ عَبْدُالْوَهَّابِ الْمُتَّقِي يَؤُمُّ اَصْحَابَهُ مَعَ عَمْيِهِ'' یعنی اگر ہو اندھا مقتدا قوم کا اور عالم اور قاری تو نہیں مکروہ ہے اور تحقیق استاد ہمارے عبد الوہاب متقی امام ہوتے تھے اپنے یاروں کے باوجود نابینائی کے۔ اور محیط میں ہے ''اِذَا لَمْ يَكُنْ غَيْرُهُ مِنَ الْبَصِيْرِ اَفْضَلَ فَهُوَ اَوْلٰى ''یعنی جبکہ نابینا سے بصیر افضل ہو تو نابینا بہتر ہے۔ اور بدائع باب الامامۃ میں ہے ''اِذَا كَانَ لَا يُوَازِيْهِ غَيْرُهُ فِي الْفَضْلِ فِيْ مَسْجِدِهٖ فَهُوَ اَوْلٰى ''یعنی جس وقت فضیلت میں اور کوئی نابینا کے برابر نہ ہو تو وہی بہتر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک نابینا کی امامت مکروہ نہیں مگر اس وقت مکروہ ہے جب احتیاط نہ کرتا ہو یا علم نہ رکھتا ہو عبد اللہ بن ام مکتوم ان باتوں سے بری تھے بلکہ اس وقت تو آنحضرت ﷺ تبوک کی لڑائی میں تشریف لے گئے ہیں ان سے بہتر کوئی نہ تھا علیؓ کو مکان کے اہتمام میں چھوڑ گئے تھے اگر اس کا بھی اہتمام ان کے سپرد ہوتا تو اس اہتمام میں کوتاہی ہو جاتی بلکہ صاحب ہدایہ کی خود وجہ کراہیت سے معلوم ہوتا ہے کہ

مطلقاً نابینا کی امامت مکروہ نہیں بلکہ بوجہ عدم احتیاط کے مکروہ ہے پس اس مسئلے کو ابن مکتوم کی حدیث کے مخالف کہنا کمال درجے کی نادانی ہے قیاس مع الفارق اسی کو کہتے ہیں ہاں خوب یاد آیا اگر رطب و یابس نہ بھرتے تو سو مسئلوں کا التزام کیونکر ہو سکتا تھا کچھ معترض صاحب کو خیال نہیں کہ کیا لکھتا ہوں بے دیکھے اٹکل سے کام لیتے ہیں۔

سمجھ ہی نہیں آتی ہے کوئی بات ذوق اس کی
کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے

(ماخوذ فتح المبین ص ۱۰۱۔ ۱۱۰ ترمیم اور اضافہ کے ساتھ)

۴۵۔ کتوں کی رنگی ہوئی کھال حنفی مذہب میں پاک ہے

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

"عَنْ اَبِی الْمَلِیْحِ ابْنِ اُسَامَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ نَهٰی عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ" (رواہ احمد و ابوداود و النسائی مشکوۃ ص ۵۳ جلد اول باب تطہیر النجاسات)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے درندوں کی کھالوں کی ممانعت فرمائی۔ یہ حدیث صاف ہے کہ کتے بھیڑیے وغیرہ کی کھالیں ممنوع ہیں۔

اعتراض: پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب کا مسئلہ ہے کہ سوائے خنزیر اور انسان کی کھال کے اور کھالیں دباغت کے بعد پاک ہیں۔ انہیں پہن کر نماز ہو جاتی ہے ان کے ڈولوں میں پانی لے کر وضو ہو سکتا ہے چنانچہ ہدایہ جلد اول ص ۲۴ باب الماء الذی الخ میں ہے "کُلُّ اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهَرَ وَجَازَتِ الصَّلٰوةُ فِیْهِ وَالْوُضُوْءُ مِنْهُ اِلَّا جِلْدُ الْخِنْزِیْرِ وَالْاٰدَمِیِّ" یعنی ہر کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے پھر اسے پہن کر نماز ہو سکتی ہے اور اس میں پانی لے کر وضو بھی جائز ہے۔ سوائے سور اور انسان

کی کھال کے۔ کہو حنفی بھائیو! اب کتوں وغیرہ درندوں کی کھالوں کی نسبت آپ کا مذہب وہ رہے گا جو حدیث میں ہے؟ یا وہ جو فقہ میں ہے؟
(شمع محمدی ص ۶۷ ظفر المبین حصہ اول ص ۲۳۴)

جواب: یہ مسئلہ بھی جونا گڑھی نے ظفر المبین سے چوری کیا ہے احادیث اس مسئلہ میں احناف کے پاس کافی موجود ہیں جن میں آتا ہے کہ چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱: عَنْ سَوْدَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ ﷺ قَالَتْ مَاتَتْ لَنَا شَاةٌ فَدَبَغْنَا مَسْکَهَا ثُمَّ مَازِلْنَا نَنْبُذُ فِیْهِ حَتّٰی صَارِ شَنًّا" (بخاری)

ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا زوجۂ رسول ﷺ سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ ہماری ایک بکری مر گئی تو ہم نے اس کے چمڑے کو دباغت دی پھر ہم نبیذ (جو کھجور اور پانی سے تیار ہوتی ہے) اس میں ڈالتے تھے یہاں تک وہ پرانی مشک بن گیا۔

حدیث نمبر ۲: " عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اِذَا دُبِغَ الْاِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ " (مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ جب چمڑے کو دباغت دی جاتی ہے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۳: "عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰه عنها اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَ اَنْ یَّسْتَمِعَ بِجُلُوْدِ الْمَیْتَةِ اِذَا دُبِغَتْ " (موطا امام مالک)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جب مردار جانور کے چمڑے کو دباغت دی جائے تو اس کے استعمال سے فائدہ اٹھایا جائے۔

ف: کیوں کہ چمڑا دباغت (رنگنے) سے پاک ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۴: ''عَنْ سَلْمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَاءَ فِیْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ عَلٰی اَهْلِ بَیْتٍ فَاِذَا قِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَسَالَ الْمَآءَ فَقَالُوْا لَهٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا مَیْتَةٌ فَقَالَ دَبَاغُهَا طُهُوْرُهَا'' (مسند احمد)

حضرت سلمہ بن محبق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک میں ایک گھر پر تشریف فرما ہوئے تو اس میں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا آپ نے پانی مانگا۔ گھر والوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ مشکیزہ مردہ جانور کے چمڑے کا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دباغت اس کو پاک کرنے والی ہے۔

حدیث نمبر ۵: ''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَیُّمَا اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ'' (ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چمڑے کو دباغت دی جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر ٦: عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ کُنَّا نُصِیْبُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ مَغَانِمِنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ الْاَسْقِیَةَ فَنَقْتَسِمُهَا وَکُلُّهَا مَیْتَةٌ فَنَنْتَفِعُ بِذٰلِكَ'' (طحاوی)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات کے مال غنیمت میں مشرکین کے مشکیزے ملا کرتے تھے تو ہم ان کو تقسیم کر لیتے تھے حالانکہ یہ مشکیزے مردار جانوروں کے ہوتے تھے اور ان کے استعمال سے نفع حاصل کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۷: ''عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَصَدَّقَ عَلٰی مَوْلَاةٍ لِّمَیْمُوْنَةَ بِشَاةٍ فَمَاتَتْ فَمَرَّ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ هَلَّا اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا فَدَبَغْتُمُوْهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهٖ فَقَالُوْا اِنَّهَا مَیْتَةٌ فَقَالَ اِنَّمَا حَرَّمَ اَکْلُهَا'' (طحاوی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک باندی کو ایک بکری خیرات میں دی تھی اور وہ مر گئی تو رسول اللہ ﷺ کا گذر اس پر ہوا اور آپ نے فرمایا کہ کیوں تم نے اس کے چمڑے کو نہیں لیا کہ اس کو دباغت دے کر اس سے نفع حاصل کرتے۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ وہ مردار ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صرف اس کا گوشت کھانا حرام ہے۔

حدیث نمبر ۸: قَالَ مَاتَتْ شَاةٌ لِّسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَاتَتْ فُلَانَةٌ تَعْنِیْ الشَّاةَ قَالَ فَلَوْلَا اَخَذْتُمْ مِسْکَهَا فَقَالَتْ نَاْخُذُ مِسْكَ شَاةٍ قَدْ مَاتَتْ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّمَا قَالَ اللّٰہُ ﴿قُلْ لَّا اَجِدُ فِیْمَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗ اَلْآیَۃَ فَاِنَّهٗ لَا بَاْسَ بِاَنْ تَدْبُغُوْهُ فَتَنْتَفِعُوْا بِهٖ قَالَتْ فَاَرْسَلْتُ اِلَیْهَا فَسَلَخْتُ مِسْکَهَا فَدَبَغْتُهٗ فَاتَّخَذْتُ مِنْهُ قِرْبَةً حَتّٰی تَخَرَّقَتْ'' (طحاوی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک بکری مر گئی انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ وہ مر گئی ہے یعنی بکری آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیوں تم نے اس کے چمڑے کو نہیں لیا؟ سودہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ ہم کیسے بکری کے چمڑے کو لے سکتے تھے؟ جو مردار ہو گئی ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ انعام کی آیت (پ۸ رکوع ۱۸) میں یہی فرمایا ہے ''قُلْ لَّا اَجِدُ فِیْ مَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ'' (اے پیغمبر ﷺ ان لوگوں سے) تم فرماؤ (ان چیزوں میں سے جن کو تم حرام کہتے ہو) میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کسی کھانے والے پر کھانا حرام مگر یہ مراد ہو یا رگوں کا بہتا خون یا بد جانور کا گوشت وہ نجاست ہے۔ اس لئے اگر تم اس کو (یعنی مری ہوئی بکری کے چمڑے کو) دباغت دے دیتے اور اس سے نفع اٹھاتے تو

کوئی حرج نہیں تھا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آدمی روانہ کر دیا اور کھال کھنچوا کر منگوالی اور اس کو دباغت دلوا کر اس سے مشکیزہ بنوایا۔ وہ استعمال میں رہا یہاں تک کہ وہ پھٹ گیا۔

حدیث نمبر ۹: ''عَنْ مَیْمُوْنَۃَ قَالَتْ مَرَّ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ رِجَالٌ مِّنْ قُرَیْشٍ یَّجُرُّوْنَ شَاۃً لَّھُمْ مِّثْلَ الْحِمَارِ فَقَالَ لَھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَوْ اَخَذْتُمْ اِھَابَھَا قَالُوْا اِنَّھَا مَیْتَۃٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُطَھِّرُھَا الْمَآءُ وَالْقُرَظُ ''(ابوداؤد)

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے چند قریش کے لوگ اپنی ایک مری ہوئی بکری کو جو گدھے کی طرح پھول گئی تھی کھینچتے ہوئے لے جارہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کاش تم نے اس کے چمڑے کو لے لیا ہوتا تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ وہ مردار ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پانی اور کیکر پاک کر دیتے ہیں۔ (اور یہ بھی دباغت کی ایک قسم ہے)

حدیث نمبر ۱۰: عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِسْتَمْتِعُوْا بِجُلُوْدِ الْمَیْتَۃِ اِذَا ھِیَ دُبِغَتْ تُرَاباً کَانَ اَوْ رِمَادًا او ملحاً اَوْ مَآ کَانَ بَعْدُ اَنْ یَّظْھَرَ صَلَاحُہٗ''

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مردار جانور کے چمڑے کے استعمال سے جب اسے دباغت دی جائے تو فائدہ اٹھاؤ خواہ دباغت مٹی سے دی گئی ہو یا راکھ سے یا نمک سے یا ایسی چیز سے دباغت دی گئی ہو کہ جس سے چمڑے میں صلاحیت پیدا ہو جائے۔

ناظرین ہم نے دس احادیث نقل کر دی ہیں جن میں صاف مذکور ہے کہ دباغت دینے سے چمڑا پاک ہو جاتا ہے اب رہی یہ بات کہ دباغت کسے کہتے ہیں تو عرض ہے:

چمڑے سے اس کی بدبو اور ناپاک رطوبتوں کے دور کرنے کو دباغت کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ دباغت کی دو قسمیں ہیں ا۔ حقیقی۔ ۲۔ حکمی۔ دباغت حقیقی یہ ہے کہ چمڑے کو دواؤں کے ذریعہ مثلاً نمک، انار کے چھلکے، مازو اور کیکر یعنی ببول کے پتوں سے پاک کیا جائے اور دباغت حکمی یہ ہے کہ چمڑے کو دھوپ میں اس طرح تپایا جائے یا مٹی اور راکھ میں اس طرح روندا جائے کہ اس کی بدبو اور رطوبت دور ہو جائے۔

دباغت حقیقی سے چمڑا ہمیشہ کے لئے پاک ہو جاتا ہے اور اس کی نجاست پھر عود نہیں کرتی البتہ دباغت حکمی میں اختلاف ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ سے دو روایتیں منقول ہیں ایک یہ کہ نجس رطوبت پانی کی تری کی وجہ سے عود کر جائے گی تو چمڑا پھر نجس ہو جاتا ہے دوسری روایت میں ہے کہ دباغت حکمی کے بعد چمڑا دوبارہ پانی میں تر ہو جائے اور رطوبت ظاہر ہو جائے تو یہ رطوبت جو ظاہر ہوئی ہے اصلی پہلے کی رطوبت نہیں ہے کیونکہ چمڑے کی اصلی رطوبت دھوپ یا مٹی یا راکھ سے جا چکی تھی اس وجہ سے چمڑے کو نجس نہیں قرار دیا جاسکتا اور اسی دوسرے قول پر (جس سے چمڑے کا پاک رہنا ثابت ہوتا ہے) فتویٰ ہے (شرح وقایہ، عمدۃ الرایۃ، غیاث اللغات) البتہ مختارات النوازل میں یہ صراحت ہے کہ دباغت حکمی میں اگر چمڑے کو دباغت سے پہلے پانی سے دھو لیا جائے اور دھوپ یا مٹی یا راکھ کے ذریعہ دباغت دی جائے۔ تو چمڑے کی نجاست بالاتفاق عود نہیں کرے گی اور یہ دباغت حکمی دباغت حقیقی کے مثل ہو جائے گی۔

''وَعَنْ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ کُلُّ شَیْءٍ یَمْنَعُ الْجِلْدَ مِنَ الْفَسَادِ فَهُوَ دِبَاغٌ'' (رواہ محمد فی الآثار)

حضرت ابراہیم سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہر ایسی چیز جو چمڑے کو خراب ہونے سے روک دے تو یہی اس کے لئے دباغت ہے (کتاب الآثار)

رہی وہ روایت جو جونا گڑھی نے نقل کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اور اس مضمون کی دوسری روایات میں۔

رسول اللہ ﷺ نے درندوں کے چمڑے کے پہننے اور ان پر سوار ہونے سے جو ممانعت فرمائی ہے اس کے متعلق تفصیل یہ ہے۔ کہ اس حدیث میں جو نہی وارد ہے اس سے نہی تنزیہی مراد ہے اور یہ مسلک امام ابو حنیفہؒ کا ہے اور حدیث میں نہی اس لئے آئی ہے کہ درندوں کے چمڑوں کو پہننا اور ان کے چمڑوں پر سوار ہونا سرکش لوگوں اور عجمی کفار اور عیش پرستوں عام دستور ہے لہٰذا نیک لوگوں کے لئے ان کا استعمال مناسب نہیں اس لئے مکروہ تنزیہی ہے۔

منع کی بعض روایات میں اہاب کے لفظ بھی آئے ہیں۔ اہاب کہتے ہیں کچی کھال کو اور پکی کھال کو جلد کہتے ہیں فقہ حنفی میں بھی دباغت سے قبل مردار جانور کی کچی کھال اور پٹھے نجس ہیں ان سے نفع لینا جائز نہیں اور نہ ہی ان کی تجارت جائز ہے مردار جانور کی کچی کھال کو پکانے اور خشک کرنے کے بعد اس سے نفع لینا اور تجارت کرنا جائز ہے اسی طرح مردار جانور کے سینگ اور ناخن وغیرہ جن پر زندگی کا اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کو کاٹنے سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے ان سے نفع اٹھانا مطلقاً جائز ہے اور یہی تمام آئمہ کا مذہب ہے۔

ایک شبہ اور اسکا ازالہ: ایک روایت میں حضرت ابوالملیح رضی اللہ عنہ نے درندوں کے چمڑوں کی قیمت کے استعمال کو مکروہ کہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قیمت لینا اس وقت مکروہ ہوگا کہ چمڑے کی دباغت نہ ہوئی ہو اس لئے کہ قبل دباغت چمڑا نجس رہتا ہے لیکن دباغت کے بعد اس کو فروخت کر کے قیمت کا حاصل کرنا مکروہ نہیں ہے اور فتاویٰ قاضی خاں میں صراحت ہے کہ مردہ جانوروں کے چمڑوں کا فروخت کرنا باطل اور ناجائز ہے بشرطیکہ وہ جانور ذبح کئے ہوئے نہ ہوں، یا ان کو دباغت نہ ہوئی ہو۔ (مرقات)

دباغت کے بعد درندوں کا چمڑا استعمال کرنے کی احادیث

''وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ کَانَ لَا یَرٰی بِجُلُوْدِ السَّبَاعِ بَاْسًا اِذَا دُبِغَتْ''

حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ درندوں کے چمڑوں کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جب کہ ان کی دباغت ہو چکی ہو۔

''وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ کَانَ لَهٗ سَرْجٌ نَمُوْرٌ''

حضرت عروۃ بن زبیرؓ کے متعلق روایت ہے کہ ان کے پاس تیندوے کی کھال کا زین تھا۔

''وَعَنْ يَحْيٰى بْنِ عَتِيْقٍ قَالَ رَاَيْتُ الْحَسَنَ الْبَصَرِيَّ عَلٰى سَرَجٍ مُّنَمَّرٍ وَرَاَيْتُ مُحَمَّدَ بْنِ سِيْرِيْنَ عَلٰى سَرَجٍ مُّنَمَّرٍ رَوَى الْاَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ الطَّحَاوِیُّ فِیْ مُشْكِلِ الْآثَارِ''

حضرت یحیٰی بن عتیقؒ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت حسن بصریؒ کو تیندوے کی کھال کی زین پر سوار دیکھا ہے اور محمد بن سیرینؒ کو بھی تیندوے کی کھال کی زین پر سوار دیکھا۔ ان تینوں حدیثوں کی روایت امام طحاوی نے مشکل الآثار میں کی ہے (ماخوذ زجاجۃ المصابیح)

۴۶۔ کھیت اور باغ کی شرکت امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

''عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَفَعَ اِلٰى يَهُوْدِ خَيْبَرَ نَخْلَ خَيْبَرَ وَاَرْضَهَا عَلٰى اَنْ يَّعْتَمِلُوْهَا مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَلِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ شَطْرُ ثَمَرِهَا''

(رواہ مسلم مشکوۃ ص ۲۵۷ جلد اول باب المساقاۃ)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے باغات اور کھیت یہودیوں کو اس لئے دئے کہ وہ کھیتی کریں۔ باغ بوئیں، محنت اور خرچ ان کا ہو اور جو پیداوار ہو اس

میں سے آدھا ان کا اور آدھا رسول اللہ ﷺ کا۔ حدیث صاف ہے کہ ایک کی زمین وغیرہ ہو دوسرے کی محنت اور خرچ وغیرہ ہو تو وہ آپس میں پیداوار کے حصے طے کر کے شرکت میں کھیت اور باغ کا نفع بانٹ سکتے ہیں۔

اعتراض: پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب کی اعلیٰ معتبر کتاب ہدایہ کتاب المزارعہ ص ۴۰۸ جلد چہارم میں ہے "قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ الْمَزَارَعَةُ بِالثُّلُثِ وَالرُّبْعِ بَاطِلَةٌ" یعنی تہائی چوتھائی مقرر کر کے شرکت میں کھیتی کرنی ناجائز ہے۔ کہو حنفی بھائیو! کیا فقہ مان کر یہ عقیدہ رکھ کر کہ اللہ کے رسول ﷺ رسولوں کے سردار ﷺ نے ایک ناجائز کام کیا یہی کہو گے کہ اس طرح کی شراکت باطل ہے؟ یا حدیث پر ایمان رکھ کر فقہ کے اس مسئلہ کو باطل کہہ کر وہ مانو گے جو خود رسول اللہ ﷺ نے کیا؟ دوستو اگر فقہ کا کوئی مسئلہ رد ہو جائے تو تمہارا دل دکھے اور حدیث رد ہو جائے تو تمہاری پیشانی پر بل بھی نہ آئے حالانکہ شرط ایمان یہ ہے کہ حدیث رہے چاہے سب کے سب قول رد ہو جائیں یہاں یہ بات بیان کر دینی نہایت ضروری ہے کہ امام صاحب کے اس مسئلہ کو ان کے دونوں شاگردوں نے نہیں مانا بلکہ آج تک حنفی دنیا نے بھی اسے نہیں مانا آپ کو بھی معلوم ہو گا کہ سارے حنفی زمیندار کھیتیاں اسی طرح کرتے ہیں پس ہماری طرف سے دعوت ہے کہ جس طرح اس مسئلے میں امام صاحب کے قول کو چھوڑ دیا گیا اور پھر تقلید میں کوئی کمی نہ آئی اسی طرح ہر مسئلے کو چھوڑ دیجئے جو حدیث کے خلاف ہو یہی اہل حدیث کی چاہت ہے اور اسی کی وہ آپ کو دعوت دیتے ہیں۔ (شمع محمدی ص ۷۷ ظفر المبین حصہ اول ص ۲۱۶، فتح المبین علی رد مذہب المقلدین ص ۶۰ اور ص ۱۳۴)

جواب: مضاربت یعنی زمین بونے کے لئے کرایہ پر دینے کے متعلق مختلف روایات آئی ہیں کسی حدیث میں اجازت اور کسی حدیث میں منع ہے اس وجہ سے

ائمہ کرام اور محدثین میں اختلاف واقع ہوا۔ اجازت والی حدیث تو جونا گڑھی نے نقل کر دی اور منع والی کا ذکر تک نہ کیا۔ ہم یہاں پر پہلے منع والی حدیث نقل کرتے ہیں اس کے بعد حنفی مسلک کی وضاحت کرتے ہیں۔

مضاربت سے منع کی حدیث

''عن عبد اللّٰہ بن السائب قال سالت عبد الله بن معقل عن المزارعة فقال اخبرنی ثابت بن الضحاك ان رسول اللّٰہ ﷺ نھی عن المزارعه ''(مسلم ج ۲ ص ۱۴)

عبداللہ بن سائب کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن معقل سے مزارعت کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے کہا مجھے ثابت بن ضحاک نے یہ حدیث سنائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزارعت سے منع فرمادیا ہے۔

ہم نے صرف ایک حدیث نقل کی ہے ویسے منع کی احادیث حضرت جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرۃ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

اگر امام ابوحنیفہ نے ان احادیث کے پیش نظر یہ نظریہ قائم کیا ہے تو کون سا جرم کیا ہے۔ اور حدیث کی مخالفت کب لازم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جونا گڑھی کو معاف فرمائیں۔

یہ اعتراض بھی جونا گڑھی نے ظفر المبین حصہ اول ص ۲۱۶ سے سرقہ کیا ہے اس کا جواب فتح المبین ص ۲۵۴ تا ۲۵۶ پر تفصیلی موجود ہے وہاں پر ملاحظہ فرمائیں۔

حنفی مسلک کی وضاحت

اس مسئلہ میں احادیث مختلف وارد ہوئی ہیں بعض احادیث، آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے زمین کو بٹائی پر دینے کا جواز چونکہ ثابت ہوتا ہے اس لئے

فقہاء احناف نے اس مسئلہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ کے قول پر صحیح ہونے کے باوجود فتویٰ نہیں دیا۔ خود صاحب ہدایہ علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں۔

"الا ان الفتویٰ علی قولهما لحاجة الناس الیها ولظهور تعامل الامة بها والقیاس یترک بالتعامل کما فی الاستصناع" (ہدایہ آخرین ۴۲۵ مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

فتویٰ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر ہے کیونکہ لوگوں کو مزارعت کی حاجت ہے اور تمام امت کا مزارعت پر عمل ہے اور تعامل کے مقابلہ میں قیاس ترک کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اجارہ میں ہے۔

۲۔ قدوری مترجم ۲۳۴ میں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تہائی یا چوتھائی (بٹائی) پر زمین بونے کے لئے دینا باطل ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ جائز ہے۔

جب حنفی مسلک کا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے تو اعتراض خود بہ خود ختم ہو جاتا ہے۔

۴۷۔۴۸۔۴۹۔۵۰۔ حنفی مذہب نے چار قسم کی شراب حلال کر رکھی ہے

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

"عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ کُلُّ مُسْکِرٍ خَمْرٌ وَّکُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ" (رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۳۱۷ جلد دوم باب بیان الخمر)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں نشہ لانے والی ہر چیز خمر (یعنی شراب ہے) اور ہر نشہ والی چیز حرام ہے۔ یہ بالکل صحیح حدیث آپ کے سامنے ہے جس نے ہر نشے والی چیز کو شراب اور شراب کو حرام قرار دے دیا ہے۔

اعتراض: پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اسے نہیں مانتا حنفی مذہب کی معتبر کتاب ہدایہ ص ۴۸۰ جلد چہارم کتاب الاشربہ میں ہے ''اِنَّ مَا یُتَّخذُ مِنَ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِیْرِ وَالْعَسَلِ وَالذُّرَّةِ حَلَالٌ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَلَا یُحَدُّ شَارِبُهٗ وَاِنْ سَکَرَمِنْهُ ''یعنی گیہوں، جو، شہد اور جوار کی بنائی ہوئی حلال ہے ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کے پینے والے کو حد بھی نہ لگائی جائے گی گو اس کے پینے سے اسے نشہ بھی چڑھ گیا ہو۔ حنفی بھائیو! حدیث پر عمل کر کے انہیں حرام کہیں گے؟ یا فقہ پر عمل کر کے اسے حلال کہیں گے؟ بلکہ ابو داود میں حدیث ہے حضرت دیلم حمیریؓ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ ہم سرد ملک کے رہنے والے ہیں اور ہیں بھی مزدور پیشہ لوگ ہم گیہوں سے ایک قسم کی پینے کی چیز بنالیتے ہیں جس سے ہمیں قوت حاصل ہوتی ہے اور سردی کی تکلیف بھی نہیں ہوتی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا اس سے نشہ ہوتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں نشہ تو ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا پھر اس سے بالکل دور رہو۔ انہوں نے کہا کہ اچھا میں یہ فرمان تو آپ کا پہنچادوں گا لیکن لوگ (بوجہ عادت اور ضرورت اور فوائد کے) اسے چھوڑیں گے نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر نہ چھوڑیں تو ان سے جہاد کرو۔ برادران! یہ حدیث بھی بہت صاف ہے اور اس میں لفظ موجود ہیں کہ گیہوں کی شراب بھی حرام ہے لیکن حنفی مذہب اسے حلال کہتا ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے منبر نبوی ﷺ پر خطبہ پڑھاتے ہوئے فرمایا کہ جب آیت حرمت شراب نازل ہوئی اس وقت ان پانچ چیزوں کی شراب بنتی تھی۔ انگور کی۔ کھجور کی۔ گیہوں کی۔ جو کی اور شہد کی۔ مسلمانو! سنا آپ نے گیہوں جو اور شہد کی شراب کی حرمت قرآن میں نازل ہوئی لیکن حنفی مذہب ان تینوں کو حلال کہتا ہے۔ اب جوار کی شراب نسبت بھی صاف حدیث سن لیجئے! مسلم شریف میں ہے کہ ایک یمنی شخص نے رسول اللہ ﷺ

سے پوچھا کہ ہمارے ہاں جوار سے ایک پینے کی چیز بنتی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کیا وہ نشہ لاتی ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں نشہ لاتی ہے۔ آپ نے فرمایا نشہ لانے والی ہر چیز حرام ہے الخ دوستو! ان حدیثوں پر دوبارہ نظر ڈال جاؤ۔ گیہوں کی۔ جو کی، جوار کی اور شہد کی شراب کو اللہ کے رسول ﷺ نے حرام فرمائی۔ قرآن نے حرام کی۔ اور حنفی مذہب حلال کہتا ہے اب انصاف سے کہو کہ خدا رسول کی بات ماننی چاہئے یا کسی کی؟ جو حدیثیں اس مسئلے کی میں نے یہاں نقل کی ہیں سب مشکوۃ میں موجود ہیں۔ آیئے میں آپ کو ایک اور صاف حدیث بھی سنادوں ترمذی اور ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ ''اِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا وَّمِنَ الشَّعِيْرِ خَمْرًا وَمِنَ الثَّمَرِ خَمْرًا وَمِنَ الزَّبِيْبِ خَمْرًا وَّمِنَ الْعَسَلِ خَمْرًا ''یعنی گیہوں، جو، کھجور، کشمش، اور شہد کی بھی شراب ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جتنے مسائل اس کتاب میں میں نے لکھے ہیں۔ ان کی ایک ایک حدیث وارد کی ہے لیکن یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ان مسائل میں یہی ایک ایک ہی حدیث نہیں بہت بہت ساری حدیثیں ہر مسئلے پر ہیں لیکن ہمیں تو یہاں فقہ وحدیث، حنفی، محمدی، اہل حدیث اور اہل فقہ، مقلد اور متبع کا فرق واضح طور پر دکھانا ہے اس لئے ہم نے بطور اختصار ایک ایک حدیث پر اور ایک ہی کتاب کی فقہ کی عبارت پر اکتفا کیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرتے ہیں کہ ہمیں وہ ایسا بے ادب نہ بنادے کہ ہم حدیث کو کسی کے قول پر قربان کردیں۔ حنفی مذہب کے ایسے ہی ایک سو مسائل ہماری کتاب ہدایت محمدی میں دیکھئے۔

(شمع محمدی ص ۷۸ ظفر المبین حصہ اول ص ۱۹۴ فتح المبین علی ردمذاہب المقلدین ص ۵۳ وص ۱۳۳)

جواب: علامہ ابوالحسن مرغینانیؒ حنفی صاحب ہدایہ کو اس مقام پر امام محمدؒ کی جامع صغیر کی عبارت سے وہم ہوگیا ہے۔ جوناگڑھی نے ہدایہ کی پوری

عبارت نقل نہیں کی اگر پوری عبارت نقل کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ اصل یہ بات جامع صغیر کی ہے۔ ہدایہ کے بعد اکثر مصنفین نے صاحب ہدایہ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی اپنی تصانیف میں یہ مسئلہ بیان کر دیا ہے۔ ہدایہ کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ابو الحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں۔

''وقال فی الجامع الصغیر ماسوی ذلك من الاشربه فلا باس به قالوا هذا الجواب علی هذا العموم والبیان لا یوجد فی غیره وهو نص علی ان ما یتخذ من الحنطة والشعیر والعسل والذرة حلال عند ابی حنیفه ولا یحد شاربه عنده وان سکرمنه ولا یقطع طلاق السکران منه بمنزلة النآئم''(ہدایہ اولین ص۴۹۶۔۴۹۵ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ)

امام محمد نے جامع الصغیر میں کہا ہے کہ ان چار شرابوں کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات کے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے (اس قول کی تفصیل کرتے ہوئے) فقہاء نے کہا جس طرح اس کتاب میں عموم ہے وہ (امام محمد کی) اور کسی کتاب میں نہیں ہے اور عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ جو شراب گندم، جو، شہد اور جوار سے بنائی جائے وہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حلال ہے اور اس کے پینے والے پر حد جاری نہیں ہو گی خواہ اس کو نشہ ہو جائے اور اس نشہ میں اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہو گی جیسا کہ سونے والے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

ہماری تحقیق یہ ہے کہ امام محمد نے جامع الصغیر میں جو یہ لکھا: ''وما سوی ذلك من الاشربة فلا باس به ''ان چار شرابوں کے ماسوا سے اس قسم کا عموم مراد نہیں ہے جو اس عبارت کی تخریج کرنے والوں نے سمجھا ہے حتی کہ جو شراب بھی نشہ آور ہو وہ حلال ہو جائے، بلکہ ماسوا سے مراد وہ مشربات ہیں جو نشہ آور نہ ہوں کیونکہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک نبیذ اور ہر نشہ آور

مشروب حرام ہے، اس کے پینے سے حد لازم آتی ہے اگر وہ نشہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے طلاق ہو جاتی ہے خود امام محمد نے یہ لکھا ہے کہ امام اعظم کا یہی قول ہے جیسا کہ ہم انشاء اللہ عنقریب کتاب الآثار کے حوالے سے نقل کریں گے اس لئے جامع الصیغر کی اس عبارت میں ایسا عموم مراد نہیں ہے جو اس عبارت کی تخریج اور تفصیل کرنے والوں نے بیان کیا ہے اور امام ابو حنیفہ اس بات سے بری ہیں کہ وہ ان چار شرابوں کے علاوہ باقی نشہ آور شرابوں کو حلال قرار دیں اس پر حد لازم نہ کریں اور اس کی طلاق واقع نہ کریں اب ہم ٹھوس حوالہ جات کے ساتھ اس سلسلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ کا موقف بیان کرتے ہیں:

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

" فالنبيذ هو ماء التمر اذا طبخ ادنى طبخة يحل شربه فى قولهم مادام حلوا واذا غلا واشتد وقذف بالزبد۔عن ابى حنيفه وابى يوسف يحل شربه للتداوى والتقوى الا المحدى المسكر " (بنایہ شرح ہدایہ جلد ۲ ص ۷۰۵ /۷۰۴ مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد)

کھجور کے پانی کو معمولی جوش دیا جائے تو یہ نبیذ ہے فقہاء احناف کے قول کے مطابق اس کا پینا جائز ہے بشرطیکہ یہ میٹھا ہو جائے اور جب یہ گاڑھا ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے۔ تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ دوا اور طاقت حاصل کرنے کے لئے اس کا پینا جائز ہے البتہ اگر یہ نشہ آور ہو تو اس کا پینا جائز نہیں ہے۔

نبیذ ان چار شرابوں کے علاوہ ہے اور اس عبارت میں تصریح ہے کہ جب وہ نشہ آور ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا پینا جائز نہیں ہے۔

۲۔ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

" ورواية عبدالعزيز عن ابى حنيفة وسفيان انهما سئلا فيمن شرب البنج فارتفع الى راسه وطلق امراته هل يقع قالا ان كان يعلمه حين شربه ما

ھو یقع ''(فتح القدیر شرح ہدایہ ج ۵ ص ۸۲ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

عبدالعزیز نے بیان کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور سفیان سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص بھنگ کے نشہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو کیا اس کی طلاق واقع ہو جائے گی؟ امام ابو حنیفہ اور سفیان نے کہا اگر بھنگ پیتے وقت اس کو بھنگ کا علم تھا اس کی طلاق ہو جائے گی۔

بھنگ بھی ان چار شرابوں کے علاوہ ہے اور اس عبارت میں تصریح ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھنگ کے نشہ سے طلاق ہو جاتی ہے۔

۳۔ امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں۔

''نری الحد علی السکران من نبیذ کان او غیرہ ثمانین جلدۃ بالسوط الی قولہ وھو قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالی'' (کتاب الآثار ص ۱۳۷ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

جس شخص کو نبیذ یا کسی اور مشروب سے نشہ ہو جائے تو ہماری رائے میں اس کو اسی کوڑے حد لگائی جائے گی۔ اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

اس عبارت میں امام محمد نے صاف تصریح کی ہے کہ جس مشروب سے بھی نشہ ہو امام ابو حنیفہ کے نزدیک نشہ والے شخص پر اسی کوڑے حد لگائی جائے گی۔

۴۔ شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے۔

''ان السکر من النبیذ موجب للحد کشرب الخمر'' (المبسوط سرخسی جلد ۲۴ ص ۲۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

نبیذ سے نشہ ہو تو اس سے حد لگانا اس طرح واجب ہے جس طرح خمر پینے سے حد لگانا واجب ہے۔

۵ علامہ ابو الحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

''ومن سکر من النبیذ حد''(ہدایہ اولین ص۵۰۶ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ)
جس شخص کو نبیذ سے نشہ ہو گیا اس کو حد لگائی جائے گی۔

۶۔علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں۔

''ای شراب کان غیر الخمر اذا شربہ لا یحد الا اذا سکر بہ''
(ردالمحتار ج۳ ص۲۲۵ مطبوعہ عثمانیہ استنبول)

خمر کے علاوہ کسی شراب کو بھی پیا جائے اس سے حد لازم نہیں ہو گی البتہ اگر اس سے نشہ ہو جائے تو حد لازم ہو گی۔

۷۔علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں:

''او سکر من نبیذ حد''(درالمختار ج۳ ص۲۲۵)
نبیذ سے نشہ ہو جائے تو حد لگائی جائے گی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

''من سکر من النبیذ حد''
جس شخص کو نبیذ سے نشہ ہو جائے اس کو حد لگائی جائے گی۔

مبسوط سرخسی، ہدایہ، درمختار، ردالمحتار اور عالمگیری سے ہم نے اس پر حوالہ جات پیش کئے ہیں کہ نبیذ یا خمر کے علاوہ کسی اور مشروب سے نشہ ہو جائے تو اس پر حد ہے ہر چند کہ ان عبارات میں امام ابو حنیفہ کے قول کی تصریح نہیں کی گئی لیکن اہل علم سے یہ مخفی نہیں ہے کہ فقہاء احناف کی کتابوں میں جب مطلقاً کسی مسئلہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ امام ابو حنیفہ کا ہی قول ہوتا ہے اور جہاں امام محمد یا امام یوسف کے قول پر فتویٰ ہوتا ہے یہ تصریح کر دی جاتی ہے کہ یہاں امام اعظم کا یہ موقف ہے اور فتویٰ امام محمد یا امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ لہٰذا ان تمام حوالہ جات سے یہ ثابت ہوا کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک ہر وہ مشروب حرام ہے جس سے نشہ ہو اور اس کے پینے پر حد لازم ہے اور اگر اس کے نشہ میں بیوی کو طلاق دے دی تو وہ طلاق واقع ہو جائے گی امام

ابو حنیفہ کے مذہب اور ان کے اقوال کو بیان کرنے والے امام محمد بن حسن شیبانی ہیں اور انہوں نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان چار شرابوں کے علاوہ باقی نشہ آور شرابیں حلال ہیں اور ان کے پینے پر حد نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس کتاب الآثار میں یہ لکھا ہے کہ جس شخص کو نبیذ یا کسی اور چیز سے نشہ ہو جائے اس پر حد ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے، اور جامع الصیغر کی عبارت کی جو اس کے خلاف تخریج اور تفصیل کی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اس کی تخریج کی بنیاد پر ہدایہ، تبیین الحقائق یا بعض دوسری کتابوں میں جو صرف چار شرابوں کو حرام کہا گیا ہے اور باقی نشہ آور شرابوں کو حلال کہا گیا ہے یا ان پر حد لازم نہیں کی وہ سب صحیح نہیں ہے۔

۸۔ مفسر قرآن حضرت مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ حنفی لکھتے ہیں۔

احناف نے خمر کے موضوع پر طول طویل بحثیں کی ہیں لیکن ہمیں امام محمد کا یہ فیصلہ پسند ہے۔

"ما اسکر کثیرۃ فقلیلۃ حرام" ہر وہ شراب جس کا کثیر مسکر ہو اس کا تھوڑا بھی حرام ہے۔ انگور، گیہوں، کھجور، انجیر، شہد سے تیار شدہ مشروب امام محمد کے نزدیک قطعاً حرام ہیں۔ صاحب درمختار کا یہ کہنا بِہٖ یفتیٰ کہ قانون حنفی میں اسی پر فتویٰ ہے اور صرف یہی نہیں کہ شراب جیسے قرآن نے خمر کہا ہے وہ حرام ہے بلکہ احناف نے اس معاملہ میں کچھ دوسروں سے زیادہ تشدد آمیز پالیسی اختیار کی ہے وہ اسے صرف حرام نہیں کہتے بلکہ ناپاک اور نجس العین بھی بتاتے ہیں اسے حلال بتانے والے کو دائرہ اسلام میں داخل نہیں سمجھتے ۔ مسلمان کے حق میں اسے مالیت والی چیز نہیں مانتے۔ ہر طرح سے اس سے انتفاع پر قدغن قائم کرتے ہیں۔ دواء بھی اس کے استعمال کو ناجائز کہتے ہیں۔ یاد رہے فقہ حنفی میں قانون وہ ہے جس پر ان کے ہاں فتویٰ ہو۔ اقوال منتشرہ کا نام حنفی نہیں ہے بلکہ لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ شراب پینے والے کا پسینہ بھی

ناپاک ہوتا ہے اور پسینہ آنے سے اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

بہر حال ہمیں احناف کی تفصیلی قانونی بحثوں سے ایک طرف ہو کر شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا یہ فیصلہ ہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ

نشہ آور ساری شرابیں ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے نزدیک حرام ہیں وہ سب کو خمر ہی قرار دیتے ہیں اور بغیر کسی تفصیل کے سب کو حرام قرار دیتے ہیں اور ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد نے شراب کی ساری قسموں کو حرام قرار دیا ہے اور بلاشبہ اس دور کے مطابق اس رائے کو اپنانا ہی احتیاط کا تقاضا ہے اوجز المسالک شرح موطا امام مالک (تفسیر معالم القرآن پارہ ۷ جلد نمبر ۷ سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۹۰ مطبوعہ ادارہ تعلیمات القرآن سیالکوٹ پاکستان)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حنفی لکھتے ہیں۔

اشربہ شراب کی جمع ہے شراب ہر بہتی ہوئی چیز کو کہتے ہیں جسے پیا جا سکے، خواہ حلال ہو یا حرام، لیکن شریعت کی اصطلاح میں ان مشروبات کو کہتے ہیں جو نشہ پیدا کرنے والی ہوں۔ والشراب لغة کل مائع یشرب واصطلاحا ما یسکر (در مختار ج ۵ ص ۲۸۸)

وہ مشروبات جو شرعا حرام ہیں چار طرح کے ہیں:

ا۔ خمر

خمر سے مراد انگور کا کچا رس ہے جس میں جوش پیدا ہو جائے اور جھاگ اٹھنے لگے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک تمام حرام مشروبات میں جوش اور شدت کی کیفیت کا پیدا ہونا کافی ہے جھاگ کا اٹھنا ضروری نہیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک جھاگ کا اٹھنا بھی ضروری ہے حرمت شراب کے معاملہ میں بعض فقہاء احناف نے احتیاطاً صاحبین کی رائے پر فتویٰ دیا ہے۔ وقیل یؤخذ فی حرمة الشراب بمجرد الاشتداد احتیاطا۔ (ہدایہ جلد چہارم ص ۴۷۷)

اس کے علاوہ جن مشروبات پر خمر کا اطلاق کر دیا جاتا ہے وہ از راہ مجاز ہے

(ردالمحتار ج ۵ ص ۲۸۸)

خمر کے احکام

خمر سے درج ذیل احکام متعلق ہیں:

۱۔ حرام مشروبات میں سے اسی کو ''خمر'' سے موسوم کیا جائے گا پھر چوں کہ خمر کی حرمت قرآن مجید میں مصرح ہے اس لئے اگر کوئی شخص اسکی حرمت کا منکر ہو اور اس کو حلال سمجھتا ہو تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا۔ یکفر مستحلها لا نکاره الدلیل القطعی

۲۔ خمر بذاتہ حرام ہو گا چاہے اس کی وجہ سے نشہ پیدا ہو یا نہ ہو۔ اس لئے اس کی زیادہ اور کم مقدار میں کوئی فرق نہیں ہو گا۔ ان عینها حرام غیر معلول بالسکر ولا موقوف علیه ۔

۳۔ پیشاب کی طرح نجاست غلیظہ ہو گا۔ انها نجسة نجاسة غلیظه کالبول

۴۔ مسلمان کے حق میں یہ بے قیمت ہو جائے گا اس کی خرید و فروخت جائز نہ ہو گی اگر کوئی شخص اس کو ضائع کر دے یا غصب کر لے تو اس پر تاوان واجب نہ ہو گا۔ حتی لا یضمن متلفها و غاصبها و لا یجوز بیعها

۵۔ اس سے کسی بھی طرح کا نفع اٹھانا مثلاً جانوروں کو پلانا، زمین کو اس کے ذریعہ تر کرنا جسم کے خارجی استعمال اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک دواءً علاج وغیرہ جائز نہیں۔ وحرم الانتفاع بها ولو یسقی دواب او الطین او نظر للتلهی ادنی دواء او دهن او طعام او غیر ذلك

۶۔ اس کے پینے پر بہر حال حد جاری ہو گی چاہے نشہ کی کیفیت پیدا ہوئی ہو یا نہیں ہوئی ہو۔ یحد شاربها وان یسکر منها

۷۔ خمر بننے کے بعد اگر اس کو پکایا جائے یہاں تک کہ نشہ کی کیفیت ختم ہو جائے تب بھی اس کی حرمت باقی رہے گی البتہ اب جب تک نشہ پیدا نہ ہو

جائے اس پر حد جاری نہ ہو گی۔

۸۔امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا سرکہ بنانا درست ہو گا۔

(ہدایہ جلد چہارم ص ۴۷۸، ۴۷۷، شامی ج ۵ ص ۸۹۔۲۸۸)

۲۔منصَّف وباذق

انگور کے رس کو اس قدر پکایا جائے کہ اس کا نصف حصہ یا نصف سے زیادہ اور دو تہائی سے کم حصہ جل جائے اور نصف یا ایک تہائی سے زیادہ بچ رہے تو یہ بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک شدت پیدا ہو جانے اور جھاگ پھینکنے کی صورت میں اور صاحبین کے نزدیک محض شدت پیدا ہو جانے کی وجہ سے حرام ہو جائے گی۔ اگر پکانے کے بعد نصف مقدار باقی رہ جائے تو ''منصَّف'' اور تہائی سے زیادہ تو ''باذق'' کہلاتا ہے۔ امام اوزاعی کے نزدیک یہ دونوں مشروب حلال ہیں۔

۳۔سکر

کھجور سے حاصل کیا جانے والا کچا مشروب ''سکر'' اور ''نقیع التمر'' کہلاتا ہے یہ بھی حرام ہے فھو حرام مکروہ ......

شریک بن عبد اللہ کے نزدیک یہ حلال ہے۔

۴۔نقیع زبیب

کشمش سے حاصل کیا جانے والا کچا مشروب جس میں شدت اور جھاگ پیدا ہو جائے امام اوزاعی اس کو حلال قرار دیتے ہیں۔

حکم

ان تینوں مشروبات اور خمر کے احکام میں فقہاء نے فرق کیا ہے۔ اس لیے کہ احناف کے نزدیک ان کی حرمت خمر سے کم تر ہے جن احکام میں فرق کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ان مشروبات کی حرمت سے انکار کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جائے گی اس لئے کہ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ان کی حرمت پر اتفاق نہیں ہے اس طرح ان کی حرمت قطعی باقی نہیں رہی بلکہ اس کی حیثیت ایک اجتہادی مسئلہ کی ہے۔
لان حرمتها اجتهادية وحرمة الخمر قطعية
۲۔ ان مشروبات کے نجس ہونے پر فقہاء احناف متفق ہیں تاہم بعض حضرات کے نزدیک یہ بھی نجاست غلیظہ ہیں اور بعض کے نزدیک نجاست خفیفہ ،سرخسی اور صاحب نہر نے ان کے نجاست خفیفہ ہونے کو ترجیح دی ہے۔
۳۔ امام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف کے نزدیک یہ اس مقدار میں حرام ہوں گے جس سے نشہ پیدا ہو جائے چنانچہ اگر اتنی مقدار میں پی گئی کہ نشہ نہ پیدا ہونے پائے تو شراب کی سزا (حد) جاری نہیں ہو گی۔
لا يجب الحد بشربها حتى يسكر ويجب يشرب قطرة من الخمر
۴۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ مشروبات ذی قیمت (متقوم) ہوں گے چنانچہ ان کو فروخت کرنا امام صاحب کے نزدیک درست ہو گا اور اس کو ضائع کرنے والے کو تاوان ادا کرنا ہو گا البتہ یہ تاوان خود ان مشروبات کی شکل میں ادا نہیں کیا جا سکے گا بلکہ قیمت ادا کرنی ہو گی قاضی ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک یہ مشروبات بھی بے قیمت ہیں۔
۵۔ ان سے کسی طرح کا نفع اٹھانا جائز نہ ہو گا۔
(الہدایہ چہارم ص ۸۷،۷۷ ۴، شامی ج ۵ ص ۸۹،۲۸۸)

حلال مشروبات

اسی طرح جو مشروبات حلال ہیں وہ چار ہیں چاہے ان میں شدت پیدا ہو جائے:
۱۔ کھجور اور کشمش کی نبیذ جس کو تھوڑا سا پکا یا دیا جائے۔ ان طبخ ادنی طبخة

۲۔ کھجور اور کشمش کی مخلوط نبیذ جس کو تھوڑا سا پکا دیا جائے۔
۳۔ شہد، گیہوں وغیرہ کی نبیذ چاہے پکائی گئی ہو یا نہیں۔
۴۔ ''مثلث غبی''.................. یعنی انگور کے رس کو اس قدر پکایا جائے کہ دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے۔

لیکن اس کے حلال ہونے کے لئے چند شرطیں ہیں:

اول یہ کہ ان مشروبات کے پینے کا مقصود لہو ولعب کا نہ ہو بلکہ قوت حاصل کرنا مقصود ہو، تاکہ نماز، روزہ، جہاد میں سہولت ہو، یا کسی بیماری میں اس سے فائدہ پہنچنے کا امکان ہو۔ التقوی فی اللیالی علی القیام وفی الایام علی الصیام والقتال لاعداء الاسلام او التداوی لدفع الالام۔

اگر لہو ولعب مقصود ہو تو بالاتفاق حرام ہے۔

دوم یہ کہ اتنی مقدار نہ ہو کہ اس سے نشہ پیدا ہو۔ مالم یسکر ...... اگر غالب گمان ہو کہ اس کے پینے سے نشہ آجائے گا۔ تو پھر اس کا پینا درست نہیں۔

لیکن امام محمد کو اس مسئلہ میں شیخین سے اختلاف ہے ان کے نزدیک ان مشروبات میں اگر شدت کی کیفیت پیدا ہو جائے تو یہ بھی حرام ہو جاتے ہیں چاہے مقدار کم ہو یا زیادہ، بہر حال وہ حرام ہوں گی۔ ان کے پینے پر شراب کی سزا نافذ کی جائے گی۔ اگر پی کر کوئی بحالت نشہ طلاق دے دے تو طلاق واقع ہو جائے گی نیز وہ نجس شمار ہوگا یہی رائے ائمہ ثلاثہ کی ہے اور اسی پر متاخرین احناف نے فتویٰ دیا ہے۔ (دیکھئے رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۲ ۲۹۳) (ماخوذ قاموس الفقہ ص ۳۳۹ تا ۳۴۰ مطبوعہ میر محمد کراچی)

۵۱۔ شرابوں کی شرعی سزا معاف

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ ضَرَبَ فِی الْخَمْرِ الخ (متفق علیه مشکوٰۃ ص ۳۱۵ جلد دوم باب حد الخمر "یعنی رسول اللہ ﷺ نے شراب پینے والے پر حد لگائی ہے۔

اعتراض: پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ حدیث آپ کے سامنے ہے اور اس سے اوپر کی ہدایہ کی آپ عبارت پڑھئے اس میں موجود ہے کہ گو نشہ چڑھ گیا ہو پھر بھی ان شرابوں کے پینے والوں پر حد نہیں۔ پس اے حنفی بھائیو! سوچ سمجھ کر جواب دو کہ فرمان رسول ﷺ مقبول؟ اور اس کے خلاف جو ہے وہ مردود؟ یا حدیث قابل رد؟ اور فقہ مقبول؟ (شمع محمدی ص ۸۰ ظفر المبین حصہ اول ص ۱۹۴)

جواب: جونا گڑھی کا یہ جھوٹ ہے۔

حنفی مذہب میں تو حد لگانا لازم ہے۔

۱۔ علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

"ای شراب کان غیر الخمر اذا شربه لا یحد الا اذا سکر به" خمر کے علاوہ کسی شراب کو بھی پیا جائے اس سے حد لازم نہیں ہو گی البتہ اگر اس سے نشہ ہو جائے تو حد لازم ہو جائے گی (ردالمحتار ج ۳ ص ۲۲۵ مطبوعہ عثمانیہ استنبول)

۲۔ قدوری مترجم ص ۳۱۸ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی میں ہے۔

شراب اور نشہ کی حد آزاد کے لئے اسّی کوڑے ہیں۔

۳۔ احسن المسائل ترجمہ کنزالدقائق مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۸۲ میں ہے۔

اور نشہ کی سزا (خواہ کوئی شراب پینے سے نشہ ہوا ہو) اور انگوری شراب پینے کی جلد اگرچہ ایک ہی قطرہ پیا ہو (ہمارے نزدیک) اسّی کوڑے ہیں۔

۴۔اشرف الوقایہ ترجمہ شرح وقایہ ص۳۳۱ جلد دوم مطبوعہ میر محمد کراچی میں ہے شراب کی حد حد قذف کی طرح ہے یعنی آزاد شخص کے واسطے اسّی کوڑے اور غلام کے لئے نصف۔

۵۔ہدایہ میں ہے۔

اور آزاد کے حق میں شراب نوشی کی سزا اسّی کوڑے ہیں اور اس کی تعین صحابہ کرام کے اجماع سے ثابت ہوئی ہے۔

۶۔فتاویٰ ہندیہ ترجمہ فتاویٰ عالمگیری جلد ۳ ص ۲۸۵ مترجم سید امیر علی غیر مقلد مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور میں ہے۔

سکر و خمر کی حد اگرچہ ایک ہی قطرہ پیا ہو اسّی کوڑے ہیں یہ کنز میں ہے۔

ناظرین کہاں تک لکھتے جائیں آپ خود اندازہ لگائیں کہ جونا گڑھی کی بات کہاں تک درست ہے فقہ حنفی کی کتابوں میں تو یہ لکھا ہے کہ شراب پینے کی حد اسّی کوڑے ہیں مگر جونا گڑھی کہتا ہے کہ فقہ حنفی میں سزا معاف ہے فیصلہ آپ خود کریں۔

۵۲۔ تھوڑی شراب پی لینا حنفی مذہب میں حرام نہیں

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

”عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ“ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ مشکوٰۃ ص ۳۱۷ ج ۲ باب بیان الخمر)

یعنی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جس چیز کی زیادتی نشہ کرے اس کی

کم مقدار بھی حرام ہے اور حدیث میں ہے کہ ایک فرق (یعنی تین صاع یعنی تقریباً آٹھ سیر) چیز اگر نشہ لائے تو وہ چیز گو مٹھی بھر ہو تو بھی حرام ہے۔

اعتراض: پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ جو پیالی نشہ لائے وہ ہمارے نزدیک حرام ہے مثلاً دس جام پینے سے نو میں نشہ نہیں آیا تو وہ تو حلال ہیں دسواں جام جو آخری ہے جو نشہ لایا وہ حرام ہے۔ چنانچہ ہدایہ جلد ۴ ص ۴۸۱ کتاب الاشربہ میں ہے "وَلِاَنَّ الْمُفْسِدَ هُوَ الْقَدْحُ الْمُسْكِرُ وَهُوَ حَرَامٌ عِنْدَنَا" یعنی اور اس لئے کہ مفسد آخری جام ہے اور وہی ہمارے نزدیک حرام ہے (شمع محمدی ص ۸۰ ظفر المبین حصہ اول ص ۱۹۴)

جواب: (۱) علامہ ابن ہمام حنفی فتح القدیر شرح ہدایہ ج ۵ ص ۸۰ / ۷۹ میں لکھتے ہیں خمر کے علاوہ باقی نبیذوں میں نشہ کی وجہ سے حد لازم ہوتی ہے اور خمر کا ایک قطرہ پینے سے بھی حد لازم آتی ہے خواہ نشہ ہو یا نہ ہو۔

(۲) امام محمد لکھتے ہیں:

"محمد عن یعقوب عن ابی حنیفه رضی اللّٰہ عنهم قال الخمر قلیلها و کثیرها" (کتاب الآثار ص ۱۵۴)

امام محمد، امام ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا خمر (شراب مطلقاً حرام ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر)

صاحب ہدایہ بھی یہاں پر یہ کہتے ہیں کہ خمر کے علاوہ نبیذ وغیرہ جب حرام ہوتی ہے جب اس میں نشہ آ جائے۔ جب تک نشہ نہیں اس وقت تک حرام بھی نہیں جس جام سے نشہ آئے گا اسی کو حرام کہا جائے گا پہلے جو نبیذ پی ہے وہ صحیح تھی اس میں نشہ نہیں تھا تو اس پر حرام کا **حکم کیسے** لگے گا۔ ہدایہ کا یہ مسئلہ بالکل درست ہے جو نا گڑھی نے جو یہ لکھا ہے۔

"مثلاً دس جام پینے سے نو میں نشہ نہیں آیا تو وہ حلال ہیں اور دسواں جام جو

آخری ہے جو نشہ لایا وہ حرام ہے"

یہ ساری عبارت اپنی طرف سے لکھی ہے ہدایہ میں بالکل نہیں ہے یہ مسئلہ فتاویٰ عالمگیری میں موجود ہے مگر اس طرح نہیں جس طرح جونا گڑھی نے بیان کیا ہے عالمگیری کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

اگر ایک شخص نے نو پیالے نبیذ تمر کے پیئے پھر دسواں پیالہ اس کے منہ میں (زبردستی) ڈالا گیا پس نشہ ہو گیا تو اس کو حد نہ ماری جائے گی اس واسطے کہ سکر اس کے اثر کی طرف مضاف ہوتا ہے (فتاویٰ عالمگیری جلد ۹ ص ۱۸۶ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

یہ ترجمہ سید امیر علی غیر مقلد کا کیا ہوا ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ نبیذ تمر شراب بمعنی خمر کا نام نہیں بلکہ اس پانی کا نام ہے جس میں چند کھجوریں ڈال دی جائیں تا کہ پانی میٹھا ہو جائے جس طرح آج کل شکر ڈال کر پانی میٹھا کیا جاتا ہے اسی طرح زمانہ رسالت مآب ﷺ میں کھجوریں ڈال کر پانی میٹھا کیا جاتا تھا شرعاً اس مشروب کا پینا بلا کراہت درست ہے حضور اقدس ﷺ نے اس کو بار بار نوش فرمایا ہے چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اس پیالہ میں پینے کی طہر چیز پلائی ہے۔ شہد، نبیذ، پانی اور دودھ۔ (مشکوٰۃ مترجم جلد ۲ ص ۳۱۹ مطبوع مکتبہ رحمانیہ لاہور)

حدیث نمبر ۲: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہا ہم ایک مشک میں رسول اللہ ﷺ کے لئے نبیذ بناتے تھے اوپر کی جانب سے اس کو بند کر دیا جاتا تھا نیچے اس کا دہانہ تھا ہم صبح نبیذ ڈالتے آپ رات کو پی لیتے ہم رات کو نبیذ بناتے آپ صبح پی لیتے۔ (مشکوٰۃ مترجم ج ۲ ص ۳۲۰)

حدیث نمبر ۳: ابن عباس سے روایت ہے کہا رسول اللہ ﷺ کے لئے

رات کے پہلے حصہ میں نبیذ ڈالی جاتی تھی آپ اس دن پیتے بعد میں آنے والی رات کو بھی پیتے دوسرے دن اگلی رات بھی اور تیسرے روز عصر تک اگر بچ رہتی خادم کو پلا دیتے یا حکم فرماتے اس کو پھینک دیا جائے (مشکوٰۃ مترجم جلد ۲ ص ۳۲۰)

حدیث کی شرح میں محدثین نے فرمایا کہ اگر بوجہ گرمی وغیرہ کے نبیذ میں نشہ پیدا ہو جاتا (جس کی پہچان رنگ بدلنے یا جھاگ پیدا ہونے وغیرہ سے ہو جاتی ہے) تو حضور اکرم ﷺ اس کے گرانے کا حکم دے دیتے اور اگر نشہ پیدا نہ ہوتا تو خادم کو پلا دیتے (مرقات ص ۲۲۷ جلد ۸)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نبیذ تمر عمدہ و پسندیدہ مشروب ہے۔ البتہ اسے اگر زیادہ دیر تک رکھا جائے تو اس میں کبھی نشہ بھی پیدا ہو جاتا ہے یہ مشروب نشہ آور ہونے سے پہلے بلا کراہت حلال ہے اور نشہ آور ہونے کے بعد بلاشبہ حرام ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کی مندرجہ بالا عبارت ان احادیث کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے یعنی اگر کسی شخص نے نبیذ تمر کے ایسے نو پیالے خود لئے جن میں نشہ نہ تھا اور دسواں پیالہ جس میں نشہ تھا خود نہ پیا بلکہ کسی نے اس کے منہ میں زبردستی ڈال دیا جس سے وہ نشہ میں ہو گیا تو اس کو حد نہ ماری جائے گی کیونکہ جس نبیذ تمر کو اس نے خود پیا اس میں نشہ نہ تھا اور جس میں نشہ تھا اس نے خود نہ پیا جب نشہ آور چیز بغیر اکراہ کے خود نہ پی جائے تو حد نہیں لگائی جا سکتی قرآن مجید میں ہے ''فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ ''یعنی جو شخص حرام چیز کے کمانے یا پینے پر مجبور ہوا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (البقرۃ)

ہدایہ اور عالمگیری کی عبارات نبیذ تمر کے متعلق ہیں جونا گڑھی اور دیگر غیر مقلدین نے اس کے مقابل جو حدیثیں ذکر کی ہیں وہ بجائے نبیذ تمر کے خمر سے متعلق ہیں جونا گڑھی کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ خمر میں نبیذ تمر میں کیا فرق ہے۔

غیر مقلدین کا مذہب: پہلا مسئلہ جو روٹی شراب ملا کر پکائی جائے اس کا کھانا درست ہو گا جن ادویہ میں شراب کی روح یعنی الکحل شریک ہوتی ہے اس کا بھی استعمال درست ہو گا ہمارے علماء اہل حدیث میں سے مفتی مصر نے ایسا ہی فتویٰ دیا ہے (لغات الحدیث جلد ا ص ۶۰ مادہ۔ ءم)

دوسرا مسئلہ: کپڑے یا جسم میں شراب لگ جائے تو دھونے کی ضرورت نہیں کیونکہ شراب نجس نہیں ہے (لغات الحدیث جلد ۶ ص ۸ مادہ ءن)

۵۳۔ طاقت حاصل کرنے کے لئے شراب نوشی حنفی مذہب میں حلال ہے

صاحب شمع محمدی نقل کرتے ہیں۔

اوپر والی نمبر ۴۹ کی حدیث پھر پڑھ جایئے اور اس سے پہلے کی بھی۔ جن میں حرمت شراب صاف موجود ہے آیت قرآن بھی شراب کی حرمت میں مسلمانوں کو معلوم ہے شراب اپنی جملہ اقسام سے اسلام میں حرام ہونا اس قدر مشہور ہے کہ غیر مسلم بھی اسے جانتے ہیں۔

اعتراض: پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب کی نہایت ہی معتبر کتاب ہدایہ ص ۴۸۱ ج ۴ کتاب الاشربہ میں ہے ''عَصِيْرُ الْعِنَبِ اِذَا طُبِخَ حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثَاهُ وَبَقِيَ ثُلُثُهٗ حَلَالٌ وَّاِنِ اشْتَدَّ ''یعنی شیرہ انگور (جو شراب ہے) جب پکا لیا جائے یہاں تک کہ دو تہائی جاتا رہے اور ایک تہائی باقی رہے تو وہ حلال ہے گو اس میں نشہ پیدا کرنے کا مادہ بھی موجود ہو گیا ہو پھر آگے لکھتے ہیں کہ یا اس شرط سے حلال ہے کہ ''اِذَا قَصَدَ به التقوی'' جب اس سے ارادہ قوت حاصل کرنے کا ہو ۔اگر ارادہ لہو ولعب کا ہے تو بے شک حرام ہے۔ کہیے حنفی بھائیو! اب کیا کہیں گے؟ فقہ کو مان کر اس شراب کو اس ارادے سے پینا حلال کہیں گے؟ یا

حدیث کو مان کر شراب کو حرام ہی کہیں گے۔ (شمع محمدی ص۸۱ ظفر المبین حصہ اول ص۱۹۴)

جواب: جونا گڑھی نے ہدایہ کے حوالہ سے خود نقل کیا ہے کہ اگر ارادہ لہو ولعب کا ہے تو بے شک حرام ہے۔

سوال یہ کہ اگر فقہ حنفی میں یہ شراب مطلقاً حلال ہوتی تو لہو ولعب کے ارادہ سے پینے سے کیوں حرام ہوتی۔ جونا گڑھی نے مسئلہ نمبر ۴۷ تا ۵۲ تمام مسائل میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ شراب کے متعلق فقہ حنفی کے یہ مسائل ہیں حالانکہ خمر (جو کہ اصل شراب ہے) کے متعلق ان میں سے ایک بھی نہیں ہے۔ خمر کے متعلق ان شاء اللہ آگے تفصیل آ رہی ہے۔

یہاں پر فقہ حنفی کا صحیح مسئلہ یہ ہے کہ اگر نشہ آ جائے تو پھر پینا جائز نہیں ہے۔

علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں۔

"عن ابی حنیفه وابی یوسف یحل شربه للتداوی والتقوی الا المعدی المسکر" (بنایہ شرح ہدایہ ج۲ ص۴۰۵ / ۴۰۴)

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ دوا اور طاقت حاصل کرنے کے لئے اس کا پینا جائز ہے۔ البتہ اگر یہ نشہ آور ہو تو اس کا پینا جائز نہیں ہے۔

۵۴۔ مردہ مچھلی کا مسئلہ

صاحب شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هُوَ الطُّهُوْرُ مَآءُ وْهَا وَالْحِلُّ مَیْتَتُهٗ" (رواہ مالک والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی۔ مشکوٰۃ ص۵۱ جزء باب احکام المیاہ) یعنی سمندر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا پانی پاک

ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔

اعتراض : پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

اس حدیث کو بھی حنفی مذہب نہیں مانتا۔ چنانچہ ہدایہ جلد ۴ ص ۴۲۶ کتاب الذبائح فصل ''فِيْهَا يَحِلُّ ''الخ میں ہے ''وَيُكْرَهُ اَكْلُ الطَّافِيْ مِنْهُ ''یعنی جو مچھلی مر کر پانی پر آجائے اس کا کھانا مکروہ ہے۔ حنفی بھائیو! آپ خود خیال فرمالیجئے کہ حدیث میں ہے دریا کا مرا ہوا حلال آپ کے مذہب میں ہے کہ دریا کی مری ہوئی مچھلی جو پانی پر آجائے۔ مکروہ! اب فرمایئے کہ اس فقہ و حدیث لڑائی میں آپ کس فوج میں بھرتی ہوں گے؟ (شمع محمدی ص ۸۱، ظفر المبین حصہ اول ص ۲۲۱)

جواب: جونا گڑھی نے یہ اعتراض بھی ظفر المبین سے سرکہ کیا ہے اس کا جواب ہم فتح المبین سے نقل کرتے ہیں۔

مولانا منصور علی خاں لکھتے ہیں۔

ابو داؤد اور ابن ماجہ میں جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَآ اَلْقَى الْبَحْرُ اَوْ جَزَرَ عَنْهُ فَكُلُوْهُ وَمَا مَاتَ فِيْهِ فَطَفٰى فَلَا تَاكُلُوْهُ''

یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو چیز ڈال دے دریا یا علیحدہ ہو جائے اس سے پس کھالو تم اس کو اور جو شے دریا میں مر جائے اور الٹی ہو کر اوپر آجائے پس نہ کھاؤ تم اس کو۔

اور علی سے مروی ہے کہ فرمایا انہوں نے ہماری بازاروں میں طافی مچھلی مت بیع کرو۔

اسی طرح ابن عباس اور ابو ہریرۃؓ اور ابن عمرؓ سے طافی کی ممانعت میں احادیث مروی ہیں اور تبیین الحقائق میں لکھا ہے ''وَعَنْ جَمَاعَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ مِثْلُهٗ وَهُوَ حُجَّةٌ عَلٰى مَالِكٍ وَّالشَّافِعِيْ فِيْ اِبَاحَتِهِمَا الطَّافِيَ وَلَا دَلِيْلَ لَهُمَا فِيْمَا رَوَيَا لِاَنَّ الْمُرَادَ بِمَيْتَةِ الْبَحْرِ مَا لَفِظَهُ الْبَحْرُ حَتّٰى يَكُوْنَ مَوْتُهٗ مُضَافًا اِلَى الْبَحْرِ وَلَا يَتَنَاوَلُ مَا مَاتَ فِيْهِ عَرَضٍ وَّنَحْوِهٖ''

یعنی اور ایک جماعت صحابہؓ سے ایسی ہی روایت ہے اور یہ حدیث امام مالکؒ اور امام شافعیؒ پر حجت ہے کیونکہ وہ دونوں طافی مچھلی کو مباح سمجھتے ہیں اور حجت ان کی وہ حدیث جو انہوں نے روایت کی ہے نہیں ہو سکتی اس لئے کہ مراد دریا کے میتہ سے وہ ہے کہ اسکو دریا پھینک دے تاکہ موت اس کی طرف دریا کے منسوب ہو جائے اور نہیں شامل ہے یہ حدیث اسکو جو مرض وغیرہ سے مر جائے۔

پس معلوم ہوا کہ جو مچھلی دریا میں الٹی ہو کر اوپر پانی کے آجاتی ہے وجہ اس کی مرض ہوتا ہے دریا کی سردی گرمی سے طافی نہیں ہوتی اس پر میتہ دریا کا صادق نہیں آئے گا کیونکہ دریا کے میتہ سے یہ تو مراد نہیں ہے کہ دریا ہی میں مرے اگر باہر آکر مرے گی تو بھی حلال ہے بلکہ دریا کی طرف جو نسبت کی ہے اس سے مراد فعل دریا ہے لہٰذا طافی پر میتہ دریا صادق نہیں ہو گا پھر جب حدیث صحیح موجود ہے اور صحابہؓ کا بھی مذہب یہی منقول ہے کہ اس کا کھانا نہیں چاہیے تو اب کوئی اس میں حالت منتظر باقی نہیں رہی معترض صاحب نے خود ان صریح حدیثوں کی مخالفت کی ہے ناحق دوسروں پر مخالفت کا اعتراض ہے واہ

سبحان اللہ یجوز لی ولا یجوز لغیری ؎

نیک میجوئی عیوب دیگران
چون رسی برعیب خود کوری اوزان

۵۵۔ کتے کے جھوٹے برتن کا مسئلہ

جونا گڑھی نے اس مسئلہ کے ذیل میں ایک حدیث پیش کی ہے۔

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا شَرِبَ الْکَلْبُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِکُمْ فَلْیَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ "(متفق علیہ مشکوٰۃ ص۵۲ ج ا باب تطہیر النجاسات)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب تم میں سے کسی کے برتن میں سے کتا پی جائے تو وہ اسے سات مرتبہ دھو ڈالے۔

اعتراض: پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن حنفی مذہب اس حدیث کو نہیں مانتا اس کی فقہ کی معتبر کتاب ہدایہ ص ۲۸ ج اول کتاب الطہارۃ فصل فی الاسار میں لکھا ہے یُغْسَلُ الْاِنَاءُ مِنْ وُلُوْغِہٖ ثَلٰثًا یعنی کتے کے جھوٹے برتن کو تین دفعہ دھویا جائے۔ کہو حنفی بھائیو! حضور سات مرتبہ کا حکم دیں آپ کا مذہب تین مرتبہ کا حکم دے۔ اب آپ کیا مانیں گے؟ اور کس سے انکار کریں گے؟ (شمع محمدی ص ۸۲ ظفر المبین حصہ اوّل ص ۶۳ فتح المبین علی ردِّ مذاہب المقلدین ص ۵۷ اختلاف امت کا المیہ حصہ اوّل ص ۵۸ سبیل الرسول ص ۲۲۹)

جواب: کتے کے جھوٹے برتن کو دھونے کے متعلق مختلف احادیث وارد ہیں جن میں سے چند ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

۱۔ کتے کے جھوٹے برتن کو سات دفعہ دھو ڈالو آٹھویں دفعہ مٹی سے مانجھو (مسلم عن عبداللہ بن المغفل)

۲۔ کتے کے جھوٹے برتن کو سات مرتبہ دھوؤ (بخاری مسلم عن ابی ہریرۃ)

۳۔ کتے کے جھوٹے برتن کو تین مرتبہ دھوؤ (کامل ابن عدی عن ابی ہریرۃ ہٰذا صحیح او حسن، معارف السنن ج ا ص ۳۲۵)

یہ آنحضرت ﷺ کے تین حکم ہیں آٹھ مرتبہ دھونا سات مرتبہ دھونا تین مرتبہ دھونا۔

حضرت ابوہریرۃ کا فتویٰ

کتا برتن میں منہ ڈال دے تو تین مرتبہ دھونا۔ (دارقطنی۔ طحاوی بسند صحیح، آثار السنن ج ا ص ۱۲) محدث طحاویؒ فرماتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرۃ کا تین بار دھونے کا فتویٰ دینا واضح دلیل ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ کی سات دفعہ دھونے والی حدیث منسوخ ہے کیونکہ ہم حضرت ابو ہریرۃ سے حسن ظن رکھتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابو ہریرۃ آنحضرت ﷺ سے کچھ اور سنیں اور پھر فتویٰ آپ کے خلاف دیں۔ اس سے تو آپؓ کی عدالت ہی ساقط ہو جائے گی اور صحابہ سب کے سب عادل ہیں (طحاوی ج ا ص ۲۳)

مکہ مکرمہ کے مفتی حضرت عطاء سے جب کتے کے جھوٹے برتن کے مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں نے یہ سب سنا ہے سات مرتبہ پانچ مرتبہ اور تین مرتبہ۔ (عبد الرزاق ج ا ص ۹۷)

مدینہ منورہ حضرت معمر جو سات اور آٹھ دفعہ دھونے کی حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں میں نے امام زہری سے کتے کے جھوٹے برتن کا مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا تین مرتبہ دھویا جائے (عبد الرزاق ج ا ص ۹۷)

کوفہ سید الامام الاعظمؒ بھی یہی فتویٰ دیتے تھے کہ برتن تین مرتبہ دھویا جائے۔

آنحضرت ﷺ سے یہ تین حکم مروی ہیں جو بظاہر متعارض ہیں اور خود آنحضرت ﷺ سے ان کے بارہ میں کوئی فیصلہ مروی نہیں کہ کون سا پہلے کا ہے اور کون سا بعد کا۔ اور جو فیصلہ صراحۃً کتاب و سنت میں موجود نہ ہو اس میں بنص حدیث معاذؓ مجتہد اجتہاد سے جو فیصلہ دے وہ لازم العمل ہو گا۔

ایک واضح حدیث

احادیث پر نظر رکھنے والا جانتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں کتوں کی بارہ میں احکام بہت سخت تھے ان کو مار ڈالنے کا حکم تھا بعد میں ان سے شکار کھیلنے کی اجازت مل گئی اور احکام نرم کر دئے گئے اس لئے خیر القرون میں تمام مراکز اسلام، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کوفہ میں فتویٰ تین پر ہی رہا۔

جونا گڑھی نے احناف کثر اللہ سوادہم پر اعتراض کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ سے بھی دھوکا کیا کہ آپ ﷺ کے تین حکموں میں سے ایک حکم بتایا اور دو کو چھپایا۔

دوسرا فریب یہ کہ صحابیؓ رسول اللہ ﷺ اور تابعین کے صحیح فتووں کو چھپایا انہوں نے تین والی حدیث پر فتویٰ دیا تھا اس نے خیر القرون والوں کے خلاف محض ضد اور نفسانیت سے اس فتویٰ کی مخالف کی۔

ہدایہ کی مکمل عبارت

اور کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اور جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اس کو تین مرتبہ دھویا جائے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کتے کے جھوٹے برتن کو تین مرتبہ دھوؤ۔ اور کتے کا منہ پانی کو لگا تھا نہ کہ برتن کو تو جب برتن ناپاک ہو گیا تو پانی درجہ اولیٰ ناپاک ہو گیا یہ دلیل ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔ اور حدیث شریف میں تین مرتبہ کا عدد امام شافعیؒ پر حجت ہے جو سات مرتبہ کو شرط قرار دیتے ہیں کتے کا پیشاب جہاں لگ جائے تو (بالاتفاق) تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا اور حدیث میں سات مرتبہ دھونے کا حکم ہے وہ اسلام کے ابتدائی دور سے متعلق ہے (اب منسوخ ہے) (ہدایہ ج ۱ ص ۴۵)

دیکھو صاحب ہدایہ نے مسئلہ کا ثبوت حدیث پاک سے دیا تھا اور قیاس والی دلیل بھی نقل کی تھی اور سات والی روایت کا جواب بھی دیا تھا مگر **صاحب شمع محمدی** نے ہدایہ کی عبارت نقل کرنے میں انتہائی خیانت کی ہے جونا گڑھی نے فقہ کے ایک مسئلہ کو حدیث کے خلاف ثابت کرنے کے لئے تین زبردست بے ایمانیاں کیں۔

۱۔ احادیث رسول سے بے ایمانی۔

۲۔ خیر القرون سے بے ایمانی۔

۳۔ ہدایہ سے بے ایمانی۔

نوٹ: لامذہب اپنی بددیانتیوں کو چھپانے کے لئے جلدی سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ سات والی حدیث صحیح ہے اور تین والی ضعیف ہے ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ سات والی حدیث کو صحیح اور تین والی کو ضعیف اللہ کے نبی نے کہا ہے یا کسی امتی نے اگر نبی پاک نے فرمایا ہے تو حدیث پیش کرو اگر کسی امتی نے کہا ہے تو امتی کی تقلید آپ کے مذہب میں شرک ہے۔

پھر دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ امتی خیر القرون کا مجتہد ہے یا بعد القرون کا غیر مجتہد۔ ہم تو خیر القرون کے مجتہد کے مقابلہ میں مابعد خیر القرون کے کسی غیر مجتہد کی بات تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ خیر القرون والوں کی خیریت حدیث صحیح سے ثابت ہے اور بعد والوں کی خیریت حدیث سے ثابت نہیں اور مجتہد کی طرف رجوع حدیث سے ثابت ہے کسی غیر مجتہد کی طرف رجوع حدیث سے ثابت نہیں۔

جونا گڑھی نے احناف پر اعتراض کرنے کے لئے تو دیانت وامانت سب کو خیر باد کہہ دیا مگر صحیح بخاری ص ۱۲۹ ج ۱ پر کتے کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے کی اجازت دی ہے ذرا اس طرف بھی توجہ فرماتے اور آپ کے علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں کتے کا پیشاب پاک ہے (ہدایہ المہدی ج ۳ ص ۷۸) اور نواب صدیق حسن غیر مقلد لکھتے ہیں کتے کے گوشت، خون، بال اور پسینہ کے نجس ہونے پر دلیل نہیں ہے (بدور الاھلہ ص ۱۶) جونا گڑھی نے ان کی تردید میں کیا لکھا ہے جو کسی امتی کے نام سے نہیں بلکہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے نام سے ایسے گندے مسائل پھیلا کر نبی معصوم ﷺ کو بدنام کر رہے ہیں جونا گڑھی صاحب آپکے ابن حزم نے یہ لکھا ہے کہ بیوی کے حق مہر میں کتا دینا جائز ہے۔

۵۶۔ نیت تیمّم

صاحبِ شمع محمدی نے ایک حدیث نقل کی ہے۔
"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ "(متفق علیہ۔ مشکوٰۃ شریف کی پہلی حدیث)
یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔
اعتراض: پھر حنفی مذہب پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
لیکن حنفی مذہب کہتا ہے وَلَا یَشْتَرِطُ نِیَّۃُ التَّیَمَّمِ یعنی تیمم میں نیت شرط نہیں کہ جنابت کا ہے یا وضو کا (ہدایہ ج۱ ص ۳۴) (شمع محمدی ص ۸۲)
جواب: جونا گڑھی نے یہاں پر حنفی مذہب غلط نقل کیا ہے حنفی مذہب میں تیمم کے لئے نیت کرنا ضروری ہے ملاحظہ فرمائیں۔
۱۔ قدوری مترجم اردو ص ۱۹ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی میں ہے۔
نیت تیمّم میں فرض ہے۔
۲۔ کنز الدقائق مترجم اردو ص ۱۷ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی میں ہے۔
تیمّم کی نیت کر کے ایک دفعہ دونوں ہاتھ اس پر مار کر سارے منہ پر پھیرے اور دوسری دفعہ ہاتھ مار کر دونوں کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں پر پھیرے۔
۳۔ شرح وقایہ مترجم اردو ص ۳۷ مطبوعہ میر محمد کراچی۔
پس نیت تیمّم میں فرض ہے۔
۴۔ ہدایہ اولین ص ۳۸۔ ۴۳ مطبوعہ کارخانہ علی محمد کراچی میں ہے۔
تیمّم کرنے والا جب طہارت یا نماز کی نیت کرے تو جائز ہے۔
۵۔ علامہ عینی عمدۃ القاری ج ۴ ص ۷ ۶۰ مطبوعہ مصر میں حضرت عائشہؓ کی روایت کے تحت لکھتے ہیں۔

اس حدیث میں تیمّم میں نیت کے وجوب پر دلیل ہے۔ کیونکہ تیمم کا معنی ہے قصد کرو۔

۶۔ فتاویٰ عالمگیری اردو جلد ا ص ۳۸ باب تیمّم میں ہے اور پہلی فصل ان چیزوں کے بیان میں جو تیمّم میں ضروری ہیں ان میں سے نیت ہے۔

۷۔ مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری حنفی عماد الدین ص ۸۶ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز میں لکھتے ہیں۔

سوال: تیمم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: آدمی کو چاہیے پہلے نیت کرے الخ

۷۔ مفتی کفایت دہلوی حنفی تعلیم الاسلام حصہ سوم ص ۶۶ مطبوعہ تاج کمپنی کراچی میں لکھتے ہیں۔

سوال: تیمم کرنے کا پورا طریقہ بتاؤ؟

جواب: اول نیت کرے کہ میں ناپاکی دور کرنے اور نماز پڑھنے کے لئے تیمّم کرتا ہوں الخ

۹۔ شیخ محمد الیاس فیصل حنفی نماز پیمبر ﷺ ص ۸۹ مطبوعہ سنی پبلیکیشنز لاہور میں لکھتے ہیں۔

تیمم کا طریقہ: تیمم کی نیت کر کے دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر جھاڑ دے الخ

۱۰۔ اکرام الحق حنفی اسلامیات مکمل جلد اول ص ۱۷۳ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ راول پنڈی میں لکھتے ہیں۔

تیمّم میں بھی تین فرض ہیں ا۔ پاکی حاصل کرنے کے لئے تیمّم کی نیت کرنا الخ

۱۱۔ نماز مسنون کلاں ص ۱۳۸ مطبوعہ مکتبہ اور س القرآن گوجرانوالہ میں ہے۔

مسئلہ: تیمم کے لئے نیت کرنا ضروری ہے (ہدایہ ج ا ص ۲۶، کبیری

ص ۶۴ شرح نقایہ ج ۱ ص ۲۶)

ناظرین ہم نے گیارہ حوالے نقل کر دیئے ہیں جس میں ہدایہ کا حوالہ بھی موجود ہے جن میں نیت کرنے کا ذکر ہے یہاں پر ہدایہ میں مسئلہ اور لکھا ہوا ہے جو نا گڑھی نے جو حدیث نقل کی ہے اس کا مطلب اور ہے ہدایہ کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ضروری یعنی شرط نہیں کہ جنابت کے لئے تیمّم کرے تو نیت الگ کرے وضو کے لئے تیمّم کرے تو اس کے لئے الگ نیت کرے یہ شرط نہیں ہے۔ ایک کام کے لئے اگر تیمّم کرلیا دوسرا کام بھی اس سے ادا ہو سکتا ہے۔

ہماری مطبوعات

۱۔	میزان الحق	180
۲۔	مجموعہ رسائل مولانا رشید احمد گنگوہی	50
۳۔	حقائق الفقہ بجواب حقیقۃ الفقہ	180
۴۔	آفتاب محمدی بجواب شمع محمدی	100
۵۔	افادات صفدر	100
۶۔	فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات	100
۷۔	ترجمان احناف	100
۸۔	رکعات تراویح	30
۹۔	اکٹھی تین طلاق کا شرعی حکم	30
۱۰۔	نور العینین فی ترک رفع یدین	30
۱۱۔	مسائل اربعہ	15
۱۲۔	سرور العینین فی تکبیرات العیدین	15
۱۳۔	جرابوں پر مسح غیر مقلد علماء کی نظر میں	15
۱۴۔	مجموعہ وظائف	18
۱۵۔	۲۵ مسائل	51